مجموعہ مجالس اہلبیت مشتاقان اہلبیت ذاکرین عظام اور واعظین کے لئے

ذاکری جواہر پاروں کا

پیش بہا خزانہ

صحائف الیقین

دورِ حاضر میں خطیبانِ ملت، مبلغانِ امت، ذاکرینِ عظام اور واعظین کرام

کے لئے

تاریخی جواہر پاروں کا

بیش بہا خزانہ

اصحاب الیمین

علامہ
حسین بخش

القائم آرٹ پریس
نزد میونسپل کمیٹی سرگودھا

دوسرا ایڈیشن

ذاکرین وواعظین کے لئے دورِ حاضر کی بہترین پیشکش

اصحاب الیمین

ثلۃ من الاولین وثلۃ من الاخرین

مرتبہ ومولفہ

حجۃ الاسلام والمسلمین عمدۃ المفسرین آیۃ اللہ علامہ حسین بخش مجتہد العصر
مصنف تفسیر انوار النجف

ناشر

مکتبہ انوار النجف دریا خان ضلع میانوالی

۲۰/
قیمت بیس روپے

احمد بکڈپو پاک نام باڑہ شاہ کربلا رضویہ سوسائٹی کراچی

پیش لفظ

مدت سے ایک ایسی کتاب کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی جس میں امام حسین علیہ السّلام کے صحابہ کا تذکرہ ہو اور اُن کا مختصر اور جامع تعارف حاصل کرنے کے لئے مومنین کو سہولت ہو۔ کتاب زیرِ نظر میں اس ضرورت کو پورا کیا گیا ہے۔ بہت تھوڑے مقامات پر زبانِ حال کی ترجمانی بھی موجود ہے۔ جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے اُن میں پیش پیش شیخ ذبیح اللہ محلاتی کی کتاب فرسان الہیجا ہے۔ بلکہ اسی کتاب کا مطالعہ ہی میرے لئے اس تالیف کا محرک ثابت ہوا۔ اس میں کوشش کی گئی ہے کہ ضعیف اور موضوع روایات کو شامل نہ کیا جائے تاہم تاریخی مسانید میں فقہی دستور کے ماتحت روایات صحیحہ کا جمع کرنا صرف مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ خداوند کریم مومنین کو اس سے استفادہ کی ہمت دے اور میری اور میرے والدین و خاندان و جملہ مومنین کی مشکلات کو بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ دور فرمائے۔ قارئین کرام سے لغزش کے مقام پر نکتہ چینی کی بجائے درگذر کی خواہش کرتا ہوں۔ اور طالبِ دُعا ہوں۔

(مؤلف) حسین بخش

ہدیہ

چونکہ حضرت سید الشہداء روحی و ارواح المومنین لہ الفداء محسنِ انسانیت ہیں اور تمام انسانوں پر اس محسنِ عظیم کی یادگار ایک فریضہ منصبی کا حکم رکھتی ہے اور اللہ کے نزدیک بھی اس کا ذکرِ خیر ایک بلند پایہ عبادت ہے ۔ میں نے صرف خوشنودیٔ پروردگار کی خاطر وسیلۂ آخرت قرار دیتے ہوئے اس محسنِ عظیم اور اس کے وفا شعار صحابہ کا تذکرہ بصورتِ کتاب پیش کیا ہے اور اپنے اس عمل کو حضرت حجۃ العصر صاحب الزمان عجل اللہ فرجہ کی بارگاہ فیض میں بطورِ ہدیہ کے پیش کرتا ہوں ۔ اور اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اسے دامنِ قبولیت میں جگہ دے کہ میرے لئے اس کو ذریعۂ نجات قرار دے اور محمدؐ و آلِ محمدؐ کے واسطے میرے گناہوں کو دامنِ عفو میں جگہ دے ۔ اور میں اس دُوسری اشاعت کا ثواب حضرت صاحب الزمان علیہ السلام کی بارگاہ میں ہدیہ کرنے کے بعد اپنی محسنہ والدہ ماجدہ (جن کا انتقال ۸ جولائی ۱۹۷۰ء شب جمعہ کو ہوا) کی روح کو ہدیہ کرتا ہوں خداوند کریم محمدؐ و آلِ محمدؐ کے صدقہ میں ان کی لغزشوں سے درگذر فرمائے اور ان کے درجات کو بلند کر کے جناب بتولِ معظمہ کے سایہ میں جگہ دے ۔ قارئین کرام سے مرحومہ کے لئے سورہ فاتحہ کی استدعا ہے ۔

حسین بخش جاڑا تغلبہ

جن کتابوں سے مواد لیا گیا ہے

وہ یہ ہیں

تاریخ طبری	ابن جریر طبری
بحار الانوار	علامہ محمد باقر مجلسی
جلاء العیون	علامہ محمد باقر مجلسی
تذکرۃ الخواص الامہ	سبط ابن الجوزی
فرسان الھیجاء	شیخ ذبیح اللہ محلاتی
قمقام	فرہاد مرزا
مطالب السؤول	محمد بن طلحہ شافعی
مروج الذھب	مسعودی
نور المشرقین	آغا سلطان مرزا
المجالس المرضیہ	علامہ سید محمد باقر مرحوم
مقاتل الطالبیین	
مخزن البکاء	
محرق القلوب	
توضیح عزا	

فہرست کتاب

کتاب ہذا کو سات بابوں میں تقسیم کیا گیا ہے جن کی ترتیب اس طرح ہے۔ صفحہ نمبر

وضاحت۔ ذاکرین و خطیبین کی زبان پر شہدائے کربلا کی تعداد بہتّر مشہور ہے لیکن کتب سیر و مقاتل میں انکی تعداد زیادہ ملتی ہے۔ اسی طرح کربلا میں شہید ہونے والے ہاشمی شہیدوں کی تعداد اٹھارہ مشہور ہے لیکن کتب سیر میں زیادہ کا نام ملتا ہے جسکی متعدد وجوہ بیان کیجا سکتی ہیں (۱) ممکن ہے حملہ اولی کے شہداء کے علاوہ تعداد بہتر ہو (۲) ابتدائی طور پر ساتھ آنیوالوں میں سے صرف بہتر بچ گئے تھے اور فوج اشقیاء کو چھوڑ کر ملنے والے انکے علاوہ تھے اور مقتل عبدالرزاق صفحہ ۲۰۰ میں ہے کہ ۳۲ آدمی تو شب عاشور لشکر کفار کو چھوڑ کر حسینی فوج میں شامل ہوئے تھے۔ (۳) باقاعدہ مبارز طلبی کے بعد جام شہادت نوش کرنیوالوں کی تعداد بہتر تھی اور بے قاعدہ لڑائی میں شہید ہونے والے انکے علاوہ تھے (۴) واقعہ کربلا کو ظالم جماعت چونکہ چھپانا چاہتی تھی اس لئے اسکی مکمل کاروائی کو ضبط نہ کیا جاسکا لہٰذا ممکن ہے کہ شہداء کے تذکروں میں اشتباہ ہوا یا بعض نام رہ گئے یا تکرار ہو گیا ہو

باب اوّل

ان صحابہ کا ذکر جو بنی ہاشم سے نہ تھے اور میدانِ کربلا میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے

ا۔ ابو ثمامہ صائدی

ان کا نام نامی عمرو بن عبداللہ تھا اور قبیلہ بنی صائد تھا جو قبیلہ ہمدان کی ایک شاخ تھی۔ یہ بزرگوار حضرت امیر علیہ السّلام کے سرباز شیعوں میں سے تھے چنانچہ تمام جنگوں میں یہ آپ کے ہمرکاب رہے اور آپ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن علیہ السّلام کی غلامی میں رہے۔

معاویہ کی موت کی خبر جب کوفہ میں پہنچی اور شیعان علی نے سلیمان بن صرد خزاعی کے گھر میں ایک مجلس مشاورت قائم کی تو یہ بھی ان میں تھے اور انہوں نے بھی امام حسینؑ کو دعوتی خط لکھا تھا، حضرت امیر مسلم جب کوفہ میں تشریف فرما ہوئے تو اسلحۂ جنگ کی خریداری پر بھی انہی کو معین کیا گیا اور باہر سے جو اموال آتے تھے ان کی وصولی بھی ان کے ذمہ تھی۔

جب حضرت مسلم کے حکم سے عبیداللہ بن زیاد کے قصر کا محاصرہ ہوا تو حضرت مسلم کی جانب سے قبیلہ ہمدان و تمیم کا علمبردار ابو ثمامہ کو بنایا گیا چنانچہ انہوں نے پوری پامردی کا مظاہرہ کیا۔ جب لوگوں کی بے وفائی سے حضرت مسلم کو پوشیدہ ہونا پڑا تو آپ اپنے خاندان میں چھپے رہے اور آخر کار نافع بن ہلال کے ہمراہ کوفہ سے نکل کھڑا ہوا اور راستہ میں امام حسین علیہ السّلام سے جا ملے اور قبلۂ دین امام کی صحبت میں باریاب رہے انتہائی وفاداری سے فرائض غلامی ادا کرتے رہے روزِ عاشورا جب سپاہ حسین نے یکے بعد دیگرے ایک دوسرے سے شہادت میں سبقت حاصل کرنا شروع کی تو ابو ثمامہ نے عرض کی، آقا! میں دیکھتا ہوں کہ یہ لوگ آپ کے قتل سے باز آنے والے نہیں ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے جام شہادت نوش کروں لیکن نماز کا وقت آگیا ہے اور بہت دوست رکھتا ہوں کہ یہ ایک آخری نماز بھی آپ کی اقتداء میں ادا کرلوں۔ امام عالی مقام نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو زوال ہو چکا تھا۔ فرمایا اے ابو ثمامہ! تو نے نماز کو یاد کیا ہے۔ خدا تجھے نماز گذاروں میں سے کرے پس امام نے نماز خوف پڑھائی اور ابو ثمامہ نے نماز کے بعد عرض کی اے فرزند رسولؐ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ ملحق ہونے کے لئے بے چین ہوں اور آپ کو غریب و بے یارو دیکھ کر طبیعت میں تاب برداشت نہیں رہی۔ امام نے اجازت دی اور ابو ثمامہ نے میدانِ کارزار میں قدم بڑھایا پس آپ فوج اعداء پر شیر ببر بن کر حملہ آور ہوا اور

بہت سے ملاعین کو قتل کیا اور بالآخر زخمی ہو کر گر گئے پس قیس بن عبداللہ نے اس کو شہید کیا جو اُن کا چچا زاد تھا۔ زیارت ناحیہ مقدسہ میں حضرت قائم آلِ محمدؐ نے اس پر ان الفاظ میں سلام بھیجا ہے۔ اَلسَّلَامُ عَلٰی اَبِی ثُمَامَۃَ عَمْرِو بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ الصَّائِدِی۔

ابو عمرو نہشلی

اُن کے نام میں قدرے اختلاف ہے بعض کتب میں حبیب بن عبداللہ نہشلی مذکور ہے اور بعض نے زیاد بن عریب لکھا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں الگ الگ شخص ہوں جن کی کنیت ابو عمرو ہو اور زیاد بن عریب کا ہمدانی ہونا بھی اس کا شاہد ہے۔

بہرکیف ابو عمرو نہشلی نمازی شب بیدار متقی و پرہیزگار اور حضرت امیر علیہ السلام کے شاگرد اور غلام وفادار تھے بروایت ابن نما بن کاہل کے غلام مہران نامی سے مروی ہے کہ میں نے روز عاشورا ایک شخص کو دیکھا جو برق شرربار بن کر قوم اعدا پر اس شدت سے حملہ کرتا تھا کہ وہ اس کے سامنے نہ ٹھہر سکتی تھیں اور بیشۂ شجاعت و شہامت کے اس بپھرے ہوئے شیر کی گونج سن کر بڑے بڑے بہادروں اور نامی گرامی شہ زور جوانوں کے پتّے پانی ہو جاتے تھے پس وہ اس کے حملہ کے وقت بھیڑوں کی طرح بھاگتے ہوئے معلوم ہوتے تھے میں نے بحر تعجب میں غرقاب ہو کر دریافت کیا کہ یہ کون مرد میدان ہے تو جواب دیا گیا کہ یہ ابو عمرو نہشلی ہے۔

میدان کارزار میں انہوں نے اپنی شجاعت کا وہ لوہا منوایا تھا بہت سے ملاعین کو تہ تیغ کر کے ایک مرتبہ امام عالیمقام کی زیارت کے لئے پلٹ گئے اور سلام کر کے دوبارہ واپس جا کر مصروف جہاد ہوئے تھے ان کے کشتگان کی تعداد کو ضبط نہیں کیا گیا۔ آخرکار عمرو بن نہشل کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرما کر ملک بقا کی طرف روانہ ہوئے۔

(۲) ابراہیم بن حصین

بعض کتب معتبرہ میں اس بزرگوار کو شہدائے کربلا میں شمار کیا گیا ہے اور اس کا شہدائے کربلا میں ہونا اس سے بھی ثابت ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے آخری استغاثہ میں جب اپنے اصحاب کو نام لے لے کر پکارا تو ان میں ابراہیم بن حصین کا نام بھی آتا ہے۔ نفس المہموم سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے حملہ میں ۸۴ ملاعین کو جہنم رسید کیا اور ایک روایت میں اُن کے مقتولین کی تعداد ۵۰ بیان کی گئی ہے بالآخر جام شہادت نوش فرما کر کوثر کے

کنارے پہنچے۔

۴، ۵ چار مینی جوان

ان کے نام تفصیل وار نہیں ملے۔ یہ چاروں معاویہ کی فوج میں تھے۔ انہیں اپنی جوان کنواری بہن کے حاملہ ہونے کا شک ہوا پس انہوں نے حضرت امیر علیہ السلام کے سامنے معاملہ پیش کیا تو حضرت نے باعجاز امامت اس کے شکم سے ایک آبی جانور کو نکالا پس یہ چاروں بھائی آپ کا معجزہ دیکھ کر آپ کے ہمرکاب ہو گئے اور کامل الایمان شیعہ ہو گئے اپنی بہن کی کوفہ میں شادی کی اور خود بھی وہیں ساکن ہو گئے۔ حضرت امیرؑ کی شہادت کے بعد امام حسن کے ہمرکاب رہے اور پھر حضرت امام حسین کی غلامی میں رہ کر نصرت امامؑ میں اپنے خون کا آخری قطرہ قربان کر دیا اور درجہ شہادت پر فائز ہو کر خلد بریں میں جا آباد ہوئے۔

(۷) حذیفہ بن اُسید غفاری کا برادر زادہ

اس نیک بخت مجاہد کا نام نہیں مل سکا۔ فرسان الہیجاء میں بصائر الدرجات سے منقول ہے۔ حذیفہ بن اسید غفاری صحابی ذکر کرتا ہے کہ جب امام حسن علیہ السلام معاویہ کے ساتھ صلح کرنے کے بعد کوفہ سے مدینہ جا رہے تھے تو میں ان کے ہمرکاب تھا میں نے دیکھا آپ کے سامنے ایک لدا ہوا اونٹ جا رہا تھا نہ معلوم اس اونٹ پر کیا چیز بار تھی۔ اور جس طرف وہ اونٹ جاتا تھا آپ اس کے پیچھے پیچھے جاتے تھے۔ میں نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اس اونٹ پر کیا چیز بار ہے کہ آپ اس سے جدا نہیں ہوتے۔ آپ نے فرمایا اس پر ایک دفتر ہے میں نے عرض کی کونسا دفتر تو فرمایا اس میں ہمارے شیعوں کے نام درج ہیں۔ میں نے عرض کی اے فرزند رسولؐ میں چاہتا ہوں کہ اپنا نام اس دفتر میں دیکھوں۔ آپ نے فرمایا کل آجانا میں تمہیں دکھا دوں گا۔ حذیفہ کہتا ہے میں صبح کو اپنے بھتیجے کے ہمراہ خدمت اقدس میں حاضر ہوا آپ نے آنے کا سبب دریافت فرمایا تو میں نے عرض کی حضور! کل کا وعدہ پورا فرمایئے۔ تو فرمایا یہ جوان کون ہے؟ میں نے عرض کی یہ میرا برادر زادہ ہے اور یہ پڑھ بھی سکتا ہے لیکن میں نہیں پڑھ سکتا۔ پس حضرت نے درمیان والے دفتر کے حاضر کرنے کا حکم دیا چنانچہ وہ لا دیا گیا۔ حذیفہ کا بھتیجا مطالعہ میں مشغول ہوا اور اپنے چچا سے مخاطب ہو کر کہنے لگا یہ لو چچا جان میرا نام تو یہ لکھا ہوا ہے۔ حذیفہ نے کہا بیٹا میرا نام تلاش کر کہ کہاں ہے پس حذیفہ کا نام بھی مل گیا چنانچہ وہ تو خوش حال اور شادمان واپس پلٹے اور یہی جوان درجہ شہادت پر میدان کربلا میں فائز ہوا۔ مامقانی نے ذکر

گیا ہے کہ یہ حذیفہ بروز محشر امام حسن علیہ السلام کے حواریین میں سے محشور ہو گا۔

۸۔ ایک نامعلوم شخص

محزن البکاء اور کتاب محرق القلاب صفحہ ۱۵۳۔ روز عاشور جب امام مظلوم زخموں سے چور خاک کربلا پر تشریف لائے۔ عمر سعد نے ایک شخص کو آپ کا سر تن سے جدا کرنے کے لئے بھیجا۔ جب وہ قریب آیا تو امام نے فرمایا کہ تو میرا قاتل نہیں ہے تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ آتش جہنم کے شعلوں سے اپنے آپ کو بچا اور میرے قتل میں شریک نہ ہو۔ چنانچہ وہ شخص فوراً تائب ہوا اور عرض کی مولا اس وقت بھی آپ کو ہماری نجات کی فکر ہے پس تلوار نیام سے نکال کر کوفیوں سے لڑنے کی نیت کر لی۔ عمر سعد نے پوچھا کہ تو نے امام حسین کو کیوں نہیں قتل کیا تو اس نے جواب دیا کہ میں نے حق کو پہچان لیا ہے اور اب تجھے بھی دارالبوار پہنچانے کے لئے آیا ہوں چنانچہ حملہ کیا پس عمر سعد کی فوج نے اس کو گھیر لیا اور جب مرنے لگا تو امام حسینؑ کی طرف منہ کر کے عرض کی آقا کیا میری موت آپ کی نصرت میں ہے تو آپ نے اس کو خیر کی دعا دی۔

(۹) ادہم ابن امیہ عبدی

آپ شیعانِ بصرہ میں سے تھے ان کا باپ صحابی رسول تھا۔ اس وقت ماریہ بنت منقذ عبدی کا گھر شیعانِ بصرہ کے جمع ہونے کی جگہ تھی چنانچہ ہر رات شیعانِ علی وہاں جمع ہوتے تھے۔ عامل بصرہ کو ابن زیاد کی طرف سے ہدایت تھی کہ تمام سڑکوں اور راستوں کی پوری طرح ناکہ بندی کی جائے تاکہ کوئی شیعۂ علی نصرتِ حسین کے لئے نہ جا سکے۔ اس طرف امام حسین عازم عراق ہو چکے تھے۔ پس ایک رات شیعانِ بصرہ جب ماریہ کے گھر جمع تھے تو امام حسینؑ کی نصرت کے لئے روانگی کی تحریک پیش ہوئی۔ پس چھ آدمیوں نے خفیہ طور پر اپنے تئیں خدمتِ امام میں پہنچایا۔ ان میں سے ایک ادھم بن امیہ ہیں جو بروز عاشورا حملۂ اولیٰ میں درجۂ رفیعہ شہادت پر فائز ہوئے۔

باقی پانچ آدمیوں کے نام یہ ہیں (۱) عامر بن مسلم عبدی، (۲) سالم جو عامر بن مسلم کا غلام تھا (۳) یزید بن ثبیط ام عبداللہ بن یزید بن ثبیط (۵) عبیداللہ بن یزید ابن ثبیط۔ مختصراً ان کا ذکر بعد میں ہو گا۔

(۱۰) ابوالحتوف بن حارث

یہ شخص اور اس کا بھائی سعد بن حارث فریقِ اشقیاء میں تھے اور خوارج میں شمار ہوتے تھے جب امام نے استغاثہ

کی آواز بلند فرمائی اور خیمہ ہائے اہلِ بیت سے بچوں اور بیبیوں کے گریہ کی آواز بلند ہوئی تو ان دونوں بھائیوں کی قسمت نے یاوری کی اور آپس میں مشورہ کیا کہ بلاشک جب حسین ہمارا پیغمبر زادہ ہے تو اس کو قتل کر کے ہم اس کے نانا کی شفاعت کے حقدار نہیں ہو سکیں گے پس تلواریں میان سے نکال کر آمادۂ نصرتِ فرزندِ رسولؐ ہوئے اور ایک جماعت کثیر کو فی النار کرنے کے بعد جامِ شہادت نوش فرمایا۔

۱۱۔ ابوالشعثاء الکندی

ان کا نام یزید بن زیاد بن مہاصر ہے اور قبیلہ کندہ کا فرد فرید ہے۔ شہسواری اور فنِ تیر اندازی میں اپنی آپ نظیر تھا اور اپنے دور کا عالم اور محدث تھا۔ علاوہ بریں نہایت شریف مردِ میدان اور دلیر تھا۔

قبل اس کے کہ لڑائی کی نوبت حضرت سید الشہداء تک پہنچے، تلوار میان سے نکال کر دشمنانِ دین پر آپ حملہ آور ہوئے جب اُن کے گھوڑے کے پیر کاٹ دئے گئے تو امام پاک کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گئے اور تیر اندازی شروع کی۔ ان کے ترکش میں ایک سو تیر تھے اور سوائے پانچ تیروں کے سب نشانہ پر لگے۔ زیارتِ ناحیۂ مقدسہ میں حضرت قائم آلِ محمدؐ نے اس پر بھی نام لے کر سلام کیا ہے۔ جب یہ شخص تیر مارتا تھا تو امام عالی مقام اس کو دعا فرماتے تھے اور صرف تیروں سے ہی پانچ ملاعین کو فی النار کیا اس کے کل مقتولین کی تعداد چالیس سے کچھ اُوپر بیان کی گئی ہے۔ آخر کار درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

۱۲۔ اسد کلبی

جب حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے آخری استغاثہ بلند کیا تو انصار میں سے جن پندرہ آدمیوں کو نام لے کر پکارا۔ ان میں سے ایک اسد کلبی بھی ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی شہدائے کربلا میں سے ہے۔ اس کے علاوہ کہیں صراحت سے ان کے متعلق کچھ نہیں ملتا۔

اور امام عالی مقام کے الفاظ ابومخنف سے اس طرح منقول ہیں۔

جَعَلَ الْحُسَيْنُ يَنْظُرُ يَمِيْنًا وَّشِمَالًا فَلَمْ يَرَ اَحَدًا مِنْ اَنْصَارِهٖ اِلَّا مَنْ صَافَحَ التُّرَابُ جَبِيْنَهٗ وَمَنْ قَطَعَ الْحِمَامُ اَنِيْنَهٗ	حسینؑ نے دائیں بائیں دیکھا تو اپنے انصار میں سے کوئی نظر نہ آیا مگر یہ کہ ان کے چہرے مٹی سے اَٹے پڑے تھے اور موت نے ان کی آخری ہچکی بھی ختم کر دی تھی،

فَنَادٰی یَا مُسْلِمَ بْنَ عَقِیْلٍ وَیَا هَانِیَ ابْنَ
عُرْوَةَ وَیَا حَبِیْبَ ابْنَ مُظَاهِرٍ وَیَا زُهَیْرَ
بْنَ الْقَیْنِ وَیَا یَزِیْدَ بْنَ مُهَاجِرٍ وَیَا یَحْیٰی ابْنَ
کَثِیْرٍ وَیَا نَافِعَ بْنَ هِلَالٍ الْجَمَلِیْ وَیَا اِبْرَاهِیْمَ
بْنَ الْحُصَیْنِ وَیَا عُمَیْرَ بْنَ الْمُطَاعِ وَیَا اَسَدَ
الْکَلْبِیْ وَیَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَقِیْلٍ وَیَا عَلِیَّ بْنَ
الْحُسَیْنِ وَیَا مُسْلِمَ بْنَ عَوْسَجَةَ وَیَا دَاوُدَ
بْنَ الطِّرِمَّاحِ وَیَا حُرَّ الرِّیَاحِیْ وَیَا اَبْطَالَ
الصَّفَا وَیَا فُرْسَانَ الْهَیْجَا مَا لِیْ اُنَادِیْکُمْ
فَلَا تُجِیْبُوْنِیْ وَاَدْعُوْکُمْ فَلَا تَسْمَعُوْنِیْ اَنْتُمْ
نِیَامٌ اَرْجُوْکُمْ تَنْتَبِهُوْنَ اَمْ حَالَتْ مَوَدَّتُکُمْ
عَنْ اِمَامِکُمْ فَلَا تَنْصُرُوْنَهُ فَهٰذِهٖ نِسَاءُ
الرَّسُوْلِ لِفَقْدِکُمْ قَدْ عَلَاهُنَّ النُّحُوْلُ
فَقُوْمُوْا عَنْ نَوْمَتِکُمْ اَیُّهَا الْکِرَامُ وَادْفَعُوْا
عَنْ حَرَمِ الرَّسُوْلِ الطُّغَاةَ اللِّئَامَ وَلٰکِنْ
صَرَعَکُمْ وَاللّٰهِ رَیْبُ الْمَنُوْنِ وَغَدَرَ بِکُمُ
الدَّهْرُ الْخَؤُوْنُ وَاِلَّا لَمَا کُنْتُمْ عَنْ
دَعْوَتِیْ تُقَصِّرُوْنَ وَلَا عَنْ نُصْرَتِیْ تَحْتَجِبُوْنَ
فَهَا نَحْنُ عَلَیْکُمْ مُفْتَجِعُوْنَ وَنَحْنُ بِکُمْ
لَاحِقُوْنَ فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔

پس آپ نے آواز دی اے مسلم بن عقیل اے ہانی بن عروہ
اے حبیب بن مظاہر۔ اے زہیر بن قین۔ اے
یزید بن مہاجر۔ اے یحییٰ بن کثیر۔ اے نافع
بن ہلال جملی۔ اے ابراہیم بن حصین۔ اے
عمر بن مطاع۔ اے اسد کلبی، اے عبداللہ
بن عقیل، اے علی اکبر، اے مسلم بن
عوسجہ، اے داؤد بن طرماح، اے
حر ریاحی۔ اے میدان کارزار کے بہادرو۔ اے
عرصۂ حرب وضرب کے شاہسوارو کیا ہو گیا ہے کہ میں
تمہیں بلاتا ہوں اور تم جواب نہیں دیتے۔ میں پکارتا
ہوں اور تم نہیں سنتے کیا تم محو خواب ہو کہ تمہاری بیداری
کی اُمید کروں یا تمہاری محبت میں تبدیلی واقع ہوئی ہے
کہ نصرت نہیں کرتے۔ یہ دیکھو تمہارے مرنے سے
رسول کی شہزادیاں بے حال ہو چکی ہیں۔ اے غیورو!
اپنی نیند سے اٹھو اور ان کمینوں کو حرم رسول سے
ہٹاؤ۔ ہاں سچ ہے تمہیں موت نے لے لیا اور خائن زمانہ
نے تمہارے ساتھ دھوکا کیا ورنہ تم میری نصرت سے
کوتاہی نہ کرتے اور نہ میری نصرت سے کنارہ کرتے ہیں۔
ہم تمہارے لئے غمزدہ ہیں اور تمہارے ساتھ ملنے والے
ہیں ہم اللہ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف ہماری بازگشت ہے

۱۳۔ اسلم بن عمرو (ترکی غلام)

یہ شخص حضرت امام حسین علیہ السلام کا غلام تھا اس کو آپ نے امام حسن علیہ السلام کی شہادت کے بعد خرید لیا تھا

اور پھر امام زین العابدینؑ کو بخش دیا تھا۔ اس کا باپ ترک تھا اور یہ غلام قاریٔ قرآن اور امام عالی مقام کا منشی بھی تھا۔ مکہ سے مدینہ اور وہاں سے کربلا تک آپ کے ہم رکاب رہا۔ جب روز عاشور لڑائی کی آگ بھڑک اٹھی تو اس نے امام سے طلب اذنِ جہاد کیا۔ آپ نے فرمایا میرے فرزند سجاد سے اجازت لو۔ چنانچہ اس نے اپنے آقا حضرت سجاد سے اجازت طلب کی اور اہل حرم کا سلام کیا اور تلوار نیام سے نکال کر میدان میں پہنچا اور ایک ہی حملہ میں ستر نابکاروں کو تہِ تیغ کیا۔ حضرت سجاد نے اپنے غلام کے جوہرِ شجاعت ملاحظہ فرمانے کے لئے خیمہ کا دامن بلند کیا اور داد شجاعت دی۔ ترکی غلام کافی جہاد کرنے کے بعد ایک دفعہ پھر خیام کی طرف پلٹا اور حضرت سجاد کی خدمت میں پہنچا اور اپنے آقا کو دوبارہ سلام کرنے کے بعد پھر میدان کارزار میں مشغول جہاد ہوا۔ آخر شدتِ پیاس اور کثرتِ زخم کی تاب نہ لاکر زمین پر گرا۔ اور حضرت امام حسین علیہ السلام فوراً اس کے سرہانے پہنچے۔ گھوڑے سے اتر کر روئے اور اس کے منہ پر منہ رکھا۔ ابھی غلام ترکی میں رمق جان باقی تھی آنکھ کھولی اور دیکھا کہ سر حضرت امام حسینؑ کے زانو پر ہے۔ آقا کی طرف نظر بھر کر دیکھا اور اپنی خوش بختی پر مسکراتے ہوئے راہی جنت ہوا۔

۱۴۔ امیہ بن سعد طائی

یہ شخص تابعی تھا اور حضرت امیر علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھا۔ شاہسوار اور شجاع تھا اس کا قیام کوفہ میں تھا۔ حضرت امیر علیہ السلام کے ہمراہ لڑائیوں میں خصوصاً جنگ صفین میں اس نے خوب حصہ لیا۔ جب کربلا میں امام حسینؑ کی آمد سے مطلع ہوا تو کوفہ سے نکل کھڑا ہوا۔ اور آٹھویں محرم کی رات خدمتِ اقدس امام میں پہنچا اور دسویں کے دن حملہ اولیٰ میں جام شہادت نوش کیا۔

۱۵۔ انس بن حارث کاہلی صحابی

یہ شخص جناب رسالت مآبؐ کے صحابہ میں سے تھے واقعہ کربلا میں کافی سن رسیدہ تھے انہوں نے جناب رسالتمآبؐ سے حدیثیں نقل بھی کی ہیں۔ چنانچہ عسقلانی نے اصابہ میں انس بن حارث سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ سے اس نے خود سنا تھا کہ فرماتے تھے میرا یہ فرزند یعنی حسین زمین کربلا میں قتل ہوگا جو شخص اس موقعہ پر حاضر ہو اس پر اس کی نصرت واجب ہے۔ زیارتِ ناحیہ مقدسہ میں امام پاک نے اس بزرگوار پر بھی سلام بھیجا ہے۔

جب امام حسینؑ نے اس بزرگوار کو ابن سعد کے ارادوں سے اطلاع پانے کے لئے بھیجا تو اس نے عمر بن سعد کو سلام نہ کہا۔ ابن سعد نے پوچھا کہ تو نے مجھے سلام کیوں نہیں کیا کیا تو مجھے مسلمان نہیں سمجھتا؟ حالانکہ ہم نے خدا و رسولؐ کا انکار نہیں کیا تو اس بزرگوار نے جواب دیا کہ تو نے خدا و رسولؐ کو کس طرح پہچانا ہے جب کہ فرزند رسولؐ کے قتل پر کمر بستہ ہے؟ پس ابن سعد نے سر جھکا لیا اور

کہا خدا کی قسم ان کے قتل کرنے والوں کا انجام بے شک جہنم ہے لیکن عبید اللہ ابن زیاد کے حکم کی اطاعت سے گریز نہیں کیا جا سکتا۔

بہرکیف اس بزرگوار نے بروز عاشور اجازت جہاد حاصل کی اور بحر جنگ میں غوطہ زن ہوا ضعیفی اور بڑھاپے کے باوجود ایسی جرأت اور ہمت سے حملہ کیا کہ سر با صفت انسانوں کے درمیان گھستا ہوا ایسا معلوم ہوتا تھا آخر اٹھارہ ملاعین کو تہ تیغ کر کے جام شہادت نوش کیا۔

۱۶۔ انیس بن معقل اصبحی

ابن شہر آشوب اور دوسرے محققین نے ان کو بھی شہدائے کربلا کی فہرست میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے بیس سے زیادہ ملاعین کو فی النار کر کے جام شہادت نوش فرمایا۔ اس کے علاوہ ان کے متعلق اور کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔

۱۷۔ بریر بن حضیر ہمدانی

یہ بزرگوار قبیلہ ہمدان سے تھے۔ کوفہ میں سکونت پذیر تھے۔ حضرت سید الشہداء کے بزرگ ترین صحابہ میں سے ان کا شمار ہوتا ہے۔ عبادت گزاروں، پرہیزگاروں اور زہاد میں سے آپ صف اول میں تھے اور ان کو سید القراء کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ نیز حضرت امیر علیہ السلام کے حواریین اور اشراف کوفہ میں سے شمار ہوتے تھے۔ ان کی وہ کتاب جس میں امیر المومنین علیہ السلام اور امام حسن علیہ السلام کے قضایا و احکام انہوں نے جمع فرمائے ہیں، اصول معتبرہ میں سے شمار ہوتی ہے۔

عمرو بن عبداللہ سبیعی ہمدانی جن کی کنیت ابو اسحق تھی ان کے بھانجے تھے جو حضرت سجاد علیہ السلام کے وفادار ہمنشینوں میں سے تھے۔ ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں ان کی ولادت خلیفہ ثالث کے زمانہ خلافت میں مذکور ہے متعدد صحابہ رسول سے ان کو استفادہ احادیث کا موقع ملا اور ان سے بہت کچھ روایات منقول ہوئیں۔ اور ان کی وفات ۱۲۷ھ یا ۱۲۸ھ یا ۱۲۹ھ میں بیان کی گئی ہے۔

اختصاص شیخ مفید اور مجمع البحرین سے منقول ہے کہ شب شہادت امیر علیہ السلام ان کا تولد ہوا۔ حضرت سجاد کی غلامی کا یہ اثر تھا کہ عبادت خدا میں ساری ساری رات گذارا کرتے تھے حتیٰ کہ چالیس برس متواتر انہوں نے صبح کی نماز عشا کے وضو سے پڑھی اور ہر رات ختم قرآن کرتے تھے۔ عبادت و زہد کے لحاظ سے یکتائے روزگار تھے اور فریقین کے نزدیک نقل حدیث میں نہایت قابل وثوق تھے اور نوّے سال کی انہوں نے عمر پائی۔

ابن خلکان کی روایت کے مطابق حسین بن ہاشم ابو عثمان دوری سے نقل کرتا ہے کہ میں نے ابو اسحق سبیعی سے سنا ہے کہ بچپنے کے زمانہ میں باپ کے کندھوں پر سوار ہو کر ایک دفعہ بروز جمعہ میں مسجد کوفہ میں گیا اس وقت میں نے حضرت امیر علیہ السلام کو دیکھا کہ خطبہ جمعہ پڑھ رہے تھے اور آستین مبارک کو حرکت دے رہے تھے تو میں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ آیا حضرت امیرؑ کو گرمی زیادہ محسوس ہو رہی ہے کہ آستین مبارک کو ہوا حاصل کرنے کے لئے

بطور پنکھے کے ہلا رہے ہیں تو مجھے والد نے جواب دیا کہ حضرت امیر کو سردی یا گرمی کی پروا نہیں ہوا کرتی بلکہ قمیص کو صاف کر کے تشریف لائے ہیں اور وہ ابھی خشک نہیں ہوئی اور اس ایک قمیص کے علاوہ ان کے پاس پہننے کے لئے دوسری قمیص نہیں اب اس قمیص کو خشک کرنے کے لئے آستین کو حرکت دے رہے ہیں۔ ابو اسحٰق کہتا ہے کہ میں نے جب چہرۂ اقدس حضرت امیرؑ کی زیارت کی تو آپ کے سر اور ڈاڑھی کے بال سفید تھے۔

ابو اسحٰق سبیعی کے متعلق یہ چند سطریں اگرچہ موضوع سے خارج تھیں لیکن خالی از فائدہ نہیں لہٰذا بطور تفنن کے ان کو ذکر کر دیا گیا ہے۔ آمدم برسر مطلب۔ حضرت بریر بن خضیر کو جب معلوم ہوا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام مکہ سے کوفہ تشریف لانا چاہتے ہیں تو یہ کہیں پہنچ کر آپ کے ہم رکاب ہو گئے۔ جب منزل ذوخشب میں پہنچے اور دیکھا کہ حر نے راستہ روک لیا ہے تو یہ بزرگوار کھڑے ہو گئے اور عرض کی اے فرزند رسولؐ: خدا کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں آپ پر جان نثار کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی تاکہ آپ کی محبت میں ہمارے اعضا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور کل بروز محشر آپ کے نانا بزرگوار کے سامنے ہم وفادار بن کر پیش ہوں اور وہ ہمارے شفیع ہوں۔ یقیناً پیغمبرؐ کے نواسے کو ضائع کرنے والے چھٹکارا نہ پاسکیں گے اور ان پر افسوس ہے اس دن کے لئے کہ جہنم میں ان کے گریہ وزاری اور ہائے ہائے کی آواز بلند ہو گی۔ اور ایسی بدکردار قوم پر آفت ہو۔

نویں محرم کے دن یا رات بریر اور عبدالرحمٰن بن عبد ربہ انصاری دروازۂ خیمہ پر کھڑے تھے اور بریر نے خوش طبعی سے عبدالرحمٰن کو ہنسانا چاہا تو عبدالرحمٰن نے کہا۔ بریرا! ایسی باتیں مت کیجئے۔ خدا کی قسم یہ وقت ایسی باتوں کے لئے موزوں نہیں ہے۔ تو بریر نے جواب دیا۔ بخدا میری قوم میری جوانی اور بڑھاپے کے حالات سے آگاہ ہے کہ میں نے کبھی ہنسی مذاق سے دلچسپی نہیں لی لیکن خدا کی قسم اب تو میں خوشی محسوس کر رہا ہوں کیونکہ ہمارے اور حوروں کے درمیان صرف اتنا فاصلہ رہ گیا ہے کہ ہم تلواریں لے کر حملہ آور ہوں اور دشمنان دین کے ہاتھوں مرتبہ شہادت پر فائز ہوں۔

جب اہل بیت اطہار پر پیاس کا غلبہ ہوا تو بریر نے عرض کی آقا! اگر اجازت ہو تو میں عمر بن سعد سے پانی کے متعلق بات چیت کروں۔ آپ نے اجازت دی۔ بریر عمر بن سعد کے پاس پہنچا لیکن سلام نہ کیا۔ ابن سعد نے پوچھا، اے برادر ہمدانی تو نے سلام نہیں کیا کیا ہم مسلمان نہیں ہیں اور توحید و رسالت کا ہم اقرار نہیں کرتے؟ بریر نے جواب دیا کہ اگر تم لوگ اپنے دعویٰ کے مطابق مسلمان ہوتے تو اولاد پیغمبر پر اس قدر سختی نہ کرتے۔ کتے اور سور یہ پانی پئیں اور اولاد پیغمبر اور ان کے خورد سال بچے پیاس کی شدت سے کراہتے ہیں؟ اور بایں ہمہ تم خدا و رسول کی معرفت کا دم بھی بھرتے ہو؟ یہ سن کر ابن سعد نے سر جھکا لیا۔ پھر کہنے لگا اے برادر ہمدانی ملک رے چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔ خدا کی قسم

میں جانتا ہوں کہ ان لوگوں کو آزار پہنچانا حرام ہے لیکن اگر ایسا نہ کروں تو ابن زیاد مجھے رَی کی حکومت نہ دے گا اور کسی دوسرے کو دے دے گا۔ بریر نے واپس آکر امام عالی مقام کو سرگذشت سنائی اور اس کے ارادۂ فاسدہ سے اطلاع دی کہ وہ ملک رَی کے طمع میں آپ کے قتل کے درپے ہے۔

بحار الانوار سے مروی ہے کہ روزِ عاشورا جب آپ اتمامِ حجت کے لئے جناب رسالت مآبؐ کے رہوار پر سوار ہو کر چند انصار کے ہمراہ روانہ ہوئے تو عمر سعد کے لشکر کے قریب پہنچ کر بریر کو تقریر کرنے پر مامور فرمایا۔ بریر بلند آواز قادر الکلام اور معروف و مشہور شخصیت کا حامل تھا، اس نے نہایت فصیح و بلیغ تقریر کی جس میں خوفِ خدا۔ حقوقِ عترتِ طاہرہ اور اولادِ پیغمبرؐ کی موجودہ حالتِ تشنگی کو بیان کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ اے بریر: جب تک حسینؑ ابن زیاد کی اطاعت کو قبول نہ کرے گا ہم باز نہ آئیں گے۔ بریر نے جواب دیا کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ راستہ خالی کر دو تاکہ وہ واپس چلے جائیں۔ وائے ہو تم پر اے اہلِ کوفہ: ان خطوط کا مضمون بھول گئے ہو جو تم امام پاک کی طرف لکھ چکے ہو کہ ان میں خدا کو شاہد بنا کر اپنی وفاداری کا عہد تم نے کیا تھا۔ وائے ہو تم پر کہ تم نے اہلِ بیت کو بلایا تا اور ان کے لئے جان و مال کی قربانی کا عہد کیا لیکن وہ تشریف لائے تو تم ان کو ابن زیاد کے حوالے کرتے ہو اور ان کا پانی بھی بند کرتے ہو۔ کس قدر پیغمبرؐ کی وصیت سے اُن کی ذرّیت کے حق میں بُرا برتاؤ کر رہے ہو۔ خدا تمہیں روزِ قیامت کی پیاس کا مزہ چکھائے۔ کیونکہ تم بدترین انسان ہو۔

قوم اشقیاء میں سے چند آدمی بولے۔ اے بریر: جو کچھ تو کہہ رہا ہے ہمیں کچھ پتہ نہیں۔ پس بریر نے کہا اللہ کی حمد ہے کہ ہمیں تمہاری بد باطنی سے مزید اطلاع ہو گئی۔ پھر آسمان کی طرف منہ کر کے عرض کی اے پروردگار: تو گواہ رہ کہ ہم اس قوم کے افعال سے بیزار ہیں۔ اس جماعت کے نقصان و زیان کا انجام خود انہیں کو نصیب کر تاکہ جب تیری بارگاہ میں حاضر ہوں تو تُو ان پر غضبناک ہو۔ پس انہوں نے تیر برسانے شروع کئے اور زبان بکواس کشادہ کی اور بریر امام کی خدمت میں پلٹ کر واپس آگئے۔

لواعج الاشجان سے منقول ہے کہ لشکر ابن سعد کی طرف سے بریر کو جو جواب ملا وہ یہ تھا کہ حسین اس طرح پیاسا رہے گا جس طرح اس سے پہلے حضرت عثمان پیاسے رہے تھے۔ جب بات یہاں تک پہنچی تو امام نے فرمایا بریر واپس آجاؤ پھر آپ نے خود بنفسِ نفیس خطبہ دیا جس میں اتمامِ حجت فرمائی۔

طبری سے بروایت ابومخنف مروی ہے کہ عفیف بن زہیر جو واقعہ کربلا میں موجود تھا بیان کرتا ہے کہ یزید بن معقل عمر بن سعد کے لشکر سے باہر آیا اور اس نے ازراہِ سرزنش بریر کے نام آواز دی۔ اے بریر تو نے دیکھا کہ خدا نے تیرے عقیدہ کے بدلہ میں تیرے لئے کیا انتظام کیا ہے (یعنی اب تم کو اپنے عقیدہ کی سزا ملنے والی ہے) بریر کو یہ سن کر جوش آیا

اور فرمانے لگے۔ خدا نے اپنے کرم سے میرے لئے خوب انتظام فرمایا ہے اور تیرے لئے بُرے انجام کا انتظام کیا ہے۔ یزید بن معقل بولا تو جھوٹ کہتا ہے۔ کیا تجھے یاد ہے کہ بنی وودان کے کوچہ میں جب میں اور تو اکٹھے جا رہے تھے تو تُو نے کہا تھا کہ حضرت عثمان ایسے اور ویسے تھے اور معاویہ کے متعلق کہا تھا کہ وہ گمراہ ہے اور اس کے پیچھے چلنے والے بھی گمراہ ہیں۔ اور حضرت علی بن ابی طالب امیر المومنین امام برحق اور پیشوائے ہدایت ہے؟۔ بریر نے جواب دیا بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ لفظ میرے ہیں اور میرا عقیدہ اب بھی وہی ہے۔ یزید بن معقل نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ تو جھوٹا ہے اور گمراہ ہے اور تجھے اشتباہ ہے۔ بریر نے کہا آؤ پھر میں اور تو مباہلہ کر لیں تاکہ خدا کی طرف سے سچے کے حق میں فیصلہ ہو جائے اور مباہلہ کی صورت یہ ہے کہ ہم نہایت عجز و زاری اور تضرع و انکساری کے ساتھ خدا کے سامنے اپنی عبادت پیش کریں اور دُعا مانگیں کہ وہ سچے اور جھوٹے کے درمیان فرق کر دے۔ پھر اپنے اپنے لشکر سے جدا ہو کر دو نو لشکروں کے درمیان آجائیں اور لڑیں تاکہ دوست و دشمن دیکھ لیں جو جھوٹا ہو گا وہی مقتول ہو گا۔ پس بریر اور یزید بن معقل دو نو لشکروں کے درمیان آگئے اور ہاتھ بلند کر کے ایک دوسرے کے حق میں نفرین کی کہ اے خدا تو اپنی لعنت جھوٹے پر نازل فرما اور اسے ذائقہ موت نصیب کر۔ پس پہلے پہل یزید بن معقل نے یہ کلمات کہہ کر اپنے پورے زور سے بریر کے سر پر تلوار کا حملہ کیا کہ اگر لوہے کے سندان پر یہ حملہ ہوتا تو وہ دو حصے ہو جاتا لیکن بریر پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا پھر بریر نے خدا کا نام لے کر یزید بن معقل پر وار کیا کہ خود وہ ٹکڑے ہو کر زمین پر گر گیا اور تلوار نے اس کے سر کی ہڈیوں میں جا قیام کیا کہ وہ گھوڑے پر سنبھل نہ سکا اور گھوڑے سے گرتے ہی واصل جہنم ہوا کہ ابھی تلوار کی دھار اس کے سر میں تھی اور قبضہ شمشیر بریر کے ہاتھ میں تھا۔ عفیف بن زبیر کہتا ہے مجھے اب تک وہ منظر نہیں بھولتا اور میری آنکھوں کے سامنے وہ نقشہ موجود ہے کہ بریر تلوار کو آگے پیچھے کر کے اس کے سر سے نکال رہا تھا۔ جب تلوار کو اس کے سر سے نکال لیا تو بجلی کی طرح قوم اشقیا پر ٹوٹ پڑا۔

(قول مؤلف) اس واقعہ سے یہ بات خوب ذہن نشین ہو گئی ہو گی کہ قاتلانِ حسین کا مذہب کیا تھا۔

مناقب ابن شہر آشوب سے منقول ہے کہ حر بن یزید ریاحی کے بعد بریر میدان میں گئے اور رجز پڑھتے ہوئے شمشیر آبدار سے حملہ آور ہوتے۔ بریر کے رجزیہ اشعار کا مطلب یہ ہے۔ میں بریر بن خضیر ہوں اور تمہیں تہ تیغ کرنے میں مجھے کوئی نقصان نہیں۔ اور ارباب خیر کو معلوم ہے کہ میں اہل خیر سے ہوں۔ اسی طرح میرے اعمال خیر بھی اہل خیر کو معلوم ہیں۔ اور میں وہ ہوں کہ بپھرے ہوئے شیر میرے نعرہ کی گونج سے لرزہ براندام ہو جایا کرتے ہیں۔

پس ایسا حملہ کیا کہ تلوار آبدار کو جس طرف حرکت دیتا تھا لوگ مقابلہ کی تاب نہ لا کر سامنے سے بھاگ جاتے تھے۔ اور خستہ تن و تشنہ لب اور شکستہ ہونے کے باوجود تیس ملاعین کو دارالبوار پہنچایا۔ اور بھاگنے والوں کو بلا بلا کر کہتے تھے

اے مومنوں کے قتل کرنے والو میرے سامنے آؤ۔ اے مجاہدین بدر کی اولاد کے قاتلو! میرے قریب آؤ۔ اے اللہ اور رسول کے دشمنو میرا مقابلہ کرو۔

ابو مخنف سے مروی ہے کہ ایسی گیرو دار میں رضی بن منقذ عبدی نے بریر پر حملہ کیا اور ایک گھنٹہ تک ان دونوں میں لڑائی ہوتی رہی۔ آخر کار بریر نے اس کو پچھاڑ دیا اور اس کے سینہ پر سوار ہو گئے جب اس بدنہاد نے اپنے آپ کو شیر کے پنجوں میں گرفتار پایا تو اپنے ساتھیوں کو آواز دی، چنانچہ کعب بن جابر ازدی بریر پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھا عفیف بن زہیر راوی واقعہ بیان کرتا ہے کہ میں نے کعب بن جابر کو آواز دی تجھ پر ویل ہو یہ وہی بریر بن خضیر ہے جو مسجد میں ہمیں قرآن پڑھاتا تھا لیکن اس ملعون نے میری بات کی کوئی پرواہ نہ کی اور اس زور سے بریر کی پشت پر نیزہ مارا کہ بریر کا منہ رضی بن منقذ کے منہ پر جا لگا پس انہوں نے دانتوں سے ابن منقذ کی ناک کاٹ ڈالی۔ اس طرف نیزہ پشت سے سینہ تک نکل گیا اور اس ملعون نے تلوار سے بریر کی لاش کے ٹکڑے کر دیئے۔

عفیف کہتا ہے یہ واقعہ بھی آج تک گویا میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ رضی بن منقذ اپنے کپڑوں کو جھاڑتا ہوا اٹھا اور ہاتھ اپنی کٹی ہوئی ناک پر رکھے ہوئے تھے اور اس ازدی ملعون کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔ جب کعب بن جابر ازدی قاتل بریر گھر پہنچا اور اس کی بہن نوار کو اس کے فعل کی اطلاع ہوئی تو کہنے لگی تیرے اوپر وائے ہو تو نے حسین بن فاطمہ کے خلاف جنگ میں حصہ لیا اور پھر سید قراء بریر بن خضیر کو قتل کیا۔ بے شک تو نے ایک امر عظیم کا ارتکاب کیا ہے۔ بخدا مرتے دم تک تجھ بدبخت کے ساتھ کلام نہ کروں گی۔

۱۸۔ بدر بن رقیط

زیارت رجبیہ میں ان پر بھی سلام کیا گیا ہے۔ باقی حالات کہیں نہیں ملتے۔

۱۹۔ بشر بن عمرو حضرمی

زیارت ناحیہ مقدسہ میں ان پر بھی سلام وارد ہے اور جب امام حسین علیہ السلام نے اس کو چھوڑ کر چلے جانے کی اجازت دی تھی تو اس نے جواب میں عرض کیا تھا کہ مجھے جنگلی درندے نوچ کر کھا جائیں اگر میں آپ کو چھوڑ کر چلا جاؤں ایسا ہرگز نہ کروں گا۔ امام پاک نے زیارت ناحیہ میں اس کے ان الفاظ کا شکریہ ادا فرمایا ہے۔

یہ بزرگوار حضرموت کے رہنے والا ہے۔ اور جنگ سے پہلے امام حسین کے لشکر میں آ داخل ہوا تھا۔

روز عاشور جب جنگ کا بازار گرم ہوا تو اس کو اطلاع ملی کہ تیرا بیٹا ری کی سرحد پر قید کر لیا گیا ہے تو بشر بن عمرو نے جواب دیا کہ میں اس مصیبت کا اجر خدا سے لوں گا۔ اور مجھے ہرگز یہ بات پسند نہیں کہ میرا بیٹا قیدی ہو اور میں اس کے بعد زندہ رہوں امام عالی مقام تک جب یہ بات پہنچی تو فرمایا میں نے تیری گردن سے اپنی بیعت اتار لی ہے۔ بے شک تو جا کر اپنے بیٹے کی آزادی کے لئے کوشش کر تو اس نے جواب دیا کہ اے فرزند رسولؐ مجھے جنگلی درندے پارہ پارہ کر دیں اگر آپ کی نصرت سے ہاتھ کھینچوں۔ پھر آپ نے فرمایا یہ پانچ عدد لباس لے لو جن کی قیمت ایک ہزار دینار ہے اور اپنے بیٹے محمد کو دو تا کہ اپنے بھائی کا فدیہ دے کر اسے چھڑا لائے۔ بہر کیف یہ بزرگوار حملۂ اولیٰ میں شہید ہو گیا۔

۲۰۔ بکر بن حی صحابی

اصابہ سے منقول ہے کہ بکر بن حی قبیلہ ثعلبہ سے ہے اور اس کو صحبت جناب رسالت مآبؐ کا شرف بھی حاصل ہے۔ اور مروی ہے کہ بکر بن حی ان لوگوں میں سے تھا جو ابن سعد کے ہمراہ امام حسینؑ سے لڑنے آئے تھے لیکن جب آتش جنگ مشتعل ہوئی تو امام پاک کی خدمت میں پہنچ گیا اور حملۂ اولیٰ میں ہی درجہ عالیۂ شہادت پر فائز ہوا۔

۲۱۔ بکیر بن حُر

وقائع الایام جلد چہارم اور دوسری کتب سے بھی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب روز عاشورا لڑائی شروع ہوئی تو خدا نے امام حسینؑ پر نصرت نازل فرمائی جو امام پاک کے سر پر پرواز کرتی تھی اور امام حسینؑ کو نصرت اور لقائے پروردگار میں اختیار دیا گیا تھا لیکن آپ نے لقائے پروردگار کو پسند فرمایا۔

جب امام نے آواز استغاثہ بلند فرمائی تو حر نے اپنے بیٹے بکیر سے کہا کہ میں تو امام حسینؑ کے پاس جاتا ہوں اگر تو میرے ساتھ آنا چاہے تو خوب ہے چنانچہ دونوں باپ بیٹا لشکر اعداء سے نکل کر لشکر امام میں پہنچے اور حر نے شکر خدا ادا کیا۔

مخزن البکاء سے منقول ہے کہ حر نے اپنے بیٹے کو کہا۔ اے فرزند مجھے آتش جہنم پر صبر کی تاب نہیں بہتر ہے کہ حسینؑ کی طرف چلے جائیں۔ اس نیک بخت نے باپ کی آواز پر لبیک کہی اور ادھر آتے ہی حر نے پہلے اپنے بیٹے کو میدان کارزار میں روانہ کیا اور مردانہ وار لڑنے کی تلقین کی چنانچہ حر کا بیٹا گھوڑے پر سوار میدان میں پہنچا اور ایسا سخت حملہ کیا کہ اہل کوفہ کا ناک میں دم کر دیا۔ اور ۲۵ آدمیوں کو فی النار کر کے ایک دفعہ پھر باپ کی خدمت میں پہنچا اور کہا اگر ہو سکے تو ایک گھونٹ پانی پلا دیجئے۔ حر نے جواب دیا بیٹا صبر کرو اور جہاد رہ خدا میں ہرگز کوتاہی نہ کرو۔ پس وہ دوبارہ میدان میں پلٹا اور مردِ میدان بن

کر داد شجاعت دی اور ایک بڑی تعداد کو واصل جہنم کیا اور آخر کار جام شہادت نوش فرما کر راہیٔ ملک بقا ہوا۔ عمر نے جب اپنے فرزند کو شہید دیکھا تو کہا اللہ کا شکر ہے کہ تجھے امام کے قدموں میں شہادت نصیب ہوئی۔ اس کے مقتولین کی تعداد ستر تک بیان کی گئی ہے۔

۲۲۔ جابر بن حجاج

یہ کوفہ کا باشندہ تھا نہایت بہادر اور شہسوار تھا۔ جب حضرت مسلم کوفہ میں تشریف لائے تو یہ بھی ان کی بیعت میں داخل ہوا لیکن جب کوفیوں نے بے وفائی کا مظاہرہ کیا تو یہ اپنی قوم میں چھپا رہا اور امام حسینؑ کی ورود کربلا کی اطلاع ملی تو ابن سعد کے لشکر میں داخل ہو کر کربلا پہنچا کیونکہ اس بہانہ کے علاوہ کربلا پہنچنے کا کوئی اور ذریعہ نہ تھا۔ پس یہاں پہنچ کر امام حسین علیہ السلام کی فوج میں شامل ہو گیا اور امام عالی مقام کے قدموں میں جام شہادت پی کر راہی جنت ہوا۔ حملۂ اولی میں اس کی شہادت مروی ہے۔

۲۳۔ جابر بن عروہ غفاری صحابی

یہ بزرگوار بہت بوڑھے اور عبادت گذار تھے۔ جناب رسالت مآبؐ کی صحابیت کا شرف بھی ان کو حاصل تھا جنگ بدر، حنین اور دیگر غزوات نبویہ میں شریک رہے۔ پس کمر کو مضبوط باندھا اور ایک رومال اپنے ابروؤں کے بلند کرنے کے لئے پیشانی پر باندھا۔ حضرت حسین علیہ السلام اس کی یہ جانفشانی و فداکاری ملاحظہ فرما رہے تھے اور فرماتے تھے شَکَرَ اللّٰہُ سَعْیَکَ یَا شَیْخُ۔ پس اپنی شمشیر شرربار سے قوم نابکار پر حملہ آور ہوئے اور ساٹھ یا بقولے اسی ملاعین کو تہ تیغ کر کے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

۲۴۔ جبلہ بن عبداللہ

زیارت رجبیہ میں اس پر بھی سلام کیا گیا ہے لیکن تفصیل حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

۲۵۔ جبلہ بن علی شیبانی

شجاعان کوفہ میں سے ان کا شمار ہوتا ہے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے باوفا اصحاب میں سے تھے۔ اور

ان کے ہمرکاب ہو کر جنگ صفین میں بھی شریک رہے۔ اس نے حضرت امیر مسلم کی بیعت کی اور جب لوگوں نے ان کی بیعت توڑ دی تو یہ اپنے قبیلہ میں چھپے رہے اور جب امام حسینؑ کی کربلا پہنچنے کی خبر سُنی تو خدمت اقدس میں پہنچ گئے۔ اور اکثر اہلِ تاریخ کی رائے کی بنا پر حملۂ اولیٰ میں شہید ہو گئے۔

۲۶ ۔ جنادہ بن کعب

یہ شخص حضرت امیرؑ کے مخلص شیعوں میں سے تھا کربلا میں اپنی عیال سمیت وارد ہوا اور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوا۔

۲۷ جنادہ بن حارث انصاری سلمانی ازدی صحابی

یہ شخص کوفہ کے مشاہیر شیعہ میں سے تھا۔ تاریخ ابن عساکر میں ہے کہ ان کو صحابیت کا شرف بھی حاصل تھا۔ جنگِ صفین میں حضرت امیر علیہ السلام کے ہمرکاب ہو کر انہوں نے دادِ شجاعت دی۔ حضرت امیر مسلم کی بیعت میں شریک تھے۔ جب لوگوں نے بے وفائی کی تو یہ چند دوسرے ساتھیوں کے ساتھ وہاں سے نکلے۔ اور عذیب الہجانات کے مقام پر امام حسین علیہ السلام کی فوج میں شامل ہو گئے۔ جب حُر کے لشکر نے ان کو حبس کرنا چاہا۔ تو امام نے فرمایا یہ میرے ساتھی ہیں۔ اگر تم لوگوں نے ان کو چھیڑا تو ہم ان کی حفاظت کے لئے جنگ کریں گے۔ پس حر اور اس کے لشکر نے ان سے تعرض چھوڑ دیا۔

منتہی الآمال سے منقول ہے کہ عمرو بن خالد صیداوی۔ جنادہ بن حارث سلمانی۔ عمرو بن خالد کا غلام سعد اور مجمع بن عبداللہ عائذی نے پہلے یک جا جہاد کیا اور تلواریں کھینچ کر عمر بن سعد کے لشکر پر حملہ آور ہوئے۔ جب ملاعین کے لشکر نے ان کو گھیرے میں لے لیا تو حضرت ابوالفضل عباسؑ ان کی امداد کے لئے پہنچے اور قوم اشقیاء کے ہجوم کو درہم برہم کر دیا یہ لوگ بہت زخمی ہو چکے تھے لیکن ہمت نہ ہاری اور دوبارہ مصروف جہاد ہوئے۔ پس لڑ کر اکٹھے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

زیارت ناحیہ مقدسہ میں جنادہ بن حارث سلمانی پر بھی سلام وارد ہے۔

مناقب ابن شہر آشوب سے منقول ہے کہ جنادہ نے باقاعدہ جنگ کی اور رجز پڑھتے ہوئے میدان کارزار میں گئے مردانہ وار لڑ کر سولہ ملاعین کو جہنم پہنچایا اور بالآخر درجۂ شہادت حاصل کیا۔

...۞...

۲۸۔ جندب بن حجیر

زیارت ناحیہ رجبیہ میں ان پر سلام وارد ہے۔ حضرت امیر علیہ السلام کے خاص شیعوں میں سے تھے جنگ صفین میں قبیلہ کندہ وازد کا علم ان کے ہاتھ میں تھا جب امام حسین علیہ السلام کی تشریف آوری کی ان کو اطلاع ہوئی تو حر کے لشکر کے پہنچنے سے پہلے لطن الرمیں امام پاک سے جا ملے اور آخر تک وفادار رہے۔ روز عاشورہ حملہ اولیٰ میں شرف شہادت حاصل کیا۔

۲۹۔ جون غلام ابوذر

یہ علاقہ نوبہ کے رہنے والا سیاہ فام غلام تھا حضرت امیر علیہ السلام نے فضل بن عباس سے ایک سو پچاس دینار پر خرید کر ابوذر کو بخشا تھا تاکہ ان کی خدمت کرے پس یہ ابوذر کی خدمت میں رہا۔ جب خلیفہ عثمان نے ابوذر کو ربذہ کی طرف جلاوطن کیا تو یہ ان کے ساتھ رہا۔ جب سنہ ۳۱ھ یا ۳۲ھ میں ابوذر کا عالم غربت (ربذہ) میں انتقال ہو گیا تو جون واپس مدینہ میں آ گیا اور حضرت امیر علیہ السلام کی خدمت میں رہا۔ پھر آپ کی شہادت کے بعد امام حسن کے ہمرکاب رہا اور ان کی شہادت کے بعد امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں رہا اور امام زین العابدین علیہ السلام کی نوکری کرتا رہا۔ حتیٰ کہ جب امام عالی مقام نے مدینہ چھوڑا اور کربلا میں آئے تو جون ساتھ تھا۔

جون آلاتِ جنگ کی شناخت میں مہارتِ تامہ رکھتا تھا اور آلاتِ حرب کی اصلاح بھی اچھی طرح کر سکتا تھا چنانچہ شب عاشورا امام حسین علیہ السلام کے خیام میں آلاتِ جنگ کی اصلاح اور دیکھ بھال جون کے ہی ذمہ تھی

لہوف سید سے منقول ہے کہ جب جون نے اذنِ جہاد طلب کیا تو امام حسین علیہ السلام نے فرمایا اے جون تو خوشحالی کے لئے ہمارے ساتھ تھا۔ اب ہماری وجہ سے مصیبت و ہلاکت میں قدم نہ رکھ میری طرف سے تجھے اجازت ہے۔ بے شک کسی جانب اس کی طرف چلا جا۔ تو جون نے عرض کی اے فرزندِ رسولؐ کیا میں خوشحالی کے زمانہ میں آپ کے در کی کاسہ لیسی کروں اور تکلیف و مصیبت کے وقت تمہارا ساتھ چھوڑ دوں؟ خدا کی قسم ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ بخدا میرا حسب پست ہے۔ میرا رنگ سیاہ ہے۔ میری بُو ناپاک ہے۔ ازراہِ کرم آپ مجھے بہشت میں جانے دیں تاکہ میری بُو پاکیزہ، حسب شریف اور رنگ سفید و نورانی ہو جائے۔ خدا کی قسم میں آپ سے ہرگز جدا نہ ہوں گا جب تک کہ اپنے سیاہ خون کو آپ کے خون کے ساتھ ملا نہ دوں۔ پس اجازت طلب کی اور بحرِ جنگ میں غوطہ زن ہو کر ۲۵ ملاعین کو تہ تیغ کر کے شربتِ شہادت نوش فرمایا۔ امام حسین علیہ السلام جون کے سرہانے تشریف لائے اور اس کے حق میں

دُعا فرمائی۔ اے اللہ اس کی شکل کو نورانی کر اور اس کی بُو کو پاکیزہ کر اور ابرار کے ساتھ اس کا حشر فرما اور محمدؐ و آل محمدؐ سے اس کو شناسا کر۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اپنے باپ سے نقل فرماتے ہیں کہ جب بنی اسد میدانِ کربلا میں شہداء کو دفن کرنے کے لئے آئے تو جون کی لاش ان کو دس دن کے بعد دستیاب ہوئی لیکن جون کی لاش سے عطر و کستوری کی خوشبو آرہی تھی۔ زیارت ناحیہ اور زیارت رجبیہ میں جون پر سلام وارد ہے۔

۳۰۔ جوین بن مالک تمیمی

یہ شخص عمر بن سعد کے ہمراہ کربلا میں آیا تھا جب دیکھا کہ ابن سعد نے امام حسینؑ کی تمام شروط کو ٹھکرا دیا ہے تو دوسرے چند ساتھیوں کے ہمراہ رات کو امام حسین کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور حملہ اولیٰ میں درجہ شہادت پر فائز ہوا۔ یہ شخص شیعانِ کوفہ میں سے تھا۔

۳۱۔ حارث بن امرأ القیس کندی

یہ شخص نامی گرامی شجاع بے نظیر شہسوار اور عبادت گذاری میں یکتائے روزگار تھا۔ متعدد جنگوں میں اس نے شجاعت کے وہ جوہر دکھائے تھے کہ ان کا اثر صفحۂ تاریخ ہستی سے کبھی ناپید نہ ہوگا۔ یہ بھی کوفہ سے عمر سعد کے ہمراہ آیا تھا۔ جب دیکھا کہ عمر نے شروطِ صلح کو ٹھکرا دیا ہے۔ تو خدمتِ امام میں حاضر ہوا۔ اور جب لڑائی شروع ہوئی تو حملۂ اولیٰ میں شہید ہو گیا۔

۳۲۔ حارث بن نبہان

اس کا باپ نبہان حضرت حمزہ کا غلام تھا اور نہایت بہادر و دلاور تھا۔ حضرت حمزہ کی شہادت کے دو سال بعد نبہان کا انتقال ہو گیا تو حارث حضرت امیر علیہ السلام کی غلامی کرتا رہا اور آپ کی شہادت کے بعد امام حسنؑ کے ہمرکاب رہا اور ان کی شہادت کے بعد امام حسینؑ کی غلامی کرتا رہا اور روز عاشورا حملۂ اولیٰ میں شہید ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو جناب رسالت مآبؐ کا شرفِ دیدار بھی حاصل تھا۔

٭٭٭٭

۳۳۔ حباب بن حارث

اس کے متعلق صرف اسی قدر ملتا ہے کہ روز عاشور حملہ اولیٰ میں درجۂ شہادت پر فائز ہوا۔

۳۴۔ حباب بن عامر تمیمی

اس نے کوفہ میں امیر مسلم کی بیعت کی تھی جب کوفیوں نے بے وفائی کی تو یہ چھپا رہا جب سنا کہ امام حسین علیہ السلام اس طرف تشریف لا رہے ہیں تو خفیہ طور پر وہاں سے نکلا اور امام حسین کی خدمت میں پہنچا اور روز عاشور حملہ اولیٰ میں شہید ہوا۔

۳۵۔ جبلہ بن قیس نہمی

یہ بنی نہم سے تھا جو قبیلۂ ہمدان کی ایک شاخ ہے۔ زمین کربلا میں امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا۔ اور جہاد کر کے درجۂ شہادت پر فائز ہوا۔

۳۶۔ حبیب بن مظاہر اسدی صحابی

علمائے رجال نے ذکر کیا ہے کہ یہ بزرگوار جناب رسالت مآب کی صحابیت کا شرف بھی رکھتے تھے اور کربلا میں ان کے ساتھ ان کا چچازاد ربیعہ بن خوط بھی آیا تھا اور وہ بھی صحابیٔ رسولؐ تھا۔ چنانچہ بعد میں اس کا ذکر بھی آجائے گا۔ یہ بزرگوار حضرت امیر علیہ السلام کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔

منتخب طریحی سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسالت مآب جماعت صحابہ کے ہمراہ ایک جگہ سے گذر فرما رہے تھے کہ چند لڑکے وہاں کھیل میں مشغول تھے۔ حضور نے لڑکوں میں سے ایک لڑکے کو پکڑ لیا اور اس کو اپنے پاس بٹھالیا اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دینے میں مشغول ہوئے اور اس پر کمال شفقت و مہربانی کا برتاؤ کیا۔ صحابہ نے عرض کی آقا! اس محبت و مہربانی کی کیا وجہ ہے جو ان بچوں میں سے صرف اس ایک بچے سے کی گئی ہے؟ آپ نے فرمایا میں نے اسے دیکھا ہے کہ ایک روز میرے شہزادہ امام حسینؑ کے ہمراہ جا رہا تھا اور حسین کے قدموں کی خاک اٹھا کر اپنے منہ پر ملتا تھا اسی لئے اس کی محبت میرے دل میں ہے اور جبرئیل نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ بچہ واقعہ کربلا میں ہوگا اور حسین کا مددگار ہوگا اور یہ بچہ حبیب بن مظاہر تھا۔

حبیب کی صحابیت جتلاتی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ کی صحبت کا شرف انہوں نے بلوغ کے بعد حاصل کیا ہے کیونکہ بچپنے کی صحبت چنداں فائدہ نہیں رکھتی اور واقعۂ کربلا میں حبیب کی عمر ۷۵ برس کی تھی اور واقعہ کربلا سنہ ۶۱ھ میں ہوا گویا بوقت ہجرت حبیب پندرہ برس کے تھے۔ اور امام حسین علیہ السلام کی ولادت ہجرت کے بعد ہوئی۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ حبیب حضرت امام حسینؑ سے ۱۸ برس بڑے تھے کیونکہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے وقت عمر ۵۷ برس تھی۔

تو اس لحاظ سے حضرت حبیب کو امام حسین علیہ السلام کا ہم عمر کہنا بھی غلط ہوگا۔ اسی طرح روایت مذکورہ میں حضرت رسالتمآبؐ کا ایک بچہ سے پیار کرنا اور وجہ یہ بیان کرنا کہ میرے فرزند حسین کے قدموں کی خاک منہ پر ملتا ہے۔ حالانکہ کم از کم امام حسینؑ کی عمر اس وقت ۵ یا ۶ برس کی ہوگی تو حبیب کی عمر اس وقت ۲۳ یا ۲۴ برس کی ہوگی پھر اس عمر کے نوجوان کے متعلق یہ کہنا کہ بچے کھیل رہے تھے اور حضرت نے ایک بچہ کو پکڑ کر اس کی پیشانی کا بوسہ لیا وغیرہ بعید سا معلوم ہوتا ہے لیکن یہ بات تعجب خیز اس لئے نہیں کہ حضور کے مقابلہ میں تو ایسی عمر کے نوجوان بچے تھے بلکہ آج کل بھی بڑے بوڑھے لوگ ہیں پچیس برس کے نوجوانوں کو لڑکے اور بچے کی لفظوں سے ہی تعبیر کیا کرتے ہیں۔ اور رسول جو ساری امت کے لئے باپ کی حیثیت سے ہیں ان کے سامنے تو سفید ریش بھی بچے کہلانے کے قابل ہیں چہ جائیکہ نوجوان۔ لہٰذا ممکن ہے کہ محبت کے اظہار کے لئے حضور نے حبیب کی پیشانی پر بوسہ دیا ہو۔ واللہ اعلم۔

فضائل حبیب

رجال کشی سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت میثم تمار گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہے تھے کہ مجلس بنی اسد کے قریب حضرت حبیب سامنے آتے ہوئے مل گئے۔ پس باتوں میں مشغول ہو گئے۔ اور ایک دوسرے کے اس قدر قریب ہوئے کہ گھوڑوں کی گردنیں آپس میں مل گئیں۔ حبیب نے کہا میں ایک شخص کو دیکھ رہا ہوں جس کے سر کے سامنے کے بال گر چکے ہیں۔ خربوزہ اور خرما فروخت کرتا ہے اس کو سولی پر لٹکایا جائے گا اور اس کے پہلو پر نیزہ مارا جائے گا۔ مقصد یہ تھا کہ اے میثم تجھ سے یہ سلوک ہوگا تو میثم نے جواب میں کہا۔ میں ایک شخص کو دیکھ رہا ہوں جس کی ڈاڑھی سرخ ہے اور اس کے سر پر دو گیسو ہیں وہ فرزند رسولؐ کی مدد کے لئے جائے گا اور شہید ہوگا اور اس کا سر کوفہ کے بازاروں اور کوچوں میں پھرایا جائے گا۔ یہ کہہ سن کر ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ جن لوگوں نے ان کی باتیں سنیں آپس میں کہنے لگے (معاذ اللہ) ان دو شخصوں سے زیادہ دروغ گو ہم نے کوئی نہیں دیکھا۔ اتنے میں وہاں رشید ہجری آ پہنچے جو ان دونو کو تلاش کر رہے تھے جب اس نے لوگوں سے ان کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا ابھی دونو اسی مقام پر موجود تھے اور اس اس طرح کی ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے رشید نے کہا خدا میرے بھائی میثم پر رحم کرے کہ اس نے پوری بات نہیں کہی کہ جب حبیب کے سر کو کوفہ میں لائیں گے تو اس

کا انعام دوسروں کی بہ نسبت ایک سو درہم زیادہ ہوگا۔ سننے والے کہنے لگے یہ شخص ان دونوں سے زیادہ دروغ گو ہے راوی کہتا ہے ابھی بہت زیادہ زمانہ نہیں گذرا تھا کہ میثم کو سولی پر لٹکایا گیا اور حبیب کے سر کو کوفہ میں پھرایا گیا۔ اور جو کچھ انہوں نے کہا تھا سب واقع ہوا۔

یہ حبیب واقعی ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے نصرتِ حق کے لئے لوہے کی چٹانوں سے ٹکر لی اور اپنی بلند حوصلگی سے ان کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ تیر و تبر اور نیزہ و تلوار کو سینہ پر کھا کر آوازِ حق کو اس طرح بلند کیا کہ قیامت تک وہ دب نہ سکے گی۔ ثبات قدم اور خودداری کی وہ زندہ مثال قائم کی جسے مرورِ زمانہ کہنہ نہ کر سکے گا۔ اس کے سامنے مال پیش کیا گیا۔ زر و جواہر کی تقدیم کی گئی۔ جاگیروں کا لالچ دیا گیا اور عہدوں کی پیشکش ہوئی لیکن سب کو پائے تحقیر سے ٹھکرا دیا اور حق کا ساتھ نہ چھوڑا۔ یہ کہتے ہوئے کہ ہم بروزِ محشر خدا اور رسول کے سامنے کیا جواب دیں گے۔ جب فرزندِ رسولؐ کو تنہا چھوڑ دیں؟ خدا کی قسم ہم جب تک زندہ ہیں اور ہماری پلکوں میں آنکھ متحرک ہے ہم حسین کی نصرت سے ہاتھ نہ اٹھائیں گے

کشی سے منقول ہے کہ روزِ عاشور حبیب بن مظاہر جب خیمہ سے باہر تشریف لائے تو ان کے چہرہ پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ بریر بن خضیر جو سید القراء تھے کہنے لگے۔ اے حبیب! یہ ہنسنے کا مقام نہیں ہے۔ حبیب نے جواب دیا اس سے زیادہ خوشی کے لئے زیادہ موزوں ترین وقت اور کونسا ہوگا کہ خدا کی قسم ہمارے حوروں کے ساتھ معانقہ کرنے کے درمیان صرف ایک حملہ کا فاصلہ رہ گیا ہے۔

بابن الشیعہ سے منقول ہے کہ ان کی کنیت ابوالقاسم تھی اور بوقتِ شہادت ان کی عمر ۷۵ برس تھی۔ حافظِ قرآن تھے اور عشاء کے بعد طلوعِ فجر تک ہر شب ایک ختم قرآن کیا کرتے تھے اور حضرت امیر علیہ السلام کی تمام جنگوں میں شمولیت کا شرف ان کو حاصل تھا اور حضرت امیر علیہ السلام کے خواص میں سے تھے اور علومِ شاہِ ولایت کے حامل تھے۔

ایک روایت میں ہے (۱) عمرو بن حمق خزاعی (۲) محمد بن ابی بکر (۳) میثم بن یحییٰ التمار (۴) رشید ہجری (۵) حبیب بن مظاہر اسدی (۶) اویس قرنی یہ لوگ حضرت علی علیہ السلام کے بلند پایہ شاگردوں میں سے تھے اور علم و عرفان کے بلند ترین منازل پر فائز تھے۔ ان کے علاوہ بھی آپ کے وفادار صحابہ کافی ہیں جیسے مالک اشتر و کمیل وغیرہ لیکن سب میں سے ان کا پایہ بہت بلند ہے۔

روضۃ الشہداء سے مروی ہے کہ حبیب کو خدمتِ نبوی کا شرف بھی حاصل تھا اور آپ سے انہوں نے حدیثیں بھی سماعت کی تھیں اور حضرت علیؑ ان کی بہت عزت و احترام فرماتے تھے۔

…⁂…

آمادگی حبیب برائے کربلا

حبیب کا شمار ان لوگوں میں ہے جنہوں نے سلیمان بن صرد خزاعی کے گھر میں جمع ہو کر امام حسینؑ کی طرف دعوت نامے لکھے تھے۔ پس حضرت امیر مسلم کوفہ میں وارد ہوئے تو مختار کے گھر میں گرد و نواح سے شیعہ جمع ہوئے اور بیعت کی، عابس بن ابی شبیب شاکری نے کھڑے ہو کر ایک مختصر اور جامع تقریر کی چنانچہ حمد و ثنائے پروردگار کے بعد حضرت مسلم کی طرف متوجہ ہو کر عرض کی کہ میں لوگوں کے ضمیر کے متعلق کچھ نہیں کہتا حالانکہ میں ان کی نیتوں سے واقف ہوں۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں کہ آپ کو دھوکے میں ڈالوں۔ ہاں اپنی نیت اور اپنے دل کی بات کہتا ہوں کہ خدا کی قسم میں نے اپنے نفس کو اس بات پر آمادہ کیا ہے کہ جب بھی مجھے بلایا جائے حاضر ہوں گا اور آپ کے دشمن سے جہاد کروں گا اور آپ کی نصرت میں تا دمِ مرگ تلوار چلاؤں گا۔ پس حبیب اٹھ کھڑے ہوئے اور بایں الفاظ عابس کے قول کی تائید فرمائی۔ اے عابس: خدا کی تیرے اوپر رحمت ہو تو نے خوب بات کہی اور میرا بھی یہی ایمان ہے اور بخدا میں بدل و جان تیری بات کی تائید کرتا ہوں۔

آقائے شیخ ذبیح محلاتی فرماتے ہیں کہ میں نے کتب متاخرین میں سے کسی کتاب میں دیکھا ہے جس کا نام ٹھیک طور پر مجھے یاد نہیں کہ جب حضرت امام حسینؑ زمین کربلا میں پہنچے تو ایک خط حضرت محمد بن حنفیہ کو تحریر فرمایا اور ایک خط تمام اہل کوفہ کے نام روانہ کیا اور ایک خط بالخصوص حبیب کی طرف رقم فرمایا جس کا مضمون یہ تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مِنَ الْحُسَیْنِ بْنِ عَلِیٍّ اِلَی الرَّجُلِ الْفَقِیْہِ حَبِیْبِ ابْنِ مُظَاہِرِ الْاَسَدِیِّ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ نَزَلْنَا کَرْبَلَا وَ اَنْتَ تَعْلَمُ قَرَابَتِیْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ فَاِنْ اَرَدْتَ نُصْرَتَنَا فَاقْدِمْ اِلَیْنَا عَاجِلاً۔

یہ خط حسین بن علی کی طرف سے مرد فقیہ حبیب بن مظاہر اسدی کی طرف ہے۔ اما بعد، اے حبیب ہم کربلا میں پہنچ چکے ہیں اور تم رسولِ پاکؐ سے میری قرابت کو جانتے ہو اگر تم ہماری نصرت کا ارادہ رکھتے ہو تو فوراً پہنچ جایئے۔

گلیوں کوچوں پر پہرہ دار مقرر تھے اور سلسلہ رسل و رسائل پر کڑی پابندی عائد تھی نہ معلوم یہ خط حبیب کو کیسے پہنچا بہرکیف قاصد کسی نہ کسی طریقہ سے حبیب کے دروازہ پر عین اس وقت پہنچا جب کہ حبیب ابن زیاد کے خوف سے اپنے قبیلہ میں پوشیدہ طور پر زندگی گذار رہا تھا اور اس وقت اپنی زوجہ کے ہمراہ صبح کا کھانا کھا رہا تھا۔ ایک لقمہ حبیب کی زوجہ کے گلوگیر ہوا تو کہنے لگی ابھی ہمارے پاس کوئی نہ کوئی خبر پہنچنے والی ہے۔ چنانچہ قاصد نے پہنچ کر خط پیش کیا۔ حبیب نے پڑھا اور خط کو جیب میں رکھا زوجہ نے دریافت کیا کہ یہ خط کس نوعیت کا ہے تو حبیب نے جواب دیا۔ حضرت حسینؑ مجھے اپنی نصرت کے لئے بلا رہے

ہیں۔ ابھی زیادہ دیر نہ گذری تھی کہ حبیب کے قبیلہ کو خط کے مضمون کی نوعیت کا علم ہو گیا وہ فوراً پہنچ گئے اور حبیب سے دل کا راز دریافت کرنے لگے کہ آیا نصرت حسین کے لئے جانا ہے یا نہیں؟ حبیب نے ان کی تسلی کی کہ میں ایک بوڑھا مرد ہوں اب میں کس کام کا ہوں؟ جب قبیلہ والوں کو تسلی ہو گئی تو اپنے کام کاج کے لئے چلے گئے۔ زوجہ حبیب نے دریافت کیا اے حبیب! فرزند رسولؐ تجھے اپنی نصرت کے لئے طلب کر رہا ہے اور تو جانے سے پس و پیش کر رہا ہے۔ کل بروز قیامت جناب رسالت مآبؐ کے سامنے کیا جواب دے گا؟ اس وقت حبیب نے اپنی عورت کے سامنے بھی تقیہ کیا اور فرمایا اگر میں کربلا چلا جاؤں تو ابن زیاد میرے گھر کو خراب کر دے گا اور میرا مال و اسباب لوٹ لے گا اور تجھے قید کرے گا۔ تو یہ سنتے ہی زوجہ حبیب نے نہایت جرأت مندانہ جواب دیا کہ اے حبیب! تو فرزند رسولؐ کی مدد کے لئے جا میرا گھر خراب ہو، اسباب لوٹ لیا جائے اور مجھے قید کر لیا جائے۔ مجھے یہ سب کچھ منظور ہے۔ اے حبیب! خوف خدا کرو! کیا سچ مچ تو نبی ہی کے فرزند کی مدد کے لئے نہیں جائے گا حالانکہ وہ تجھے اپنی نصرت کے لئے بلا رہے ہیں؟ حبیب نے پھر احتیاط سے کام لیتے ہوئے جواب دیا۔ اے عورت! تو دیکھتی نہیں کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ اب مجھ میں دشمن کا مقابلہ کرنے حملہ کرنے اور تلوار چلانے کی طاقت نہیں رہی۔ جب یہ سنا تو وہ نیک بخت عورت غصّہ و غم سے پُر ہو گئی کہ زبان سے بول نہ سکتی تھی۔ روتی ہوئی اور آنسو بہاتی ہوئی اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے سر سے برقعہ اتار کر حبیب کے سر پہ ڈال دیا اور کہنے لگی بے شک نہیں جانا تو تیری مرضی اب عورتوں کی طرح گھر میں بیٹھا رہ اور پھر جلے ہوئے دل سے ایک دردناک بین کیا اور کہا۔

اے حسین! کاش میں مرد ہوتی تو حاضر خدمت ہو کر تیرے قدموں میں جان فدا کرتی۔

حبیب نے جب یہ دلخراش منظر دیکھا اور اپنی زوجہ کا ایمان اخلاص کی کسوٹی پر پرکھ لیا تو طبیعت میں اطمینان پیدا ہوا اور فرمایا تو خاموش رہ۔ میں تیرے دل کو روشن کروں گا اور اپنی ریش سفید کو نصرت حسین میں اپنے سر کے خون سے خضاب کروں گا پس گھر سے باہر نکلے تاکہ کوفہ سے بھاگنے کی کوئی تدبیر میسر آ جائے دیکھا لوہاروں کا بازار بڑا گرم ہے۔ معلوم ہوا کہ ابن زیاد کے لشکری اپنے نیزوں کے پھل تیز کر رہے ہیں۔ تیروں کو زہر میں بجھا رہے ہیں۔ تلواروں کو صیقل کرا رہے ہیں اور گھوڑوں کی نعل بندی کرا رہے ہیں اور یہ سب کچھ فرزند رسولؐ کے قتل کا سامان ہو رہا ہے۔ حبیب کے دل سے سرد آہ نکلی۔

ادھر دیکھا مسلم بن عوسجہ ایک دوکان سے مہندی خرید رہے تھے۔ اس نے بازار کی چہل پہل کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ سب کچھ فرزند رسولؐ کے قتل کے لئے ہو رہا ہے۔ لوگ ہتھیار خرید رہے ہیں کہ فرزند رسولؐ کو قتل کریں۔ پس مہندی کو فرش بازار پر پھینک دیا اور ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر کہنے لگا اب اسے نصرت حسین میں اپنے سر کے خون سے ہی خضاب کروں گا۔ پس دونوں نے کوفہ سے بھاگنے کا قصد کر لیا۔

حبیب نے اپنے غلام کو بلایا اور گھوڑا اس کے حوالہ کیا اور تلوار بھی دی کہ اس کو اپنے کپڑوں کے نیچے چھپا کر لے جا اور اس کو ہدایت کی کہ فلاں راستہ سے گذر کر فلاں جگہ پر میری انتظار کرنا۔ اور اگر کوئی پوچھے بھی تو کہنا کہ فلاں کھیتی کی دیکھ بھال کے لئے جا رہا ہوں پس غلام حبیب نے اپنے آقا کی فرمائش پر عمل کیا۔

حبیب غیر معروف طریقہ سے روانہ ہوئے لیکن ان کو وہاں تک پہنچتے پہنچتے کافی دیر ہوگئی کیونکہ پہرہ شدت کا تھا اور چھپ کر جانا تھا۔ جب غلام نے دیکھا کہ حبیب نے بڑی دیر کر دی ہے وہ سمجھا کہ شاید ان کا ارادہ بدل گیا ہے یا کوئی رکاوٹ پیدا ہوگئی ہے۔ گھوڑے کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ اے گھوڑا اگر آقا تشریف نہ لائے تو میں خود تیری پشت پر سوار ہو کر نصرتِ حسین کے لئے کربلا جاؤں گا۔ گھوڑا سر جھکائے غمزدہ حالت میں غلام کی یہ باتیں سن رہا تھا۔ اتنے میں حبیب پہنچا اور غلام کے کلمات حبیب کے کانوں میں پہنچے تو جسم پر لرزہ طاری ہوگیا اور آنکھوں سے سیلاب اشک جاری کرتے ہوئے کہا۔ اے حسین: میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہو جائیں۔ کنیز زادے تیری نصرت کے لئے بے چین ہیں۔ لیکن افسوس اُن آزاد مردوں پر جو تیری نصرت سے گریز کرتے ہیں۔

ورودِ حبیب در کربلا

پس گھوڑے پر سوار ہوئے اور غلام سے کہا کہ میں نے تجھے راہِ خدا میں آزاد کیا ہے۔ جس طرف تیری مرضی ہو چلا جا۔ غلام یہ سُن کر حبیب کے قدموں پر گر پڑا۔ اور عرض کی اے آقا: مجھے اس سعادت سے محروم نہ فرمائیے۔ مجھے بھی اپنے ہمرکاب لے جائیے تاکہ اپنی جان حسین پر قربان کروں۔ پس حبیب نے غلام کی درخواست کو منظور کیا اور اُسے اپنے پیچھے سوار کر لیا اور کربلا کی طرف روانہ ہوئے۔

جب حبیب پہنچے تو حضرت حسین علیہ السلام کے تمام صحابہ نے بڑھ کر نہایت گرم جوشی سے حبیب کا استقبال کیا اور خیمہ گاہ میں بھی خبر پہنچی تو علیا مخدرہ جناب زینب سلام اللہ علیہا نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے کہ تمام صحابہ ایک جگہ جمع ہوگئے ہیں؟ تو عرض کی گئی کہ حبیب آپ کی نصرت کے لئے پہنچا ہے۔ بی بی نے فرمایا۔ میرے سلام حبیب کو پہنچاؤ۔ جب حبیب کو بی بی عالیہ کا سلام پہنچا تو ایک مٹھی بھر خاک لے کر اپنے سر میں ڈالی اور کہنے لگے۔ ہائے میں کب اور امیر عرب کی بڑی شہزادی کہاں کہ مجھے سلام بھیج رہی ہے۔

بحار الانوار وغیرہ سے منقول ہے کہ جب حبیب نے امام حسین علیہ السلام کی تھوڑی فوج دیکھی تو عرض کی آقا: یہاں نزدیک ہمارے قبیلے کے لوگ آباد ہیں۔ اگر آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو میں ان کو آپ کی نصرت کے لئے

دعوت دوں۔ حضرت نے اجازت دی چنانچہ حبیب اپنی ہیئت تبدیل کر کے وہاں پہنچا۔ چونکہ وہ ان کو پہچانتے تھے اور اپنا بزرگ سمجھتے تھے۔ پس انہوں نے ان کا کافی احترام کیا اور تشریف آوری کی وجہ دریافت کی تو حبیب نے جواب دیا کہ میں تمہارے پاس ایک ایسی بہتر چیز لایا ہوں کہ کبھی کوئی شخص اپنی قوم کے پاس اس سے بہتر چیز نہ لایا ہوگا۔ میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ تم لوگوں کو فرزندِ رسولؐ کی نصرت کی دعوت دوں کہ ان کے ہمراہ چند ایا ندار لوگ ہیں کہ ان میں کا ایک ہزاروں سے بہتر ہے اور وہ فرزندِ رسولؐ کی نصرت سے قطعاً دست بردار نہ ہوں گے۔ دوسری طرف عمر بن سعد نے ایک لشکر کثیر کے ساتھ ان کا محاصرہ کیا ہوا ہے تم چونکہ میری قوم ہو لہٰذا تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ فرزندِ رسولؐ کی مدد کے لئے تیار ہو جاؤ۔ تاکہ تمہارے لئے دین و دنیا کے شرف کا باعث ہو۔ اور میں قسم سے کہتا ہوں کہ تم میں سے جو بھی حسینؑ کے ہمرکاب ہو کر شہید ہوگا۔ جنت عدن میں جناب رسالت مآبؐ کی صحبت اُسے نصیب ہوگی۔ جب انہوں نے حبیب کی پیش کش سنی تو لبیک کہی اور سب سے پہلے عبداللہ بن بشر نامی ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا کہ پہلا میں شخص ہوں جو اس دعوت پر لبیک کہنے کو تیار ہوں۔ پھر یکے بعد دیگرے لوگ اُٹھے اور نوے تک تعداد پہنچ گئی۔ آلاتِ حرب آراستہ کر کے روانہ ہوئے۔ اسی قبیلہ میں سے ایک منافق نے ابن سعد تک خبر پہنچا دی۔ اس ملعون نے ارزق کو چار سو سپاہ کی فوج دے کر مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ راستہ میں ان کے درمیان ایک سخت جھڑپ ہوئی۔ بنی اسد تاب مقابلہ نہ لاتے ہوئے پسپا ہو گئے۔ اور عمر سعد کے خوف سے راتوں رات اپنے خیمے وہاں سے اکھیڑ کر کسی دوسری طرف چلے گئے۔ حبیب نے واپس خدمتِ امام میں پہنچ کر ساری داستان بیان کی۔ امام نے فرمایا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

عمر بن سعد نے ابن زیاد کا پیغام سنانے اور جواب حاصل کرنے کے لئے امام حسینؑ کی طرف قرہ بن قیس حنظلی کو روانہ کیا۔ جب وہ قریب آیا تو امام علیہ السلام نے حبیب سے فرمایا کہ کیا تم اس شخص کو پہچانتے ہو؟ حبیب نے جواب دیا اے فرزندِ رسولؐ! یہ قرہ بن قیس حنظلی ہے۔ یہ شخص ہمارا خواہر زادہ ہے۔ یہ شخص نیک طینت اور نیک خصال تھا اور مجھے خیال تک نہ تھا کہ اس شیطانی لشکر میں یہ داخل ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ جب اس نے پیغام پہنچایا اور جواب لے کر واپس پلٹنا چاہا تو حبیب نے فرمایا وائے تم پر اے قرہ۔ کہاں جاتا ہے۔ اس ظالم قوم کا ساتھ چھوڑ دے اور فرزندِ رسولؐ کی نصرت میں داخل ہو جا۔ جس کے باپ نانا کی بدولت تجھے ہدایت ملی ہے لیکن اس بدبخت نے جواب دیا۔ میں پیغام کا جواب پہنچا کر غور کروں گا۔ پس اس بدبخت نے بہشت سے منہ پھیر کر دوزخ کا رُخ کیا اور توفیقِ توبہ نہ پا سکا۔

جب امام حسین علیہ السلام نے خطبہ پڑھا تھا تو شمر نے آواز دی کہ اگر میں نے آپ کی کوئی بات سمجھی ہو تو خدا کی عبادت شک و شبہ سے کی ہو۔ فوراً حبیب بن مظاہر بولے اور فرمایا خدا کی قسم تو نے بے شک شکوک و شبہات سے خدا کی

عبادت کی ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے یہ بات سچ کہی ہے۔ کیونکہ خدا نے تیرے سیاہ دل پر اپنے غضب کی مہر لگا دی ہے۔ اور تیرا دل قہرِ خدا کے پردہ میں مفرور ہے تو کیسے امام عالی مقام کے پاک کلام کو سمجھے کیونکہ تیری حیثیت ایک عام حیوان سے زیادہ نہیں۔

جب نویں محرم کی عصر کو حضرت عباسؑ بفرمانِ امام حبیب بن مظاہر اور زہیر قین اور دیگر چند صحابہ کو ہمراہ لے کر حالات دریافت کرنے کے لئے گئے۔ اور واپس اطلاع دینے کے لئے حضرت عباس آئے تو حبیب نے قومِ اشقیاء سے مخاطب ہو کر کہا۔ خدا کے نزدیک بروزِ قیامت بدترین انسان ہوں گے جو اولادِ پیغمبر کے قاتل محشور ہوں گے اور یہ ان لوگوں کے قاتل ہیں جو نماز و استغفار سے شب بیداری کرتے ہیں۔ ایک ملعون نے جواب دیا حبیب تم اپنی مدح و ثنا ہی کر رہے ہو تو زہیر نے پھر ان کو منہ توڑ جواب دیا۔

کتبِ معتبرہ سے منقول ہے کہ جب شبِ عاشورا امام اپنے ساتھیوں کو آزما چکے تو جناب زینب عالیہ نے عرض کی اے برادر! ان باقی ماندہ مٹھی بھر صحابہ کو آپ نے آزما تو لیا ہے ایسا نہ ہو کہ جب لڑائی کے شعلے بھڑک اٹھیں تو یہ بھی تجھے چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کر جائیں۔ حضرت حسینؑ بہن کی یہ بات سُن کر رو دیئے اور فرمایا اے ماں جائی۔ میں نے ان کا امتحان لے لیا ہے۔ یہ سب کے سب شجاع اور مردِ میدان ہیں اور میرے سامنے جان دینے کے لئے اس طرح بے تاب ہیں جس طرح بچہ ماں کے سینے کی طرف بے تاب ہوا کرتا ہے۔

ہلال بن نافع یہ باتیں سن رہا تھا۔ عالمِ پریشانی میں فوراً حبیب کے خیمہ کے دروازہ پر آیا اور آواز دی۔ اے حبیب دخترِ علی کو ہماری وفا پر اعتماد نہیں ہے اور پھر سارا واقعہ دہرایا۔ حبیب نے کہا سنو اگر اپنے مولا کے امر کی انتظار نہ ہوتی تو ابھی تلوار لے کر ان دشمنانِ دین پر حملہ کر دیتا۔ ہلال نے کہا۔ اے حبیب! میں نے حسین کی بہن زینب کو بہت پریشان پایا ہے۔ اور شاید تمام بچے اور باقی مستورات بھی اسی طرح پریشان ہوں گے۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تمام اصحاب کو جمع کر کے ان کے اطمینان و تسلی کا انتظام کیا جائے۔ حبیب نے جواب دیا۔ بہتر ہے۔ پس ایک طرف حبیب اور دوسری طرف ہلال نے اصحاب کو پکارنا شروع کر دیا۔ تمام نے برجِ خیام سے ستارہ ہائے آسمان کی طرح منہ باہر کیا تو حبیب نے بنو ہاشم کو واپس بھیج دیا اور دیگر اصحاب سے خطاب کر کے کہا۔ اے غیور و۔ اے بیشۂ شجاعت کے شیرو! ہلال نے مجھے اس اس طرح کی ایک خبر دی ہے۔ سچ سچ بتاؤ کہ اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟ تمام اصحاب نے تلواریں برہنہ کر لیں اور عمامے سروں سے اتار پھینکے اور کہنے لگے۔ اے حبیب! خدا کی قسم جب تک ہمارے قبضہ میں تلوار ہے کسی کی مجال نہیں کہ ان پاک بیبیوں کے خیام کی طرف رُخ کرے۔ ہم وصیتِ پیغمبر پر اس کی ذرّیت کی حفاظت اور پاسداری کر کے پورا

پورا عمل کریں گے۔ حبیب نے کہا اگر ایسا ہے تو پھر میرے ساتھ آیئے چنانچہ حبیب آگے آگے اور اصحاب اس کے پیچھے روانہ ہوئے اور خیام اہل بیت کے درمیان میں کھڑے ہو گئے حبیب نے آواز دی۔ اے حریم عصمت کی پردہ دارو! اے خاندان رسالت کی شہزادیو! یہ تمہارے غلام سب تلواریں لے کر در دولت پر حاضر ہیں۔ اور قسم کھا کر عہد کرتے ہیں کہ یہ تلواریں تمہارے دشمنوں کی گردنوں پر چلائیں گے۔ اور یہ تمہارے غلاموں کے نیزے موجود ہیں۔ اور قسم سے کہتے ہیں کہ ان لوگوں کے سینوں میں پڑیں گے جو ان خیموں کی جنگ حرمت کا ارادہ رکھتے ہوں۔ جب امام حسین علیہ السلام نے یہ آواز سنی تو اہل حرم کو اطلاع دی پس تمام مستورات کو یک گونہ تسلی ہوئی اور فرمایا۔ اے پاک نژادو: فاطمہ زہرا کی شہزادیوں کی ناموس کی حفاظت کرو۔ اگر ذریت پیغمبر کی حمایت سے کوتاہی کرو گے تو قیامت کے دن کیا جواب دو گے؟ راوی کہتا ہے یہ سنتے ہی اصحاب اس قدر روئے کہ گویا زمین میں زلزلہ آ گیا تھا۔

روز عاشور جب حبیب حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ مسلم بن عوسجہ کی لاش پر پہنچے۔ ابھی تک مسلم میں رمق جان باقی تھی۔ حبیب نے کہا اے مسلم مجھے ناگوار ہے کہ تجھے اس طرح خاک و خون میں غلطاں دیکھوں۔ مسلم تجھے جنت کی بشارت ہو مسلم نے کمزور آواز سے جواب دیا حبیب تجھے خیر کی بشارت ہو۔ حبیب نے کہا۔ اے مسلم: مجھے معلوم ہے کہ عنقریب میں بھی تیرے ساتھ ملحق ہونے والا ہوں۔ ورنہ تجھے وصیت کرنے کو کہتا اور ہر ممکن طریقہ سے اُسے پورا کرتا۔ مسلم نے امام عالی مقام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اے حبیب بس میری وصیت صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ اس غریب کی مدد سے کوتاہی نہ کرنا۔ حبیب نے جواب دیا ان شاء اللہ پروردگار کعبہ کی قسم تیری یہ وصیت پوری کر کے تیری آنکھیں ٹھنڈی کروں گا۔

جب ابوثمامہ صائدی نے امام سے نماز کی درخواست کی اور امام نے اس کے حق میں دعا کی تو حبیب نے لشکر ابن سعد کو خطاب کر کے کہا کہ کیا تم اسلام کے احکام بھی فراموش کر چکے ہو۔ جنگ کو روک دو تاکہ ہم نماز پڑھ لیں اور تم خود بھی نماز پڑھو۔ حصین بن نمیر ملعون نے آواز بلند کی کہ اے حبیب جو کچھ نماز پڑھنی ہے بے شک پڑھ لو لیکن تمہاری نماز مقبول نہیں ہو گی۔ یہ سُن کر حبیب طیش میں آئے اور فرمانے لگے اے خمارہ کے بیٹے تیری نماز قبول ہو گی اور فرزند رسولؐ کی نماز قبول نہ ہو گی؟ پس خدمت امام میں عرض کی آقا: ان لوگوں کی بدکلامی برداشت نہیں ہو سکتی۔ آپ اجازت مرحمت فرمائیں اور یہ نماز تیرے نانا کے پیچھے کوثر کے کنارے پڑھوں گا۔ بعض کتب سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: اے حبیب تو میرے نانا اور بابا کی یادگار ہے اور بہت بوڑھا ہے میں کس طرح پسند کروں کہ تو میدان میں جائے۔ حبیب نے رو کر عرض کی آقا: میرا دل چاہتا ہے کہ تیرے نانا کے سامنے سرخرو پیش ہوں اور تیرے باپ اور دادا کے روبرو تمہارے

ناصرین کی صف میں پیش ہوں۔

شہادتِ حبیب

حبیب امام حسین علیہ السلام کی فوج کے میسرہ پر متعین تھے امام سے اجازت طلب کر کے میدان میں آئے اور اس طرف سے مقابلہ کے لئے حصین بن نمیر نکلا حبیب نے ایک ضرب تلوار سے اس کی ناک اڑا دی وہ بدحواس ہو کر گھوڑے سے گرا حبیب نے اس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن اس کے ساتھیوں نے اسے فوراً اٹھالیا۔ پس قوت ایمانی سے حبیب نے فوج اشقیاء پر شیر کی طرح حملہ کیا اور باوجود ضعیفی اور کبرسنی کے ۶۲ ملاعین کو دارالبوار پہنچایا۔ اتنے میں بدیل بن صریم تمیمی نے نیزے کا وار کیا کہ آپ منہ کے بل گر گئے حصین بن نمیر جو انتقام کی انتظار میں تھا اس نے فوراً موقعہ پا کر تلوار کا وار کیا کہ حبیب اٹھنے سے لاچار ہو گئے۔ پس اس تمیمی ملعون نے گھوڑے سے اتر کر حبیب کا سر تن سے جدا کر لیا۔

حصین بن نمیر نے کہا کہ یہ سر مجھے دے دو کہ اس کو میں نے قتل کیا ہے لیکن تمیمی نے انعام کے لالچ سے حبیب کا سر حصین کو دینے سے انکار کر دیا حصین نے کہا کہ کچھ دیر کے لئے حبیب کا سر مجھے دے تاکہ میں اس کو گھوڑے کی گردن میں باندھ کر فوج میں ایک چکر لگاؤں، پھر انعام کے موقعہ پر تجھے دے دوں گا وہ تمیمی اس بات پر رضامند ہو گیا اور حصین نے حبیب کے سر کو گھوڑے کی گردن سے باندھ کر تمام فوج میں پھرایا تاکہ سب لوگ جان لیں کہ یہ حبیب کا قاتل ہے۔ اس کے بعد وہ سر تمیمی کو واپس کر دیا۔ بعض عبارتوں میں ہے بَانَ الْاِنْكِسَارُ فِي وَجْهِ الْحُسَيْنِ مِنْ قَتْلِ الْحَبِيْبِ حبیب کے قتل ہونے سے حسین کے چہرہ میں پژمردگی کے آثار نمایاں ہو گئے۔ اور فرمایا حبیب: خدا تجھے جزائے خیر دے تو وہ فاضل شخص تھا کہ ہر رات ختم قرآن کیا کرتا تھا۔

انتقام فرزند حبیب

تاریخ طبری میں ہے کہ وہ مرد تمیمی ملعون حبیب کے سر کو کوفہ میں لایا تو حبیب کے فرزند قاسم بن حبیب جو قریب البلوغ تھا اس نے اپنے باپ کا سر پہچان لیا اور اس تمیمی کے پیچھے پیچھے دارالامارہ کی طرف روانہ ہوا تمیمی نے قاسم سے ساتھ آنے کی وجہ پوچھی تو قاسم نے کہا کہ یہ میرے بابا کا سر ہے مجھے دے دو تاکہ میں اس کو دفن کروں، اس ملعون نے جواب دیا کہ اس طرح ابن زیاد راضی نہ ہو گا اور مجھے انعام بھی نہ مل سکے گا۔ پس قاسم آواز بلند رویا اور کہا اے ملعون تو نے اس شخص کو قتل کیا ہے جو تجھ سے بہتر تھا خدا تجھے سخت ترین عذاب میں مبتلا کر دے۔

قاسم نے دل میں اپنے باپ کے قاتل سے انتقام لینے کا عہد کر لیا اور ہمیشہ اسی جستجو میں رہتا تھا کہ موقعہ ملے

لیکن یہ موقعہ دستیاب نہ ہو سکا۔ جتّے کہ جب مصعب بن زبیر کا زمانہ آیا تو قاسم نے اُسی تیمی ملعون کو دوپہر کے وقت اپنے خیمہ میں تنہا بیٹھا ہوا دیکھا۔ پس ایک ہی حملے سے اُسے واصلِ جہنم کر کے دم لیا۔

قصّہ لطیفہ

علامہ نوری سے دار السلام میں منقول ہے کہ مرحوم شیخ جعفر شوستری نے بیان کیا میں نجف اشرف سے علوم دینیہ کی تحصیل کر کے جب وطنِ مالوف میں پہنچا تو سلسلۂ تبلیغ کو جاری کیا لیکن فنِ تبلیغ و مصائب میں مہارت نہ تھی اس لئے ماہ مبارک رمضان میں اور بالعموم جمعہ کے دن منبر پر جا کر تفسیرِ صافی سے پڑھا کرتا تھا اور ایام محرم میں روضۃ الشہداء کو سامنے رکھ کر پڑھتا تھا لیکن کماحقہٗ تبلیغ میں موثر انداز تھا اور نہ گریہ میں کامیابی تھی کئی سال اسی طرح گذر گئے ماہ محرم نزدیک آیا تو دل میں خیال کیا کہ بیان کی کامیابی کے لئے کیا کچھ اختیار کیا جائے لیکن کوئی علاج نہ سُوجھا۔ پس اسی پریشانی کے عالم میں نیند غالب آگئی تو اپنے آپ کو زمین کربلا میں پایا جب کہ امام حسین تازہ وارد کربلا ہوئے۔ ایک طرف خیام امام نصب تھے اور دوسری جانب خیام اشقیاء تھے۔ خدمتِ اقدس امام علیہ السلام میں پہنچ کر سلام عرض کیا حضور نے مجھے اپنے قریب جگہ دی اور میرے ساتھ کمال شفقت کا مظاہرہ فرمایا، پھر حبیب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے حبیب! شیخ جعفر ہمارا تازہ نو وارد مہمان ہے ہمارے پاس پانی تو نہیں کچھ ستو مہمان کے سامنے پیش کرو، حبیب نے حکم امام کی تعمیل میں میرے سامنے ستو رکھے اور قاشق بھی دی چنانچہ چند قاشق تناول کئے اور خواب سے بیدار ہو گیا۔ پس اس طعام کی برکت سے اخبار مصائب کے ایسے اشارات، لطائف اور کنایات پر مجھے اطلاع ہوئی کہ مجھ سے پہلے کسی نے سبقت نہ کی تھی اور روز بروز ترقی ہوتی گئی اور اپنے مقصد پر آخر کار کامیاب ہو گیا۔ ملخصاً۔

نیز ایک بزرگ نے حضرت حبیب کو محلاتِ جنت میں غمگین دیکھا جب پوچھا تو جواب دیا ایک حسرت دل میں باقی ہے اور وہ یہ کہ دل چاہتا ہے ایک دفعہ دنیا میں جا کر حضرت حسین علیہ السلام کے رونے والوں میں داخل ہو جاؤں تاکہ عزاداری کا شرف حاصل کر لوں۔

۳۷۔ حجاج بن زید سعدی

یہ شخص یزید بن مسعود نہشلی کا بصرہ سے امام حسین کے نام خط لایا تھا اور پھر امام کے ہمرکاب رہا، یہاں تک کہ بروز عاشور حملہ اولیٰ میں شہید ہو گیا۔

۳۸۔ حجاج بن مسروق

یہ شخص کوفے کا باشندہ ہے۔ حضرت امیر علیہ السلام کے اصحاب اور ان کے شیعوں میں سے تھا۔ جب اس نے سنا کہ حضرت امام حسین مدینہ سے مکہ پہنچ چکے ہیں تو یہ شخص کوفہ سے آپ کی ملاقات کے لئے مکہ پہنچا اور پھر کربلا تک ہمرکاب رہا۔ اوقات نماز میں آں حضرت کا موذن بھی تھا۔ روز عاشورا اذن جنگ لے کر جہاد کیا اور ۱۵ یا بروایتے ۱۸ ملاعین کو تہ تیغ کر کے جام شہادت نوش کیا۔ بعض کتب میں ہے کہ اس کا غلام مبارک بھی اس کے ہمراہ تھا اور دونوں اکٹھے میدان جنگ میں گئے اور دونوں نے مل کر جہاد کیا۔ ۵۰ ملاعین کو فی النار کر کے شہید ہو گئے۔

۳۹۔ حُجیر بن جندب

بعض کتب سے اس کا بروز عاشور حملہ اولیٰ میں مقتول ہونا پایا جاتا ہے۔

۴۰۔ حر بن یزید ریاحی

یہ بزرگوار کوفہ کے سادات شرفاء اور روساء میں سے تھے لیکن حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے دور میں ان کا کہیں تذکرہ نہیں مل سکا کہ یہ کس جانب تھے۔ بس ان کی تاریخ کا باب اسی جگہ سے شروع ہوتا ہے کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام مکہ سے لبوئے عراق روانہ ہوئے تو ابن زیاد ملعون نے ان کو ایک ہزار سوار کا سپہ سالار مقرر کر کے قادسیہ کی طرف روانہ کیا تاکہ امام حسین علیہ السلام کی کوفہ کی طرف پیش قدمی کو روکا جائے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام جب منزل اشراف سے روانہ ہونے لگے تو بوقت سحر حکم دیا کہ مشکیزوں کو خوب پر کرلو اور کافی پانی اپنے ساتھ رکھ لو۔ وہاں سے روانہ ہوئے تو دوپہر کے وقت صحابہ میں سے ایک شخص نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ حضرت نے بھی تکبیر کہی پھر پوچھا کہ تیرے تکبیر کہنے کی کیا وجہ ہے۔ اس نے جواب دیا کہ سامنے کھجوروں کا ایک باغ دیکھ رہا ہوں۔ بنی اسد میں سے ایک شخص نے کہا کہ اس مقام پر ہم نے کبھی کھجوریں نہیں دیکھیں تو امام نے فرمایا کہ ذرا غور سے دیکھو کہ کیا چیز ہے؟ تو پھر جواب ملا کہ خدا کی قسم یہ تو گھوڑوں کے کان اور نیزوں کے پھل دکھائی دے رہے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا میں بھی یہی کچھ دیکھ رہا ہوں۔ پھر فرمایا کیا کوئی پناہ کی جگہ ہے جہاں ہم اتر جائیں اور لڑائی کا رخ صرف ایک ہی طرف ہو جائے تو اصحاب نے عرض کیا کہ ہماری بائیں جانب ذوحسم موجود ہے۔ پس آپ نے گھوڑے کی باگ بائیں طرف موڑ دی اور صحابہ نے

بھی کمال سرعت سے کام لیا اس طرف سے دشمن کی فوج کے پہلے حصے بھی قریب آپہنچے تھے لیکن امام اور ان کے ساتھی وہاں پہلے پہنچ گئے اور خیمے نصب کر لئے۔ دشمن کی فوج کی قیادت حر کے سپرد تھی اور یہ ساری فوج فولادی لباس میں ملبوس اور آلات حرب و ضرب سے مسلح تھی۔ حُر نے امام حسینؑ کے خیام کے مقابلہ میں خیمے لگوائے۔ آپ نے پوچھا تو کون ہے؟ اُس نے جواب دیا۔ میں حر بن یزید ریاحی ہوں۔ حضور نے پوچھا ہمارے موافق یا مخالف؟ جواب دیا بلکہ مخالف۔ اس منبع فیض و کرم نے حر کی فوج کے چہروں میں تشنگی کے آثار پائے تو فرمایا کہ ان لوگوں کو مع گھوڑوں کے پانی پلا دو جب لوگ پانی پی چکے تو گھوڑوں کو بھی سیراب کیا گیا۔ علی بن طعان محاربی کہتا ہے کہ میں لشکر حر میں سب سے آخر میں پہنچا۔ میرے اوپر اور میرے گھوڑے کے اوپر پیاس سخت غالب تھی جب میں پہنچا تو مشکیزوں کے دہانے بند کئے جا چکے تھے۔ امام علیہ السلام خیمہ کے دروازہ پر بیٹھے ہوئے دیکھ رہے تھے مجھے فرمایا کہ سواری سے اترو۔ پس میں نے ایسا ہی کیا۔ پس مجھے پانی دیا گیا لیکن پیاس نے مجھے اس قدر بدحواس کر دیا تھا کہ مجھ میں پانی پینے کی طاقت نہ تھی۔ پس آپ خود اُٹھے اور بنفس نفیس مشک کو اٹھا کر مجھے پانی سے سیراب کیا۔ نماز ظہر کا وقت آیا تو حضرت نے حجاج بن مسروق کو اذان کا حکم دیا۔ نماز کے لئے صفیں درست ہو گئیں۔ حضرت باہر تشریف لائے اور ایک مختصر سا خطبہ ارشاد فرمایا کہ اے لوگو میں بن بلائے یہاں نہیں آیا بلکہ تم لوگوں نے متواتر خطوط لکھ کر مجھے اس طرف آنے پر آمادہ کیا ہے۔ اگر تم لوگ ان وعدوں پر کاربند ہو تو ہمیں مطمئن کرو اور اگر پشیمان ہو تو مجھے واپس جانے دو۔ پس حر اور اس کے لشکر نے شرمندگی سے کچھ جواب نہ دیا اقامت پڑھی گئی تو امام نے حر سے کہا کہ تو بے شک اپنے لشکر کے ساتھ علیحدہ نماز پڑھ لیکن حُر نے جواب دیا ہم آپ کی اقتداء میں پڑھیں گے۔ پس حضرت آگے کھڑے ہوئے اور دونوں لشکریوں نے پیچھے کھڑے ہو کر نماز ادا کی گرمی اس قدر تیز تھی کہ دونوں لشکر اپنے اپنے گھوڑوں کی لگامیں تھام کر ان کے سایہ میں بیٹھے تھے۔ پھر نماز عصر حضرت نے دونوں لشکروں کو پڑھائی۔ اور حر کے لشکر کی طرف مخاطب ہو کر مثل سابق ایک مختصر سی تقریر فرمائیں۔ حر نے عرض کی ہمیں خدا کی قسم آپ کے خطوط کا کوئی پتہ نہیں۔ پس آپ نے عقبہ بن سمعان سے فرمایا کہ تھیلا لے آؤ۔ چنانچہ وہ لایا اور آپ نے حر کے سامنے سب خطوط نکال کر رکھ دئے۔ حُر نے جواب دیا۔ میں ان خطوط کے لکھنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ مجھے تو اس لئے بھیجا گیا ہے کہ آپ کو جہاں پاؤں ابن زیاد کے پاس لے جاؤں۔ آپ نے غصہ میں آکر اپنے اصحاب سے فرمایا اٹھو اور سوار ہو جاؤ اور عورتوں بچوں کو محملوں میں سوار کر لو تا کہ واپس چلے جائیں۔ ادھر حُر کے لشکر نے سامنے صف بستہ ہو کر راستہ روک لیا۔ آپ نے حُر سے فرمایا تیری ماں تیرے ماتم میں سوگوار ہو تو میرے ساتھ کیوں اُلجھتا ہے؟ حُر نے جواب دیا اگر آپ کے بغیر کوئی دوسرا عرب میری ماں کا نام لیتا تو میں اس کی ماں کا نام بھی ضرور لیتا لیکن خدا کی قسم آپ کی ماں وہ

ہے جس کا بغیر درود وسلام کے نام لینا مناسب نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ مجھ سے کیا چاہتا ہے؟ تو جواب دیا کہ ابن زیاد کے پاس لے جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا یہ تو نہیں ہو سکتا۔ حُر نے کہا اس کے بغیر میں بھی نہ چھوڑوں گا۔ تین تین دفعہ یہ کلمات دُہرائے گئے۔ جب بات نے طول کھینچا تو حُر نے کہا مجھے لڑنے کا حکم نہیں بلکہ صرف یہ کہ آپ کے ہمراہ رہوں اگر آپ کوفہ نہیں جاتے تو پھر کوفہ اور مدینہ کے درمیان کا راستہ اختیار فرمائیے۔ پھر میں ابن زیاد کو اطلاع دوں گا۔ ممکن ہے کوئی اچھی صورت پیدا ہو جائے۔ پس اسی پر اتفاق ہوا اور روانہ ہوئے۔ یہاں سے عذیب تک ۳۸ میل فاصلہ تھا بائیں جانب سب لق و دق جنگل ہی جنگل تھا۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا کوئی ہے جو راستہ سے الگ ہو کر ہمیں منزلِ مقصود تک لے جائے۔ طرماح نے عرض کی آقا میں راہ و بے راہ خوب جانتا ہوں۔ پس امام نے اُس کو آگے چلنے کا حکم دیا۔ ساری رات سفر ہوتا رہا۔ نمازِ صبح کے وقت مقام بیضہ پر پہنچے جو بنی دارم کی آبادی تھی۔ پس وہاں نماز صبح پڑھی گئی۔ اور مروی ہے کہ یہاں پھر آپ نے ایک خطبہ دیا جس میں بنی اُمیہ کی دین فروشی اور اسلام دشمنی پر تبصرہ فرمایا اور اپنا استحقاقِ خلافت بھی بیان کیا اور کوفیوں کے خطوط اور دعوت ناموں کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر تم میری بیعت پر ثابت قدم اور وفادار ہو تو خوب اور اگر عہد شکنی کر چکے ہو اور بیعت کو توڑ چکے ہو تو یہ بات تم سے غیر متوقع بھی نہیں کیونکہ تم اس سے پہلے میرے باپ اور بھائی کے ساتھ بھی یہ سلوک کر چکے ہو۔ الخ۔

حُر نے جب یہ خطبہ سُنا تو اس کو قدرے ہوش آئی۔ خدمتِ اقدس میں پہنچا اور عرض کی اے فرزند رسُول خدا کو گواہ کر کے میں آپ سے سچی بات کہتا ہوں کہ اگر آپ ان لوگوں سے ایسی بات کریں گے تو بلا شک قتل ہوں گے۔ آپ نے فرمایا اے حُر کیا تو مجھے موت سے ڈراتا ہے لیکن یاد رکھ میرے قتل کے بعد تم لوگ آسودہ حال نہ ہو گے بلکہ تم کو عذاب دردناک میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ پھر فرمایا میں اسی نیت پر جا رہا ہوں کیونکہ جوان مرد پر ایسی موت باعث ننگ نہیں جو نیک نیتی سے راہِ حق میں پیش آئے اور ایسی موت جو مجاہد کو دینِ اسلام کے لئے جہاد میں پیش آئے اور ایسی موت جو نیک انسانوں کی ہمدردی کے راستہ میں آجائے۔ اور ایسی موت جو بدکاریوں سے کنارہ کشی کی صورت میں آجائے۔ دریں صورت اگر زندہ رہوں گا تو پشیمان نہ ہوں گا اور اگر مر جاؤں گا تو حسرت نہ رہے گی۔

حُر حضرت امام حسین علیہ السّلام کے ہمراہ سفر کر رہا تھا کہ کوفہ کی طرف سے ایک تیز رَو قاصد آ پہنچا جس نے حُر پر سلام کیا اور امام حسینؑ کو سلام نہ کیا۔ اس کے پاس حُر کے نام ابن زیاد کا ایک خط تھا جس میں مرقوم تھا کہ میرا یہ آرڈر تجھے جہاں پہنچے۔ پس امام حسینؑ کو آگے جانے کی بالکل مہلت نہ دو اور ایک سنسان اور غیر آباد جنگل میں انہیں اُترنے پر مجبور کرو۔ حُر وہ خط امام کی خدمت میں خود لایا اور کہا کہ ابن زیاد کا قاصد یہ خط لایا ہے اور وہ خود ہمارے اُوپر نگران ہے کہ ابن زیاد

کے فرمودہ پر عمل ہوتا ہے یا نہیں اور وہ واپس جا کر ابن زیاد کو اطلاع دے گا۔
آخر کار آپ زمینِ کربلا میں فروکش ہوئے اور حر کا لشکر بالمقابل خیمہ زن ہوا۔

حُر کی توبہ

عبیداللہ ابن زیاد کی طرف سے عمر بن سعد بھی ایک لشکر کے ساتھ وارد کربلا ہوا اور پھر یکے بعد دیگرے لشکر پہنچتے رہے ابن سعد نے حر کو تمیم اور ہمدان کے لشکر پر افسر مقرر کر دیا۔ آخر کار جب عمر بن سعد نے امام حسینؑ کی تمام شرائط کو ٹھکرا دیا تو حر نہایت غمزدہ ہو کر ابن سعد کے پاس پہنچا اور کہا کیا تم لوگ حسینؑ سے جنگ کرو گے؟ تو ابن سعد نے جواب دیا کہ ضرور کریں گے۔ حُر نے کہا کیا حسینؑ کی کوئی خواہش قبول نہیں کی جا سکتی تاکہ معاملہ صلح پر ختم ہو جائے۔ ابن سعد نے جواب دیا اگر میرے بس کی بات ہوتی تو ضرور میں ایسا کر لیتا لیکن ابن زیاد راضی نہیں ہوتا۔ حر شکستہ خاطر واپس اپنے ٹھکانے پر پہنچا۔ قرہ بن قیس جو حر کے قبیلہ کا ایک آدمی ہے کہتا ہے حر نے مجھ سے دریافت کیا کہ تو اپنے گھوڑے کو پانی دے چکا ہے۔ میں نے کہا ہاں! تو حر نے کہا کہ پس اب گھوڑے کو پانی نہ پلاؤ گے۔ قرہ کہتا ہے کہ حر کی یہ بات سن کر میں سمجھ گیا کہ حر لڑائی سے گریز کر رہا ہے لیکن ہمیں اپنے راز سے آگاہ نہ کیا ورنہ میں ضرور اس کے ہمراہ امام حسینؑ کی خدمت میں چلا جاتا۔

حُر نے اپنی جگہ کو تھوڑا تھوڑا چھوڑنا شروع کر دیا کہ امام حسینؑ کی طرف نزدیک ہوتا جاتا تھا۔ مہاجر ابن اوس نے پوچھا حُر کیا ارادہ ہے۔ کیا حملہ کرنے کی نیت ہے تو حر نے کوئی جواب نہ دیا اور حر کے تمام بدن پر کپکپی اور لرزہ طاری تھا پھر مہاجر نے کہا اے حُر مجھے تیرے اوپر شک ہو رہا ہے۔ خدا کی قسم میں نے کسی جنگ میں تیری یہ حالت نہیں دیکھی اور اگر مجھ سے کوئی شخص دریافت کرتا تھا کہ کوفہ کا شجاع ترین انسان کون ہے؟ تو میں تیرا نام لیا کرتا تھا۔ بتاؤ جسم پر یہ لرزہ اور کپکپی کیسی ہے؟ حُر نے جواب دیا کہ میں اپنے آپ کو بہشت اور دوزخ کے درمیان دیکھ رہا ہوں اور خدا کی قسم اگر پارہ پارہ ہو جاؤں اور آگ سے جلایا جاؤں تو بہشت سے کنارہ نہ کروں گا پس گھوڑے کو تیز کر کے در جنت پر پہنچا۔ حُر کا سمند گھوڑا تازیانہ کا اشارہ پا کر ہوا سے باتیں کرتا ہوا ساقی کوثر کے قدموں میں پہنچا۔ ابن طاؤس سے منقول ہے۔ کہ اس وقت حُر کی آنکھیں برس رہی تھیں۔ دونوں ہاتھ سر پر دھرے تھے۔ اور منہ آسمان کی طرف کر کے عرض کر رہا تھا۔ اے پروردگار میں تیری طرف پلٹ آیا ہوں میری توبہ کو قبول فرما کیونکہ میں تیرے اولیاء کے دل اور تیرے پیغمبر کی ذریت کے جگر کو آزردہ کر چکا ہوں۔ خدمت عالیہ میں پہنچا اور سلام کیا۔ بعض روایات میں ہے کہ زمین پر اوندھے منہ گر گیا اور قدموں کی زمین کو بوسہ دیا۔ اور منہ خاک پر رکھ لیا۔ آپ نے فرمایا ذرا سر اٹھاؤ تو سہی دیکھوں تو کون ہے؟ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے

کو شرمندگی سے سر اور منہ لپیٹے ہوئے تھے۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حر کا بیٹا بھی حر کے ساتھ تھا۔

عرض کرنے لگا حضور: میرے باپ اور ماں آپ پر فدا ہوں میں حر بن یزید ریاحی ہوں۔ میں وہی ہوں جس نے مدینہ کی طرف جانے سے آپ کو روکا اور آپ کو مجبور کر کے یہاں لایا اور آپ کو کسی پناہ کی جگہ پر جانے دیا اور پھر سختی سے آپ کو اس جگہ پر اترنے کو کہا۔ خدا کی قسم مجھے گمان تک نہ تھا کہ یہ لوگ آپ کی امن کی خواہش کو رد کر دیں گے۔ اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا تو ہرگز یہ غلطی مجھ سے صادر نہ ہوتی۔ اب توبہ کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں اور اپنی جان کو فدیہ کر کے لایا ہوں کیا میری توبہ قبول ہو سکے گی؟ آپ نے فرمایا بے شک۔ خدا توبہ قبول کرنے والا ہے۔ حر یہ خوش خبری سن کر خوش ہوا اور سر کو زمین سے بلند کیا۔

پھر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ امام نے فرمایا گھوڑے سے اتر کر آرام کر لو۔ تو حر نے جواب دیا میرا گھوڑے پر رہنا میرے پیدل ہونے سے آپ کو زیادہ نفع دے گا لہٰذا مجھے معاف فرمایئے۔ آپ نے فرمایا جیسا تجھے مناسب معلوم ہو کرو۔ حر نے عرض کی اے فرزند رسولؐ! جب میں کوفہ سے نکلا تو میرے کان میں آواز پہنچی۔ اے حر تجھے جنت کی خوش خبری ہو۔ میں دل میں سوچتا تھا کہ فرزند رسولؐ سے لڑنے جا رہا ہوں اور پھر بشارت جنت یہ ناممکن ہے اب میں اس کا مطلب سمجھا ہوں کہ وہ بشارت درست تھی۔ امام نے فرمایا وہ حضرت خضر پیغمبر تھے جنہوں نے تجھ کو جنت کی بشارت دی تھی۔

بعض کتب میں ہے۔ کہ حر نے عرض کی آقا گذشتہ شب میں نے اپنے والد کی خواب میں زیارت کی۔ انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ تو ان دنوں کہاں تھا تو میں نے جواب دیا کہ فرزند رسول کا راستہ روکنے کے لئے گیا تھا، تو میرے باپ نے فریاد کی اور فرمایا بیٹا: تجھے فرزند رسول کے راستہ روکنے سے کیا واسطہ۔ ہاں اگر ہمیشہ کے لئے جہنم خریدنا چاہتا ہے تو بے شک حسینؑ کے ساتھ جنگ کرو۔ اور اگر بروز قیامت رسول کی شفاعت چاہتا ہے تو جا کر ان کی نصرت کرو۔ اور اس کے دشمنوں سے جہاد کرو۔ یہ کہہ کر گھوڑے کو جولان دیا اور فوج اشقیاء کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اور فرمایا اے قوم کیا تم حسینؑ کی کسی بات کو نہیں مانتے ہو تاکہ خدا تم کو بروز قیامت اس جنگ کے انجام سے محفوظ رکھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ عمر بن سعد جو فیصلہ کرے گا وہی قابل قبول ہوگا۔ پس عمر بن سعد کے پاس جا کر حر نے انہی باتوں کا اعادہ کیا۔ عمر نے جواب دیا کہ میں نے اس معاملہ میں بہت کچھ سوچ وبچار کی ہے اگر مجھے کوئی اور راستہ مل سکتا تو ضرور اس پر عمل کرتا۔ پس حر نے غصہ سے عمر کے ساتھ دوبارہ بات نہ کی اور فوج اشقیاء کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ تمہاری مائیں تمہارا ماتم کریں اس مرد صالح یعنی حسین علیہ السلام کو تم نے خود دعوت دی جب وہ تمہاری

دعوت کو مان کر تشریف لائے تو تم ان سے دور ہو گئے اور ان کے دشمنوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کر لیا حالانکہ تم ان کے ساتھ عہد و پیمان کر چکے ہو کہ ہم آپ کی نصرت میں جان و مال قربان کریں گے۔ اب غدر کر کے اُس کے قتل کے در پے ہو۔ اور اس کے سامنے راہ مسدود کر کے کسی اور جگہ بھی نہیں جانے دیتے۔ یہ پانی جس کو کتے، سور، یہود نصاریٰ اور مجوس تک استعمال کر رہے ہیں حسینؑ اور اس کی اہل بیت و اصحاب پر تم نے بند کر دیا ہے کہ وہ پیاس کے مارے جاں بلب ہیں۔ تم کیسی اُمت ہو کہ اپنے رسولؐ کی ذرّیت سے یہ سلوک کر رہے ہو۔ خدا تمہیں بروز قیامت سیراب نہ کرے اگر بے توبہ مر جاؤ۔

حُرؒ نے جب یہ کلام کیا تو اُنہوں نے اس کا جواب تیروں سے دیا پس حُرؒ واپس آ گیا۔ اس وقت ابن سعد خیمہ سے باہر نکلا اور اپنے غلام دُرَید سے کہا کہ علم فوج اُٹھا کر آگے بڑھو اور خود ایک تیر کمان میں رکھ کر خیام حسینؑ کی طرف مارا اور کہا اے لوگو، گواہ رہنا کہ میں پہلا شخص ہُوں جس نے خیام حسینی کی طرف پہلے تیر مارا ہے۔

مبارزۂ حُر

یہ سُن کر غیرتِ حُرؒ جوش میں آئی طبیعت میں تاب ضبط باقی نہ رہی۔ عرض کی اے فرزندِ رسولؐ۔ میں ہی وہ شخص ہوں جو پہلے پہل حضورؑ کے سامنے بے ادب ہوا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ میں ہی پہلا شخص بنوں جو آپ پر جان فدا کرے تا کہ سب سے پہلے سرخرو ہو کر روزِ محشر رسولِ خدا سے مصافحہ کروں۔ حُرؒ کو اجازت ملی اور شیرِ غضبناک کی طرح میدانِ کارزار کی طرف لپکا اور چند اشعار پڑھے جن کا مقصد یہ ہے۔ میں نے قسم کھائی ہے کہ اس وقت تک قتل نہ ہوں گا جب تک کہ دشمنانِ خدا کو قتل نہ کر لوں اور آج کے دن تمام زخم سینہ پر ہی لوں گا۔ میں ان کو تلوار شرربار سے ناقابلِ اصلاح زخم لگاؤں گا۔ نہ ان کے قتل سے مجھے سُستی لاحق ہو گی اور نہ ہراس۔ میں اپنے مولا حسینؑ کی حفاظت کی خاطر سب کچھ کروں گا اس سے کوئی چیز مجھے نہیں روک سکتی اور نہ اس سلسلہ میں مجھے کسی قیمت پر خریدا جا سکتا ہے۔ پس بادِ عاصف اور برقِ خاطف کی طرح لشکرِ اعدا پر حملہ آور ہوا۔ اور رجز یہ اشعار بھی پڑھتا تھا جن کا مقصد یہ ہے کہ میں وہ حر ہوں جو مہمانوں کی جائے پناہ تھا۔ میں تلوار سے تمہاری گردنیں اڑاؤں گا اور زمین کربلا پر نازل ہونے والے لوگوں میں بہترین انسان کی طرفداری میں تمہیں تلوار کا ذائقہ چکھاؤں گا اور اس میں مجھے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے۔

حُرؒ نے میدانِ کارزار میں وہ دادِ شجاعت دی کہ آزمودہ کارانِ حرب و ضرب کے حوصلے پست کر دیئے اور اتنی شدت سے حملہ کیا کہ فوج اشقیاء پر جان کے لالے پڑ گئے۔ زخموں کی کثرت سے حُرؒ کے گھوڑے کی کنپٹیوں سے خون کی

دھاریں جاری تھیں۔ کسی بدنہاد کو حر کے سامنے آنے کا یارا نہ تھا۔ حصین بن تمیم نے یزید بن سفیان نامی ایک شخص کو پکار کر کہا دیکھ یہ وہی حُر ہے جس کے قتل کی تیرے دل میں خواہش تھی۔ اب اس کے سامنے میدان میں کیوں نہیں جاتا ہو اس بے غیرت نے جوش کھا کر ہاں میں جواب دیا۔ جب حسینؑ کے لشکر میں حر کے ملنے کی اطلاع اس کو ملی تھی تو اس نے کہا تھا کہ اگر مجھے پتہ ہوتا کہ حر حسینؑ کی فوج کی طرف جا رہا ہے تو ایک تیر سے اس کا کام میں نے تمام کر دیا ہوتا۔ حصین نے اب اس کو وہی بات یاد دلائی پس یزید بن سفیان گھوڑا دوڑا کر حر کے مقابلہ میں آیا اور کہا کہ اے حر آیا مجھ سے لڑنے کی تجھے خواہش ہے۔ حر نے جواب دیا کہ ضرور، پس لڑائی شروع ہوئی تو حصین بن تمیم کہتا ہے خدا کی قسم ایسا ہی معلوم ہوا کہ یزید بن سفیان کی موت حر کے ہاتھ میں تھی پس چشم زدن میں ہی حر نے اس کو واصل جہنم کیا۔

ناسخ سے منقول ہے کہ حُر کی شجاعت سے عمر بن سعد گھبرا گیا۔ اس نے صفوان بن حنظلہ کو بلایا جو شجاعت و دلیری میں پورے لشکر میں شہرت رکھتا تھا اور کہا کہ تجھے ہی حر کے مقابلہ میں جانا چاہیے لیکن پہلے اس کے غیظ و غضب کو اپنی نصیحت آمیز باتوں سے ٹھنڈا کرنا اگر نہ مانے تو اس کے سر کو تن سے جدا کر دینا۔ عمر بن سعد کی یہ بات سن کر صفوان پورے ہتھیار لگا کر میدان میں حُر کے سامنے پہنچا اور کہنے لگا اے حُر تو نے ناسپاسی کی ہے کہ یزید خلیفہ کی اطاعت سے کنارہ کش ہو گیا ہے اور حسینؑ کے ساتھ جا ملا ہے۔ حُر نے جواب دیا۔ اے صفوان تو مجھے دانا معلوم ہوتا ہے لیکن تعجب ہے کہ تو بھی مجھے یہ کہتا ہے کہ حسینؑ کو چھوڑ کر شرابی اور بدمعاش یزید کا طرفدار ہو جاؤں ؟ صفوان نے غصہ سے بھر پور ہو کر حُر پر نیزہ کا وار کیا۔ حُر نے اس کا وار رد کر کے اس کے سینہ پُر کینہ پر ایسا نیزہ مارا کہ اس کی پشت سے جا نکلا۔ صفوان کو مقتول دیکھ کر اس کے تین بھائی جو شجاعت و شہامت میں سب ایک جیسے تھے اپنے بھائی کی موت سے بدحواس ہو کر انتقام لینے کے لئے یکبارگی حملہ آور ہوئے۔ حُر نے ان کے آتے ہی ایک کی کمر میں ہاتھ ڈالا اور اس کو گھوڑے کی زین سے کھینچ کر ایسے زور سے زمین پر مارا کہ اس کی ہڈیاں چور ہو گئیں اور راہی جہنم ہوا۔ اور دوسرے کو تلوار سے دو ٹکڑے کر دیا۔ تیسرے نے بھاگنے میں ہی اپنی بھلائی سمجھی اور بچ نکلنے کی کوشش کی لیکن حر نے سبقت کر کے اس کی پشت پر نیزہ مارا اور وہ بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ دربان دوزخ کا مہمان جا ہوا۔

حُر نے پھر نیام سے تلوار نکال اور شعلہ نار بن کر لشکر کفار پر حملہ آور ہوا۔ اور اس طرح جنگ کیا کہ دشمنان دین پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ سروں کو جسموں سے اڑاتا ہوا گھوڑے کے نیچے روندتا پچھاڑتا ہوا جس طرف سے گذرتا تھا۔ کسی کو تاب مقاومت نہ رہتی تھی کہ اس کی پیش قدمی کو روک سکتا۔ اب سوائے مکر و فریب کے حُر کو مغلوب کرنے کی ان کے پاس کوئی دوسری صورت نہ تھی۔ ایوب بن مسرح کہتا ہے کہ میں نے حر کے سمند گھوڑے کو میدان میں جولانی کرتے ہوئے دیکھا

تو ایک تیر کس کر اس طرح زور سے مارا کہ حر کے گھوڑے کے شکم میں جا لگا۔ گھوڑا پیچ و تاب کھا کر گرا تو حر بھی خانہ زین سے زمین پر جا پہنچا لیکن فوراً جان سنبھال کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا ابھی شیر کے ہاتھ میں تلوار موجود ہے۔ اگر گھوڑے سے گر گیا ہوں تو پروا نہیں کیونکہ نسب سے نہیں گرا ہوں اگرچہ تم نے میرے گھوڑے کو ناکارہ کر دیا ہے لیکن میں وہ جواں مرد ہوں کہ شجاعت اپنے باپ سے ورثہ میں پائی ہے جو ہمارے خون میں رچی ہوئی ہے اور ہماری شجاعت گھوڑے کی مرہونِ منت نہیں، بلکہ وہ تو ہمارے رگ و پے میں خون کی طرح جاری ہے۔

سید ابن طاؤس سے منقول ہے کہ حر نے شجاعت کے خوب جوہر دکھائے اور قوم اشقیاء میں سے چیدہ چیدہ بہادروں کو تہ تیغ کیا۔ جب اسی بدکردار کفار کو جو شجاعت کا دم بھرتے تھے فی النار کر چکا تو ابن سعد نے فوج میں آواز دی کہ حر کو تم اس طرح زیر نہ کر سکو گے بلکہ یکبارگی اس پر تیروں کی بوچھار کرو۔ چنانچہ ہر طرف سے تیر اندازوں نے تیر باری شروع کی۔ اور حر کو اس قدر تیر لگے کہ کوئی جگہ جسم کی خالی نہ رہی۔ حر نے جب یہ دیکھا تو غیرت کے مارے آنکھوں سے آنسو نکلے اور پھر بھی لڑائی سے جی نہ ہارا۔ آخر کار تاب نہ لا کر زمین پر گرا۔ اصحاب حسین فوراً پہنچے اور حر کی لاش کو اٹھا لائے۔ امام پاک نے حر کے چہرے سے بنفس نفیس خون صاف کیا اور فرمایا خدا کی قسم تیری ماں نے تیرا نام حر غلط نہیں رکھا تھا بلکہ تو دنیا و آخرت میں حر ہے اور پھر حر کی لاش پر خوب روئے اور اس کے لئے استغفار بھی کی اور معصوم نے حر کے متعلق یہ اشعار بطور مرثیہ کے کہے۔

لَنِعْمَ الْحُرُّ حُرُّ بَنِي الرِّيَاحِ ‏ ‏ صَبُوْرٌ عِنْدَ مُشْتَبَكِ الرِّمَاحِ

بہترین حر ہے حر بنی ریاح جو پے در پے نیزوں کے پڑنے پر صابر رہا

وَنِعْمَ الْحُرُّ اِذْ نَادٰی حُسَيْنًا ‏ ‏ فَجَادَ بِنَفْسِهٖ عِنْدَ الصَّبَاحِ

البتہ بہترین حر ہے جس نے حسین کو پکارا اور پہلے پہل اپنی جان کو قربان کیا

وَنِعْمَ الْحُرُّ فِيْ رَهَجِ الْمَنَايَا ‏ ‏ اِذِ الْاَبْطَالُ تَخْفِقُ بِالصِّفَاحِ

بہترین حر تھا موتوں کے غبار میں جب کہ بہادروں کے دل کانپ جایا کرتے ہیں

وَنِعْمَ الْحُرُّ اِذْ وَاسٰی حُسَيْنًا ‏ ‏ وَفَازَ بِالْهِدَايَةِ وَالْفَلَاحِ

بہترین حر تھا جب کہ حسینؑ کی نصرت کی اور ہدایت و کامرانی پر فائز ہوا

فَيَا رَبِّ اَضِفْهُ فِيْ جِنَانٍ ‏ ‏ وَزَوِّجْهُ مَعَ الْحُوْرِ الْمِلَاحِ

اے پروردگار جنت میں حر کو مہمان کر اور خوبصورت حوروں کو اس کی زوجیت عطا کر

بعض علماء اکابر کا یہ نظریہ ہے کہ حر جہاں شہید ہوا ہے وہیں دفن بھی ہوا ہے لیکن آغا ذبیح محلاتی فرماتے ہیں کہ حر

کی لاش کو اصحاب حسین وہاں سے اُٹھا کر لے گئے تھے اور حر کی آرام گاہ اس وقت کربلا سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ہے اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ لاشوں کی پامالی کے وقت حر کا قبیلہ لاش کو اُٹھا کر وہاں لے گیا تھا جہاں ان کے خیام تھے اور پھر وہیں دفن کر دیا گیا۔

حر کی قبر کا وہاں ہونا جس جگہ موجودہ زیارت گاہ بنی ہوئی ہے اس کی مزید تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے۔ جیسا کہ انوار نعمانیہ و دیگر کتب تاریخ سے منقول ہے کہ جب شاہ اسمٰعیل صفوی نے بغداد کو فتح کیا۔ اور عتبات عالیات کی زیارت سے مشرف ہوا تو کربلا میں حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی زیارت سے فارغ ہو کر حر کی قبر کا رخ کیا لیکن سُنا کہ لوگ حر کے بارے میں چہ میگوئیاں کرتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں شبہ ڈالتے ہیں کہ حر کی توبہ قبول نہیں ہو سکتی۔ شاہ اسمٰعیل نے حکم دیا کہ چونکہ شہید کا بدن بوسیدہ نہیں ہوا کرتا لہٰذا یہ شک ابھی دور کیا جا سکتا ہے۔ پس قبر کھودی جائے۔ جب قبر کھودی گئی، دیکھا تو حر کا بدن ترو تازہ اور اپنے مرقد میں اس طرح محو خواب تھا جیسے ابھی تازہ شہید ہوا ہو۔ اس کی لاش خون سے آلودہ تھی اور پیشانی پر رومال بندھا ہوا تھا۔ شاہ نے کہا غالباً یہ رومال مولا حسین نے ہی باندھا تھا اس کو کھول کر مجھے دو تاکہ بطور تبرک اس کو اپنے پاس رکھوں گا۔ لیکن جب رومال کھولا گیا تو تازہ خون جاری ہوا۔ دوسرا رومال باندھا گیا لیکن خون نہ رکا جب دوبارہ وہی رومال باندھا گیا تو خون فوراً رک گیا۔ پس لوگوں کا شک ختم ہو گیا اور اس کا خاتمہ بالخیر معلوم ہو گیا۔ پھر شاہ اسمٰعیل نے اس قبر پر روضہ تعمیر کرنے کا حکم دیا اور خدام بھی مقرر کیا۔

۴۱۔ حلاس بن عمرو راسبی

یہ شخص حضرت امیر علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھا اور جنگ صفین میں بھی حضرت کے ہمرکاب تھا۔ نیز آپ کے دورِ خلافت میں حلاس کوفہ کی انتظامیہ پولیس کا انچارج تھا۔ یہ اپنے بھائی نعمان کے ساتھ عمر بن سعد کے لشکر میں داخل ہو کر وارد کربلا ہوا تھا لیکن جب دیکھا کہ ابن سعد نے امام حسینؑ کی طرف سے پیش کردہ شرائط صلح ٹھکرا دی ہیں تو آٹھویں کی رات لشکر ابن سعد کو چھوڑ کر امام حسینؑ کے لشکر میں آگیا اور بروایت ابن شہر آشوب دونوں بھائی حملۂ اولیٰ میں شہید ہو گئے۔

امام حسین علیہ السلام نے صلح کے لئے یہ شرائط پیش کی تھیں کہ اولاً تو مجھے واپس مدینہ جانے دیا جائے اور اگر یہ نہیں تو مجھے کسی اور طرف جانے کی اجازت ہو تاکہ عام مسلمانوں کی طرح زندگی کے دن پورے کروں لیکن ابن سعد نے بحکم ابن زیاد کسی بات کو تسلیم نہ کیا۔

•••••‡•••••

۴۲ ۔ حنظلہ بن اسعد شبامی

زیارتِ ناحیہ اور رجبیہ میں اس پر سلام وارد ہے۔ اہلِ تاریخ نے اس کو مشہور بہادروں اور نامور شجاعوں میں شمار کیا ہے یہ شخص اکابرِ شیعہ میں سے تھا۔ فصیح اللسان قاریِ قرآن تھا۔ کوفے سے امام عالی مقام کا ورودِ کربلا میں سن کر حاضرِ خدمت ہوا تھا۔ جب تمام یار و انصار راہِ خدا میں کام آ گئے تو یہ بزرگوار سینہ تان کر امام کے سامنے کھڑا ہو گیا اور ہر تیر و تلوار اور نیزہ کو اپنے جسم پر لیتا رہا تاکہ امام پاک کا جسمِ اطہر محفوظ رہے اور ساتھ ساتھ قومِ اشقیا کو وعظ و نصیحت بھی فرماتا رہا۔ آخرکار امام پاک سے اذنِ جہاد طلب کر کے میدانِ کارزار میں شیرِ غضبناک کی طرح قومِ اشقیا پر حملہ آور ہوا۔ اور کئی ملاعین کو تہِ تیغ کر کے راہیِ جنت ہوا۔

۴۲ ۔ حیان بن حارث

زیارت ناحیہ و رجبیہ میں اس پر بھی سلام وارد ہے۔ دیگر تفصیلی حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

۴۳ ۔ خالد بن عمرو بن خالد ازدی

بحارالانوار و دیگر کتبِ امامیہ سے اس کا میدانِ کربلا میں شہید ہونا منقول ہے۔

۴۴ ۔ خلف بن مسلم بن عوسجہ

مسلم بن عوسجہ کا ایک فرزند تھا جس کا نام خلف لکھا گیا ہے۔ ناسخ سے منقول ہے کہ جب مسلم بن عوسجہ شہید ہوا تو اس کا جوان سال فرزند خلف شیرِ غضبناک کی طرح میدان کی طرف بڑھا لیکن جب حضرت حسین علیہ السلام نے دیکھا تو فرمایا اے جوان تیرا باپ شہید ہو چکا ہے اگر تو بھی شہید ہو جائے تو تیری ماں کا اس جنگل بے آب و گیاہ میں کون سہارا ہو گا اور وہ کس کی پناہ میں زندگی کے دن گزارے گی؟ امام عالی مقام کا یہ کلام سن کر لڑکے نے واپس پلٹنے کا ارادہ کیا تو اس کی ماں اپنے خیمہ سے یہ ماجرا دیکھ رہی تھی چادر اوڑھ کر باہر آئی اور فرزند کے رستہ میں کھڑی ہو گئی پھر کہنے لگی اے فرزند تو اپنے نفس کی حفاظت کے لئے فرزندِ رسول کی نصرت سے گریز کر رہا ہے۔ تیرے اس طرزِ عمل سے میں ہرگز راضی نہ ہوں گی۔ ماں کے یہ کلمات سن کر دوبارہ میدان کی طرف پلٹا اور ماں پیچھے سے پکار پکار کر کہہ رہی تھی، شاباش بیٹے۔ ابھی ساقیِ کوثر کے ہاتھ سے تجھے سیرابی ہو گی۔ اور وہ بھی جان توڑ کر جہاد میں مشغول تھا حتی کہ تیس ملاعین کو فی النار کیا اور آخرکار جامِ شہادت نوش کیا۔ بدنہاد کوفیوں نے اس کا سر

تن سے جدا کر کے اس کی ماں کی طرف پھینک دیا۔ اس باہمت خاتون نے بیٹے کے سر کو اٹھا لیا اور اس کو بوسہ دیا اور پھر خوب روئی جس سے کہرام ماتم بپا ہوا۔ فرسان الہیجاء۔ محرق القلوب صفحہ ۱۱۔

۴۵۔ داؤد بن طرماح

امام عالی مقام نے عالم تنہائی میں آخری استغاثہ کے وقت اپنے جن جن صحابہ کو نام لے کر پکارا ہے اُن میں سے ایک یہ بھی تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی سر برآوردہ جاں نثاروں اور بلند مرتبہ فداکاروں میں سے تھے ورنہ امام پاک ایسے آڑے وقت میں ان کو مخصوص اصحاب میں شمار نہ فرماتے۔ لیکن اس کے علاوہ تاریخ ان کے مزید حالات کا پتہ نہیں دیتی۔

۴۶۔ رافع بن عبداللہ

یہ شخص مسلم بن کثیر ازدی کا غلام تھا کوفہ سے نصرتِ حسین کی خاطر کربلا میں آیا۔ روزِ عاشور جب لڑائی کی آگ گرم ہوئی تو اس کا آقا مسلم حملہ اولیٰ میں شہید ہو گیا اور یہ خود بعد از ظہر جنگ کر کے ایک کثیر جماعت کو فی النار کرنے کے بعد کثیر بن شہاب تیمی اور مخفر بن اوس ضبی کے ہاتھوں درجہ شہادت پر فائز ہوا۔

۴۷۔ ربیعہ بن خوط صحابی

ابن عساکر سے منقول ہے کہ اس کو صحبت جناب رسالت مآب کا شرف بھی حاصل تھا اور پھر حضرت امیر علیہ السلام کی فوج ظفر موج میں بھی یہ شامل رہا اور کوفہ میں سکونت پذیر رہا یہاں تک کہ کربلا میں درجۂ شہادت پر فائز ہوا۔

۴۸۔ رجل خزیمی (قبیلہ خزیمہ کا ایک مرد)

اس کا نام معلوم نہیں۔ یہ شخص ابن سعد کی طرف سے امام پاک کی طرف پیغام لایا تھا اور یہ دریافت کرنے آیا تھا کہ آپ یہاں کیوں تشریف لائے ہیں۔ چونکہ یہ آلاتِ جنگ سے مسلح تھا۔ جب قریب پہنچا تو امام نے صحابہ سے دریافت کیا کہ اس کو تم پہچانتے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں اس کو ہم اہل خیر و صلاح سے پہچانتے تھے لیکن مقامِ تعجب ہے کہ اس لعین فوج میں یہ کس طرح شامل ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا اس سے ادھر آنے کی وجہ دریافت کرو۔ جب دریافت کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ میں امام سے ملنا چاہتا ہوں۔ زہیر بن قین نے کہا کہ اپنے آلاتِ جنگ اُتار دو اور پھر خدمتِ امام میں جاؤ۔ چنانچہ اس نے ہتھیار اُتار پھینکے اور خدمتِ اقدس میں پہنچ کر سلام عرض کیا اور حضرت کے ہاتھوں

اور پاؤں کا بوسہ لیا۔ اور پھر پوچھا کہ آپ یہاں کیوں تشریف لائے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کوفیوں نے مجھے خطوط و دعوت نامے بھیج کر بلایا ہے۔ اُس نے عرض کی اے فرزندِ رسولؐ! جن لوگوں نے آپ کو خطوط لکھے ہیں وہ اس وقت ابن زیاد کے مقرب ترین انسان ہیں۔ آپ نے فرمایا تم جاؤ اور میرا پیغام ابن سعد کو پہنچاؤ تو اس نے عرض کی۔ اے مولا وہ کون شخص ہے جو جنت کو چھوڑ کر جہنم کی طرف جائے بخدا میں تو آپ پر ہی جان فدا کروں گا۔ امام نے اس کے حق میں دعا کی پس یہ خدمتِ امام میں رہا۔ حتیٰ کہ درجہ رفیعہ شہادت پر فائز ہوا۔

۴۹۔ رُمَیث بن عمرو

زیارتِ رجبیہ میں اس پر سلام وارد ہے اس کے علاوہ اس کے تفصیلی حالات کا علم نہیں ہو سکا۔

۵۰۔ زاہر بن عمرو اسلمی صحابی

یہ شخص نہایت شجاع و دلیر اور دوست دارِ آلِ محمدؐ تھا۔ اس کو صحابیت کا شرف بھی حاصل تھا اور اصحاب شجرہ میں سے تھا۔ جنگِ حدیبیہ اور جنگِ خیبر میں جناب رسالت مآبؐ کے ہمرکاب تھا۔ اس کی کنیت ابو مجزاۃ ہے۔ اس کا بیٹا اسی سے روایات نقل کرتا ہے۔ یہ شخص کوفہ میں سکونت پذیر تھا اور عمرو بن حمق خزاعی کا ہم نشین تھا۔ ۶۰ھ میں مکہ گیا اور وہاں سے امام حسین علیہ السلام سے ملاقات کی اور ہمرکاب ہو گیا۔ اور حملۂ اولیٰ میں درجہ شہادت پر فائز ہوا۔ زیارتِ ناحیہ مقدسہ اور زیارتِ رجبیہ میں اس پر بالخصوص سلام وارد ہے۔

عمرو بن حمق خزاعی وہ شخص ہے جس کو جناب رسالت مآبؐ نے جنت کی خوشخبری دی تھی اور حضرت امیر علیہ السلام کے خاص الخاص تلامذہ میں سے تھا اور حجر بن عدی اور یہ ایک ہی گروہ کے افراد تھے جو زیاد کے زمانِ حکومت میں مسجد کوفہ میں بیٹھ کر حضرت علیؑ کے فضائل سناتے تھے۔ پس زیاد نے ان کو منتشر کر دیا۔

بروایت طبری ایک مرتبہ زیاد منبر پر خطبہ پڑھ رہا تھا کہ عمرو بن حمق نے اس کی طرف چند سنگریزے پھینکے اور زاہر بن عمرو نے بھی ایسا کیا کیونکہ یہ دونو باہمی ساتھی تھے اور ایک دوسرے کے قول و فعل میں شریک تھے۔ ایک شخص بکر بن عبید نے اٹھ کر ایک عمود عمرو بن حمق کے سر پر مارا کہ وہ گر گیا۔ پس اس کے قبیلہ نے اس کو فوراً اٹھا لیا اور عبید اللہ بن مالک کے گھر میں اس کو پوشیدہ کر دیا اور اسی حالت میں کافی عرصہ گذر گیا۔ یہاں تک معاویہ نے زیاد کو لکھا کہ عمرو بن حمق اور زاہر بن عمرو اسلمی دونو کو گرفتار کر کے میری طرف شام بھیج دو۔ زیاد نے ہر چند کوشش کی لیکن ان کا کہیں سراغ نہ لگا سکا۔ آخر کار

یہ دونوں کوفہ سے خفیہ طور پر نکل کھڑے ہوئے اور موصل کے قریب ایک غار میں پوشیدہ ہو گئے۔ جب موصل کے عامل کو پتہ چلا تو اس نے ایک فوج ان کی تلاش کے لئے روانہ کی۔ عمرو بن حمق میں تو فرار کی طاقت نہیں تھی۔ البتہ زاہر گھوڑے پر سوار ہوا اور یہ طاقتور انسان تھا۔ عمرو نے پوچھا کیا خیال ہے؟ تو زاہر نے جواب دیا کہ میں ان سے لڑوں گا۔ عمرو بن حمق نے کہا: تیرے لڑنے سے ہمیں فائدہ کوئی نہ ہوگا بس تو اپنی جان بچا کر بھاگنے کی کوشش کر۔ پس زاہر نے گھوڑا دوڑا دیا اور ان کے بیچ سے نکل گیا۔ انہوں نے سمجھا کہ عمرو بن حمق یہی تھا پس جب انہوں نے عمرو کو گرفتار کیا اور پوچھا کہ تو کون ہے؟ تو جواب دیا کہ میں وہ ہوں کہ اگر مجھے چھوڑ دو گے تو تمہارے لئے بہتر ہوگا اور اگر مجھے قتل کرو گے تو اس کا نقصان تمہیں زیادہ ہوگا۔ آخر کار بتایا کہ میں عمرو ہوں پس اس کو عامل موصل کے پاس لے گئے جس کا نام عبدالرحمٰن بن عثمان ثقفی تھا اور کنیت ابن ام الحکم تھی اور معاویہ کا بھانجا تھا اس نے عمرو بن حمق کا سارا قصہ معاویہ کو لکھا۔ معاویہ نے واپسی جواب دیا کہ یہی عمرو بن حمق کہتا ہے کہ میں نے عثمان کو نیزہ کے نو زخم لگائے تھے لہٰذا تو اس کو اس کے فعل کی سزا دے اور اس سے وہی برتاؤ کر جو اس نے عثمان سے کیا تھا۔ چنانچہ جب اس کو دوسرا نیزہ مارا گیا تو اس کی روح پُرفتوح قفس عنصری سے پرواز کر کے بہشت بریں میں جا پہنچی۔

لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو معاویہ کے پاس بھیج دیا گیا لیکن وہ معاویہ کی بندش سے نکل کر بھاگ گیا اور جزیرہ کی طرف چلا گیا اور اس کے ہمراہ زاہر بن عمرو بھی تھا۔ جب ایک وادی میں رات کے وقت انہوں نے قیام کیا تو وسط رات میں ایک سانپ عمرو کو کاٹ گیا جب صبح ہوئی تو اس کا بدن سانپ کی زہر سے کافی متاثر ہو چکا تھا۔ زاہر کو فرمایا کہ تو اب مجھ سے دُور ہو جا کیونکہ مجھے آقا جناب رسالتمآب نے خبر دی تھی کہ میرے خون میں جن و انس شریک ہوں گے۔ پس میں یہاں مقتول ہوں گا۔ جیسا کہ زہر کے اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وقت میری زندگی کا آخر ہے اور میں قریب المرگ ہوں۔ غالباً میرے دشمن کسی طرف سے میرے سر پر پہنچنے والے ہیں۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ تعاقب کرنے والی فوج کے گھوڑوں کے سر اور کان نظر آنے لگے۔ زاہر سے کہا کہ تم کہیں پوشیدہ ہو جاؤ۔ جب مجھے قتل کریں گے تو یقیناً میرا سر کاٹ کر لے جائیں گے جب چلے جائیں تو میرے باقی جسم کو دفن کر دینا۔ زاہر نے جواب دیا مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا بلکہ میں تو تیری نصرت سے ہاتھ نہ اٹھاؤں گا یہاں تک کہ تیرے ساتھ قتل ہوں گا۔ پھر عمرو بن حمق نے اپنی بات کو دُہرایا کہ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ ایسا مت کیجئے اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں تیرے لئے زیادہ فائدہ مند ہوگا۔ آخر کار زاہر نے عمرو کی بات مان لی۔ اور پوشیدہ ہو گئے ادھر سے فوج پہنچ گئی۔ عمرو کا سر کاٹ کر نیزہ پر سوار کیا گیا اور شہر بشہر پھراتے ہوئے شام لے گئے۔

زاہر نے عمرو بن حمق کو دفن کیا اور عمرو بن حمق کے مشورہ پر عمل کرنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ زاہر کو امام حسین کے قدموں میں شہادت کا شرف عطا ہوا۔ اسی کی اولاد میں سے محمد بن سنان زاہری ہے جس کا انتقال ۲۲۰ھ میں ہوا۔ اور اس نے امام

رضا علیہ السلام اور امام محمد تقی علیہ السلام ہر دو سے روایات نقل کی ہیں۔ اکثر علمائے امامیہ نے اس کو ثقہ اور صحیح الاعتقاد لکھا ہے

۵۱- زائدہ بن مہاجر

زیارت رجبیہ میں اس پر سلام وارد ہے۔ لیکن ناسخ سے منقول زیاد بن عصابر کندی ہے۔ جس نے لشکرِ اعداء پر حملہ کر کے نو افراد کو فی النار کیا اور پھر شہید ہوا۔ واللہ اعلم۔

۵۲- زہیر بن سلیم

زیارتِ ناحیہ مقدسہ میں اس پر سلام وارد ہے اور یہ روز عاشور حملہ اولیٰ میں درجۂ شہادت پر فائز ہوا۔

۵۳- زہیر بن سیار

زیارت رجبیہ میں اس پر سلام وارد ہے۔ باقی اس کے حالات نہیں مل سکے۔

۵۴- زہیر بن بشر خثعمی

زیارت ناحیہ میں اس پر سلام وارد ہے۔ حملہ اولیٰ میں شہید ہوا۔

۵۵- زہیر بن قین انماری بجلی

اپنے زمانہ کے نامی گرامی شہسواروں اور آزمودہ کار بہادروں میں سے تھے۔ نہایت فصیح و بلیغ خطیب اور امام عالمقام کے وفادار رفیق تھے۔ امام نے ان کو اپنے لشکر کے میمنہ پر متعین فرمایا تھا۔ امام کی فوج میں یہ شخص بڑا دلیر جری جنگجو اور بابصیرت سپاہی تھا۔ کسی بڑے سے بڑے حادثہ کو جرأت کے قدموں سے روند ڈالتا تھا اور اس کے قول و عمل سے شجاعت ٹپکتی تھی۔

زہیر پہلے عثمانی تھا۔ جب سنہ ۶۰ھ میں حج پر گیا تو واپسی پر حسینی بن گیا۔ زہیر کے سفر حج کا ایک ساتھی جو قبیلہ فزارہ سے تعلق رکھتا ہے بیان کرتا ہے کہ جب ہم مکہ سے عراق کا قصد کر کے نکلے تو بنی امیہ کے ڈر سے ہم نہ چاہتے تھے کہ امام حسینؑ کے قریب جائیں۔ پس اس سفر میں ہم امام حسینؑ سے دُور دُور رہے۔ جہاں سے وہ چلتے تھے ہم وہاں قیام کر لیتے تھے۔ ایک منزل پر چاروناچار ہمیں وہیں اُترنا پڑا جہاں امامؑ نزول اجلال فرما چکے تھے۔ لیکن امام کے خیام سے کچھ فاصلہ پر ہم نے اپنے خیام

نصب کرلئے۔ ہم کھانا کھانے میں مشغول ہوئے تو امام کا قاصد پہنچ گیا اور زہیر سے کہا کہ مجھے امام پاک نے تجھے بُلانے کے لئے بھیجا ہے۔ فزاری کہتا ہے یہ سُنتے ہی ہمارے ہاتھوں سے لقمے گر گئے اور گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھ گئے۔ اور اس پیغام کی دہشت سے ہم شل ہو گئے۔ زہیر کی زوجہ دیلم یا دلہم بنت عمرو نے زہیر سے کہا کہ یہ کونسی بات ہے کہ فرزند رسولؐ تجھے بُلائے اور تو سوچ میں پڑ جائے اس میں کیا مضائقہ ہے جا کر ان کی بات سُن لو اور پھر واپس آجاؤ۔ پس زہیر اُٹھا اور کچھ دیر کے بعد ہشاش و بشاش ہو کر واپس پلٹا اور حکم دیا کہ میرا خیمہ یہاں سے اکھاڑ کر اصحاب حسینؑ کے پاس نصب کر دو اور تمام مال و اسباب وہیں منتقل کر دو۔ اور کہا کہ میں اپنی عورت کو طلاق دے کر آزاد کرتا ہوں۔ پس اس کو اپنے اہل تک پہنچا دینا کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے اس کو کوئی تکلیف پیش آئے۔ اور یہ میری اور تمہاری آخری مُلاقات ہے اور کہا جب میں بلنجر کی لڑائی میں گیا (یہ علاقہ اب غالباً روس کے زیر اثر ہے) اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی تو سلمان بن ربیعہ باہلی نے کہا تھا کہ بے شک تم بہت خوش ہو لیکن جب تم جوانِ آلِ محمدؐ کے ساتھ مل کر جہاد کرو گے تو وہاں تم کو زیادہ خوشی و سُرور نصیب ہو گا۔ پھر ان کو وداع کیا اور خدمتِ امام میں پہنچا۔

بروایت اعثم کوفی۔ دیلم زوجہ زہیر نے زہیر سے کہا تھا میں تم سے جُدا نہیں ہوں گی تو اگر فرزند علیؑ کی غلامی کرے گا تو میں بنتِ رسولؐ کی نوکری کا شرف حاصل کروں گی۔ اور مقام میں ہے کہ زہیر کی زوجہ تا آخر زہیر کے ہمراہ رہی۔

جب ذوحسم میں پہنچے اور آپ نے ایک خطبہ بلیغہ ارشاد فرمایا جس میں موت پر آمادگی اور دُنیا کی بے وفائی اور زمانہ کے انقلابات کا تذکرہ فرمایا تو زہیر نے کھڑے ہو کر عرض کی آقا: ہم آپ کا مطلب سمجھ گئے ہیں۔ اگر ہمیں دنیا میں ہمیشہ کی زندگی ایک طرف مل جائے اور دوسری طرف تیری نصرت کا سوال ہو تو اس کو ٹھکرا کر تیری نصرت کریں گے۔ آپ نے اس کے حق میں دُعائے خیر کی۔ زہیر کے بعد نافع بن ہلال بجلی اور بریر بن خضیر یکے بعد دیگرے اُٹھے اور انہوں نے بھی زہیر کی طرح اپنی نصرت اور وفاداری کی یقین دہانی کرائی۔

جب حر کی فوج نے راستہ روکا تھا اس وقت زہیر نے عرض کی تھی حضور! اگر اجازت مرحمت فرمائیں تو ہم ان لوگوں سے ابھی نپٹ لیتے ہیں کیونکہ ان کے بعد جن لشکروں سے ہمیں واسطہ پڑے گا ان کا مقابلہ گراں تر ہو گا۔ امام نے فرمایا تھا کہ لڑائی کی ابتداء کرنا ہمارا شیوہ نہیں ہے۔

ابن شہر آشوب سے منقول ہے کہ زہیر نے عرض کی تھی کہ کربلا یہاں سے قریب ہے اور دریا کا کنارہ بھی ہے وہاں قیام کرلیں کیونکہ وہاں ہمیں کوئی تکلیف نہ ہو گی اور اگر لڑائی چھڑ گئی تو مقابلہ بھی ہمارے لئے آسان ہو گا۔ امام نے کربلا کا نام سُنا تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

نویں کے دن جب حبیب بن مظاہر نے حضرت عباس کی معیت میں جا کر اُن بد نہاد لوگوں کو کلماتِ نصیحت فرمائے اور حسین اور اس کی عیال و اصحاب کے قتل سے باز رہنے کی تلقین کی تو اُس وقت ایک شخص عزرہ بن قیس نے زبان درازی کرتے ہوئے حبیب سے کہا تو خود ستائی کر رہا ہے اور اس کے علاوہ بہت سخت سُست الفاظ بھی کہے۔ جو زہیر سے برداشت نہ ہو سکے فرمانے لگے۔ اے عزرہ حبیب کی خدا تعریف کرتا ہے اور خدا نے اس کو ہدایت کی نعمت کرامت فرمائی ہے۔ خدا سے ڈرو اور گمراہوں کا ساتھ چھوڑ دو۔ اور نفوس زکیہ کے قتل کے ارادہ سے باز آجاؤ۔ عزرہ بن قیس نے کہا اے زہیر! تو عثمانی تھا اب اس خانوادہ میں کیسے شریک ہو گیا؟ زہیر نے جواب دیا خدا کی قسم میں نے نہ حسینؑ کو کوئی خط لکھا ہے نہ کوئی ان کی طرف قاصد بھیجا ہے۔ اور نہ ان سے نصرت کا وعدہ کیا ہے۔ اتفاقاً راستہ میں ملاقات ہوئی۔ اور خدمتِ اقدس میں حاضر ہو گیا ہوں۔ میں نے رسولِ خدا کا تصور کیا اور حسینؑ کے رشتہ کا لحاظ کیا۔ پس ان کی نصرت کو اپنے اوپر واجب کر لیا تاکہ ان کا نانا بروز محشر میرا شفیع ہو۔ نیز رسولؐ خدا کی وصیت کا پاس میرے دل میں ہے جسے تم لوگ ضائع کر چکے ہو۔

شب عاشور امام عالی مقام نے اپنے باوفا اصحاب کے سامنے ایک خطبہ پڑھا جس میں حمد و ثنا پروردگار کے بعد فرمایا۔ خدا کی حمد ہے جس نے ہر سختی و نرمی کی حالت میں ہمیں عزت بخشی۔ ہمیں نبوت علم دین اور قرآن عنایت فرمایا۔ ہمیں معرفت کے ساتھ شکرگذار دل عطا کیا اور کسی کو ایسے اصحاب میسّر نہیں آئے جو میرے اصحاب سے زیادہ وفادار ہوں خدا تمہیں جزائے خیر دے تم کو یقین ہونا چاہیے کہ جو بھی میرے ساتھ رہے گا وہ کل میرے ہمراہ قتل ہو گا۔ اس لئے میں تمہاری گردنوں سے اپنی بیعت کو اٹھاتا ہوں اور تم جو کچھ میرے ساتھ عہد و پیمان کر چکے ہو ان کی وفا تم سے ساقط کرتا ہوں اب تم کو اجازت ہے کہ اس تاریک شب میں میرے اہل بیت میں سے ایک ایک کا ہاتھ پکڑ کر اس صحرا سے نکل جاؤ اور بے شک مجھے اکیلا چھوڑ جاؤ کیونکہ یہ لوگ صرف میرے ہی خون کے پیاسے ہیں۔ اب سفر کا وقت بھی موزوں تر ہے کیونکہ دن میں گرمی ہو گی اور رات کے پردہ میں کوئی دیکھنے والا بھی نہ ہو گا۔ ان لوگوں کو چونکہ صرف مجھ سے مطلب ہے اس لئے تمہارا تعاقب نہ کریں گے۔

امام کا یہ خطبہ سن کر اصحاب کے جسم پر رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ سب سے پہلے زہیر بن قین نے کھڑے ہو کر دست بستہ عرض کی اے فرزندِ رسولؐ! خدا کی قسم میرا ایسا ایمان ہے کہ ایک مرتبہ قتل ہوں پھر زندہ ہوں پھر قتل ہوں اور ہزار بار ایسا ہو تو مجھے کوئی پرواہ نہیں تاکہ آپ کو اور آپ کے عیال کو کوئی دکھ نہ پہنچے یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ آپ کو نرغۂ اعداء میں تنہا چھوڑ کر چلا جاؤں۔ اور خدا مجھے وہ دن نہ دکھائے جس دن میں ایسا کروں۔

بروایت ابومخنف۔ علی بن حنظلہ شامی۔ کثیر بن عبداللہ شعبی ملعون سے نقل کرتا ہے جو کہ زہیر کا قاتل ہے۔ کہ جب ہم لڑائی کے لئے کمربستہ ہوئے۔ ہم نے دیکھا کہ زہیر آلاتِ جنگ سے مسلح ہوکر گھوڑے پر سوار میدان میں آیا اور بآواز بلند یہ تقریر شروع کی۔ اے کوفیو! عذابِ خدا سے ڈرو۔ ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کا پہلا حق یہ ہے کہ اس کو نصیحت کرے ہم اور تم اب تک بھائی بھائی ہیں۔ ہمارا دین ایک اور ملت ایک ہے۔ جب تک کہ ہمارے درمیان تلواریں نہ چل جائیں اب میری نصیحت سنو اور تم نصیحت سننے کے سزاوار ہو ورنہ اگر تلوار چل گئی تو ہمارا اور تمہارا دینی رشتہ ختم ہوجائے گا۔ ہمارا دین الگ اور تمہارا دین الگ ہوجائے گا۔

خداوند کریم ذریت پیغمبرؐ کے ذریعہ سے ہمارا اور تمہارا امتحان کرتا ہے تاکہ رسولِ خدا کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے اس کی ذریت کی نصرت کون کرتا ہے؟ اور ان کے درپے آزار کون ہوتا ہے؟ میں تم لوگوں کو فرزند پیغمبرؐ کی نصرت کی دعوت دیتا ہوں۔ ابن زیاد شیطان کی اطاعت سے ہٹ جاؤ۔ تم لوگ سب جانتے ہو کہ یہ اور اس کا باپ زیاد پورے زمانِ حکومت میں سوائے خون ریزی کے دوسرا کوئی شغل نہیں رکھتے۔ کتنے نیک بندگانِ خدا کی انہوں نے آنکھیں نکلوا ڈالیں۔ اور کس قدر بزرگانِ دین کے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء کاٹ ڈالے اور ان کو سولی پر لٹکا دیا۔ حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کا حال دیکھو۔ ہانی اور اس کی مثل دوسرے قاریانِ قرآن کا قصہ یاد کرو جنہیں ان لوگوں نے اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا۔ زہیر جب یہاں تک پہنچا تو لشکرِ اعداء نے دشنام دینا شروع کیا اور زیاد اور ابن زیاد کی تعریفیں کرنے لگے اور کہا ہم حسین کو نہ چھوڑیں گے جب تک کہ اسے قتل نہ کردیں یا اسے قید کرکے ابن زیاد کے پیش نہ کریں۔

زہیر نے دوبارہ موجِ دریا کی طرح تقریر کو روانی دی اور فرمایا خدا کے بندو فرزند زہرا اولادِ سمیّہ کی بہ نسبت تمہاری نصرت کا زیادہ مستحق ہے۔ اور اگر اس کی نصرت نہیں کرسکتے تو کم از کم اس کے قتل سے باز آجاؤ۔ اور اس امر شنیع کا ارتکاب ہرگز نہ کرو۔ امام حسین اور یزید کے معاملہ میں دخل نہ دو۔ مجھے اپنی جان کی قسم وہ قتل حسین کے بغیر بھی تم سے راضی ہوگا۔

اس وقت شمر نے ایک تیر زہیر کی جانب پھینکا اور کہا خاموش ہوجا ہم تیری زیادہ باتوں سے تھک گئے ہیں۔ زہیر نے جواب دیا۔ اے گندیدہ عورت کا بیٹا جو اپنے پاؤں پر پیشاب کرتی ہے۔ میں تجھ جیسے خبیث سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا کیونکہ تیری حیثیت میرے نزدیک ایک عام حیوان سے زیادہ نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ تو قرآن کی دو آیتوں کو بھی صحیح سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ تجھے یوم قیامت کی ذلت اور دردناک عذاب کی بشارت ہو۔ اس نابکار نے جواب دیا کہ تیرا اور تیرے حسین کا انجام ایک گھنٹہ کے بعد قتل ہوگا۔ زہیر نے جواب دیا کیا تو ہمیں قتل کی دھمکی دیتا ہے۔ خدا کی قسم حسین کے قدموں میں قتل ہوجانا تجھ جیسے بدنہاد لوگوں کے ساتھ جینے سے مجھے بدرجہا محبوب تر ہے۔

پھر لشکرِ اعداء کی طرف رُخ کر کے با آوازِ بلند فرمایا۔ یہ بے حیا پاگل قسم کا انسان تمہیں دھوکا دے رہا ہے تاکہ تم کو دین سے بیگانہ کر دے۔ خدا کی قسم ذرّیت پیغمبرؐ کے قتل کرنے والے اور اس کے انصار کا خون بہانے والے یقیناً رسولِ خدا کی شفاعت سے محروم ہوں گے۔ بات یہاں تک پہنچی تھی کہ پیچھے سے امام علیہ السلام کے ایک صحابی نے آواز دی۔ اے زہیر امام عالی مقام تیرے حق میں فرماتے ہیں مجھے اپنی جان کی قسم تو نے مؤمنِ آلِ فرعون کی طرح قوم کو خوب نصیحت کی جس طرح نصیحت کرنے کا حق ہے اب واپس آجاؤ۔

حملۂ لشکرِ اعداء

عمرو بن حجاج زبیدی نے جب دیکھا کہ ابن سعد کے لشکر سے جو بہادر جاتا ہے وہ شیرانِ بیشۂ شجاعت کی شمشیر کا لقمہ ہو جاتا ہے تو اس نے آوازِ بلند سے طعن و طنز کے لہجہ میں کہا۔ اے بے عقلو! کیا تم ایسے لوگوں کا مقابلہ کرتے ہو جو شجاعت کے سینے سے دُودھ پی چکے ہیں اور تلواروں کے خون چوس چوس کر پلے ہیں۔ اگرچہ وہ تھوڑے ہیں اور تم زیادہ ہو لیکن اس طریق سے تم سب کو لقمۂ اجل کر کے وہ دَم لیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ یکبارگی حملہ کر دو اور ان پر پتھروں کی بارش کر دو۔ عمر سعد نے جب یہ بات سُنی تو اس کو بھی یہ رائے پسند آئی۔ پس عمرو بن حجاج نے فرات کی طرف سے امام حسینؑ کے میمنۂ لشکر پر حملہ کیا اور شمر بن ذی الجوشن نے میسرہ پر چڑھائی کی۔ انہوں نے پورے زور اور شدّت سے حملہ کیا۔ ادھر اصحابِ حسینؑ نے جوابی کارروائی میں مردانہ وار جوہرِ شجاعت دکھانے شروع کئے اس زور کی جنگ ہوئی کہ اژدہائے موت نے منہ کھولا۔ گرگِ ہلاکت دانت نکال کر سامنے آیا بہادروں کے روح لینے کے لئے اجل نے ہاتھ پھیلائے۔ اصحابِ حسینؑ نے ایک دوسرے سے بڑھ بڑھ کر اسی طرح جوش و سرور موت کے منہ میں جانا شروع کر دیا جس طرح نو بیاہتا نوجوان اپنی پوری امنگوں کو دامن میں لے کر حجرۂ عروسی کی طرف جاتا ہے۔ جب یہ مردِ میدان موت کو سینے سے لگانے کے لئے شیرِ غضبناک کی طرح گرجتے گرجتے ہوئے اپنی شرربار تلواریں میان سے نکال کر مصروفِ جنگ ہوئے تو ابن زیاد کی فوج کے میمنہ و میسرہ میں تمیز نہ رہی اور لشکرِ اعداء کی جمعیت درہم برہم ہو گئی۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر ابن سعد گھبرایا اور حصین بن نمیر کو بلا کر کہنے لگا پانچ سو تیر اندازوں کو حکم دو تاکہ فوجِ حسینؑ پر تیر باری کریں کیونکہ صرف تلوار کی لڑائی سے حسینی سپاہیوں کو مغلوب کر لینا ہمارے بس کا روگ نہیں۔ پس ایک طرف سے انہوں نے تیر اندازی شروع کر دی اور دوسری طرف سے شمر نے ایک دستہ فوج کی کمان کرتے ہوئے حسینی فوج پر حملہ کیا۔ لیکن حسینؑ کے سراپا وفا جانثار پوری پامردی سے ان کا مقابلہ کرتے رہے اور جو بھی آگے قدم بڑھاتا لقمۂ تیر بن کر

اس کو موت کے منہ میں دھکیل دیتے۔ لیکن وہ چونکہ زیادہ تھے اور یہ کم۔ لہٰذا اُن میں ہزاروں کی موت سے بھی کمی ظاہر نہ ہوتی تھی جس طرح کہ اس طرف ایک ایک کی موت نمایاں کمی کا موجب بنتی جا رہی تھی۔

فوج اعداء ادھر خیموں کے قریب آ پہنچی تھی۔ سادات کے بچوں میں نالہ و فریاد کی آوازیں بلند ہوئیں۔ اتنے میں شبث بن ربعی نے عمر سعد سے کہا تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے، پردہ داروں اور بچوں کے ستانے سے تجھے کیا حاصل ہوگا وہ بے حیا شرمندہ ہوا اور فوج کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا۔

اس حملہ میں امام حسین علیہ السلام کے پچاس جانباز کام آ گئے (غالباً اسی کو حملۂ اولیٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جس میں چیدہ چیدہ صحابہ حسینؑ نے جامِ شہادت نوش فرمایا) اور مروی ہے کہ جب زہیر نے پردہ داروں اور بچوں کے گریہ کی آوازیں سُنیں تو بجلی کی طرح قوم اعداء پر حملہ آور ہوا اور انہیں خیموں سے دُور بھگا دیا۔

شمر نے آواز دی کہ آگ لاؤ تاکہ خیام حسینؑ کو جلایا جائے۔ امام حسینؑ نے فرمایا اے شمر! کیا تو میری اہل بیتؑ کو جلانا چاہتا ہے۔ خدا تجھے جہنم کی آگ نصیب کرے۔ جب شمر کی بکواس زہیر کے کانوں میں پہنچی تو شیر ببر کی طرح شمر کے ساتھیوں پر حملہ آور ہوا۔ اور ابو عزرہ کو واصل جہنم کیا جو شمر کا ساتھی تھا۔

پھر حر بن یزید ریاحی اور زہیر نے مل کر حملہ شروع کیا۔ جب ان میں سے ایک لڑائی کو جاتا تھا اور اس کے سر پہ کچھ بن جاتی تھی تو دوسرا فوراً اس کی امداد کے لئے پہنچ جاتا اور ایک گھنٹہ تک دونوں اس طرح جنگ کرتے رہے۔ حرؑ جب شہید ہو گیا تو زہیر نے تنہا جنگ کیا اور چند اشعار بطور رجز زبان پر جاری کئے جن کا خلاصہ مطلب یہ ہے (میں زہیر ہوں اور قین کا بیٹا ہوں۔ اور میرے ہاتھ میں دو دھاری قاطع تلوار موجود ہے۔ میں تلوار کے زور سے تمہیں مولا حسینؑ کے قریب نہ آنے دوں گا۔ کیونکہ وہ نبی کے دو نواسوں میں سے ایک ہے۔ یہ علی کا فرزند ہے جس کے جد طاہر ہیں یہ عترت پیغمبر سے ہیں جو محسن اور بلا شک اللہ کا رسول تھا۔ میں اپنے امام سے تمہیں دُور رکھوں گا جو صادق الیقین ہے اور اپنے دین کی حفاظت کے لئے تمہیں تلوار کا مزہ چکھاؤں گا۔ تمہیں تلوار کا مزہ چکھانے میں مجھے کوئی عار نہیں اور میں تم کو وفادار غلام کی طرح تلوار ماروں گا۔ یہ کہہ کر بجلی کی طرح فوج اشقیاء کے قلب لشکر پر حملہ آور ہوا۔ اور دائیں بائیں جولان لگایا نامور اور آزمودہ کار ملاعین کو تہ تیغ کیا۔ بروایت بحار الانوار ایک سو بیس شجاعان کوفہ کو واصل جہنم کیا۔

بروایت ابو مخنف زہیر کی شہادت حبیب کی شہادت کے بعد واقع ہوئی۔ کیونکہ جب حبیب شہید ہوئے تھے تو روایت میں ہے کہ بَانَ الْاِنْكِسَارُ فِيْ وَجْهِ الْحُسَيْنِ۔ کہ حسینؑ کے چہرہ اطہر پر شکستگی اور گھبراہٹ کے آثار نمایاں ہو گئے۔ زہیر نے جب یہ حالت دیکھی تو عرض کی آقا! چہرہ اقدس پر یہ گھبراہٹ کے آثار کیوں ہیں۔ کیا

ہم حق پر نہیں ہیں؟ تو آپ نے فرمایا خدا کی قسم ہم حق پر ہیں تو زہیر نے عرض کی پھر ہمیں ذرہ بھر پرواہ نہیں کیونکہ ہم بہشت کی طرف جا رہے ہیں۔ پس زہیر نے امام سے اجازت طلب کی اور میدانِ کارزار کی طرف چند اشعار پڑھتا ہوا روانہ ہوا جن کا مقصد یہ ہے۔ آپ پر میرا نفس قربان ہو۔ اے حسینؑ کہ آپ ہادی و مہدی ہیں۔ آج میں شہید ہو کر آپ کے جد پاک پیغمبرؐ اور حسن مجتبیٰؑ، علی مرتضیٰؑ، جعفر طیارؑ شہید اور آپ کی والدہ ماجدہ جناب فاطمہ زہراؑ اور دیگر پاک بزرگواروں کی خدمت عالیہ میں پہنچنے کو تیار ہوں۔

پس دوبارہ باد تند کی طرح لشکرِ مخالف پر جا ٹوٹا اور خوب دادِ شجاعت دی کہ اچانک کثیر بن عبداللہ شعبی اور مہاجر بن اوس تمیمی نے جو موقعہ کی تاڑ میں تھے فرصت پا کر تلوار اور نیزہ سے اس پر حملہ آور ہوئے اور زہیر کو شہید کر دیا مولا حسینؑ نے زہیر کے حق میں فرمایا۔ خدا اپنے جوار سے تجھے دُور نہ کرے اور تیرے قاتلوں پر لعنت کرے۔ جس طرح ان لوگوں پر لعنت کی جنہیں بندروں اور سوروں کی شکل میں مسخ کر دیا۔

تذکرہ سبط ابن جوزی میں منقول ہے کہ زوجہ زہیر نے غلام کو کہا کہ جا کر اپنے آقا کو کفن پہناؤ۔ غلام زہیر نے جب حسینؑ کی لاش کو بے کفن دیکھا تو دل میں کہا خدا کی قسم یہ نہیں ہو سکتا کہ اپنے آقا کو کفن کروں اور حسینؑ کو بلا کفن چھوڑ دوں پس وہ کفن حسینؑ کے لئے قرار دیا اور زہیر کو دوسرا کفن دیا۔ (صفحہ ۲۱ اردو ترجمہ تذکرۃ الخواص)

۵۶ ۔ زوجہ عبداللہ بن عمیر کلبی

اس کا ذکر شہادتِ عبداللہ بن عمیر کلبی کے بیان میں آئے گا۔

۵۷ ۔ زوجہ وہب کلبی

اس کا ذکر وہب کلبی کی شہادت کے بیان میں آئے گا۔

۵۸ ۔ زیاد بن عریب صحابی

اس کی کنیت ابو عمر تھی اور قبیلہ ہمدان سے تھا۔ استیعاب و دیگر کتب میں ہے کہ اس کا باپ صحابی رسولؐ تھا اور اصابہ سے منقول ہے کہ عریب کا بیٹا بھی رسولؐ کی صحبت کا شرف رکھتا ہے جو میدانِ کربلا میں امام حسینؑ کے ہمرکاب شہید ہوا۔ رجال مامقانی سے منقول ہے کہ یہ شخص پرہیزگار اور شجاع تھا نیز تہجد گذار اور کثرتِ عبادت میں شہرت رکھتا تھا

۵۹۔ سالم مولیٰ بنی المدینہ

زیارتِ ناحیہ مقدسہ میں اس پر سلام وارد ہے۔ بنی المدینہ جو قبیلہ قلب کی ایک شاخ تھے۔ سالم ان کا غلام تھا اور انہوں نے اس کو آزاد کر دیا تھا۔ یہ شیعانِ کوفہ میں سے تھا۔ جب حضرت مسلم کوفہ میں تشریف لائے تو یہ ان کی بیعت میں داخل ہوا جب حضرت مسلم گرفتار ہو گئے تو کثیر بن شہاب ملعون نے ایک جماعتِ شیعہ کو گرفتار کیا تاکہ ابن زیاد کے پیش ان کو کیا جائے۔ اور سالم بھی انہی میں سے تھا لیں یہ کسی طریقہ سے جان چھڑا کر بھاگنے میں کامیاب ہو گیا اور اپنی قوم میں چھپا رہا۔ اور جب امام حسین علیہ السلام کی وردو کربلا کی خبر سُنی تو چھپ کر وہاں پہنچا اور حملہ اولیٰ میں درجۂ شہادت پر فائز ہوا۔

۶۰۔ سالم مولیٰ عامر بن مسلم

زیارت ناحیہ مقدسہ میں اس پر بھی سلام ہے۔ منتہی الامال سے منقول ہے کہ عامر بن مسلم اور اس کا غلام سالم شیعانِ بصرہ میں سے تھے، اور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔ یہ دونو اور سیف بن مالک۔ ادہم بن اُمیہ۔ یزید بن ثبیت اور اس کے دو نو بیٹے سب اکٹھے بصرہ سے نصرتِ امام حسینؑ کے لئے روانہ ہوئے تھے۔

۶۱۔ سعد مولیٰ عمرو بن خالد صیداوی

یہ شخص عمرو بن خالد صیداوی کا آزاد کردہ غلام تھا۔ جب کوفہ میں قیس بن مسہر صیداوی نے امام کا پیغام پہنچایا تو یہ شخص اپنے آقا عمرو دیگر ہمراہیوں کے ہمراہ امام کے ساتھ جا ملا اور روز عاشور شہید ہوا۔

۶۲۔ سعد بن بشر حضرمی

ناسخ التواریخ سے اس کا شہدائے کربلا میں سے ہونا مذکور ہے۔ حالات کی تفصیل کا کوئی علم نہیں۔

۶۳۔ سعد بن حارث

ابوالحتوف کے بیان میں گذر چکا ہے کہ سعد بن حارث اور یہ دونو بھائی خوارج میں سے تھے۔ عمر بن سعد کی فوج میں بھرتی ہو کر کربلا پہنچے۔ روز عاشور امام عالی مقام کے استغاثہ اور آل اطہار کی صدائے گریہ وزاری سے متاثر ہو کر تائب ہوئے

اور امام کی خدمت میں پہنچے پھر جہاد کر کے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ یہ قبیلہ عجلان سے تھے۔

۶۴۔ سعد بن حارث صحابی مولیٰ امیر المومنین ؑ

اصابہ سے منقول ہے کہ یہ شخص حضرت امیر علیہ السلام کا غلام تھا کوفہ میں حضرت امیر علیہ السلام کی طرف سے پولیس کا افسر مقرر تھا اور پھر آپ نے اس کو آذربیجان کا والی مقرر کیا تھا۔ اس کو جناب رسالت مآبؐ کی صحابیت کا شرف بھی حاصل تھا حضرت امیرؑ کے بعد امام حسنؑ کی خدمت میں رہا اور بعد میں امام حسینؑ کے ہمرکاب رہا اور بروایت مناقب روز عاشور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوا۔

۶۵۔ سعد بن حنظلہ تمیمی

نفس المہموم و منتہی الآمال سے منقول ہے کہ یہ شخص امام حسینؑ کے لشکر کے سربرآوردہ افراد میں سے تھا۔ روز عاشور مردانہ وار جہاد کر کے درجۂ شہادت پر فائز ہوا۔ لیکن اس کے مقتولین کی تعداد نہیں بیان کی گئی۔

۶۶۔ سعید بن عبداللہ حنفی

زیارت ناحیۂ مقدسہ میں اس پر سلام وارد ہے۔ اور قائم آل محمدؐ نے اس کی خدمات کو نہایت رفیع الفاظ میں سراہا ہے الفاظ زیارت کا ترجمہ یہ ہے۔ میرا سلام ہو سعید بن عبداللہ حنفی پر جس کو امام حسینؑ نے چلے جانے کی اجازت دی تھی لیکن اس نے جواب میں عرض کیا تھا خدا کی قسم ہم آپ کو تنہا نہ چھوڑیں گے۔ حتیٰ کہ ہم اللہ کے سامنے اپنا یہ عمل پیش کریں گے کہ ہم نے رسولؐ کے بعد اس کے ناموس کی حفاظت کی ہے۔ خدا کی قسم اگر میں جان لوں کہ قتل ہو جاؤں گا اور پھر زندہ ہوں گا پھر جلا یا جاؤں گا۔ پھر ہوا میں میرے ذرات کو پراگندہ کیا جائے گا اور میرے ساتھ ستر مرتبہ یہ سلوک کیا جائے گا۔ تب بھی آپ سے جدا نہ ہوں گا۔ اور آپ پر جان قربان کروں گا۔ اور اب آپ کو کیوں چھوڑ جاؤں جب کہ مجھے علم ہے کہ صرف ایک دفعہ ہی قتل ہونا ہے۔ اور اس کے بعد دائمی اور سرمدی با عزت زندگی ہوگی جس کے لئے کوئی فنا نہ ہوگی خدا ہمیں آپ کے ہمراہ شہداء میں جگہ دے اور ہمیں اعلیٰ علیین میں آپ کی رفاقت کرامت فرمائے۔

شب عاشور جب امام نے اپنے صحابہ کو خطبہ دیا تھا اس میں فرمایا تھا کہ میں تم سے بیعت کو اٹھاتا ہوں اور اس رات کی تاریکی میں جہاں تمہارا جی چاہے چلے جاؤ تو اس وقت سعید نے یہ جواب دیا تھا جو اوپر بیان ہو چکا ہے۔

منتہی الآمال سے منقول ہے کہ یہ شخص خصوصی شیعانِ امیرؑ سے تھا۔ شجاع مرد میدان اور نہایت عبادت گذار تھا

کوفیوں کی جانب سے آخری خط و دعوت نامہ یہی سعید مکہ میں لایا تھا جو اشراف کوفہ کی طرف سے لکھا گیا تھا۔ حضرت نے اس دعوت نامہ کا جواب لکھ کر سعید کو دیا اور یہ واپس آیا اور حضرت نے پھر امیر مسلم کو روانہ فرمایا تھا۔ جب لوگوں نے امیر مسلم کی بیعت کی اور حضرت مسلم نے ان کی ظاہری وفاداری کے جذبات ملاحظہ فرمائے تو پھر اسی سعید بن عبداللہ حنفی کو خط لکھ کر دیا تاکہ امام عالی مقام کی خدمت میں واپس کر پہنچائے چنانچہ امیر مسلم کا خط مکہ میں لایا اور امام کے ہمراہ وہاں سے روانہ ہوا۔ اور آخر دم تک ہمرکاب رہا۔

کتب مقاتل سے منقول ہے کہ جب نماز ظہر کا وقت آیا اور نماز کی مہلت حاصل کی گئی تو ان بے حیاؤں نے جنگ بند نہ کی۔ جب امام نماز میں مشغول ہوئے تو انہوں نے تیر برسانے شروع کر دئے۔ سعید بن عبداللہ نے جب یہ حالت دیکھی تو ڈھال بن کر امام کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ جس طرف سے کوئی تیر آتا تھا تو سعید اپنا جسم پیش کرتا تھا۔ اور اپنے سر سینہ منہ اور ہاتھوں پر ہر آنے والے تیر کو روکتا تھا۔ اور کسی تیر کو امام کی طرف نہ جانے دیتا تھا۔ اور یہی کہتا تھا اے پروردگار! تو ان لوگوں پر قوم عاد و ثمود کی طرح لعنت کر اور اپنے نبی کی خدمت میں میرا سلام پہنچا اور یہ کہ میں جو کچھ زخموں کی تکلیفیں برداشت کر رہا ہوں، یہ سب کچھ تیرے نبی زادے کی نصرت میں تیری خوشنودی ہی کی خاطر کر رہا ہوں۔ امام نے نماز ختم کی تو سعید میں زخموں کی کثرت کی وجہ سے تاب نہ رہی زمین پر گر پڑا۔ اور خدمت امام میں عرض کی۔ اے فرزند رسولؐ کیا میں نے اپنے عہد کی وفا تو کی ہے؟ آپ نے فرمایا بے شک، اور تو میرے آگے آگے بہشت میں داخل ہوگا۔

منتہی الآمال سے منقول ہے کہ نیزہ و شمشیر کے علاوہ سعید کے بدن میں تیرہ تیر لگے ہوئے تھے۔

۶۷۔ سلمان بن مضارب

یہ زہیر بن قین کا چچازاد بھائی تھا جس وقت وہ امام کی خدمت میں آیا تھا اُس وقت سے یہ بھی امام کے ہمرکاب ہو گیا تھا۔ اور روز عاشور درجہ رفیعۂ شہادت پر فائز ہوا۔

۶۸۔ سفیان بن مالک

زیارت رجبیہ میں اس پر سلام وارد ہے اس کے علاوہ اس کے حالات کا کوئی علم نہیں۔

۶۹۔ سلیمان بن سلیمان ازدی

صرف زیارت رجبیہ میں اس پر سلام وارد ہے۔

۷۰۔ سلیمان بن کثیر

زیارتِ رجبیہ میں اس پر بھی سلام وارد ہے۔

۷۱۔ سوید بن عمرو

زیارتِ رجبیہ میں اس پر سلام وارد ہے۔ یہ بزرگ سن رسیدہ اور نہایت عبادت گذار تھا۔ متعدد جنگوں میں حاضر ہو کر کافی تجربہ رکھتا تھا۔ اپنے دَور میں شجاعت کے لحاظ سے بے نظیر تھا۔ روز عاشور جب بشر بن عمرو حضرمی کی شہادت ہو چکی تو یہ میدان کی طرف بڑھا اور آخر کار زخمی ہو کر گر گیا۔ لوگوں نے اس کو مقتول سمجھ کر چھوڑ دیا تھا۔ جب امام حسینؑ کے قتل کی آوازیں بلند ہوئیں تو اس نے ہوش سنبھالا لیکن دشمن چونکہ اس کی تلوار لے چکے تھے۔ اس کے پاس ایک چھری موجود تھی جس کو چھپائے ہوئے تھا۔ پس وہ چھری ہاتھ میں لے کر مشغول جنگ ہوا۔ بہت سے لوگ اس پر ٹوٹ پڑے۔ بالآخر عروہ بن بکار تغلبی اور زید بن ورقا جہنی نے اس کو شہید کیا۔

۷۲۔ سوار بن منعم ہمدانی

یہ شخص ایام صلح میں امام کی خدمت میں پہنچ چکا تھا اور حملہ اولیٰ میں جنگ کر کے زخمی ہو گیا تھا اس کو اسیر کر کے عمر سعد کے پاس لے گئے۔ اس نے قتل کرنا چاہا لیکن اس کے ہم قبیلہ لوگوں نے سفارش کی پھر ان کے پاس رہ کر انہی زخموں کی وجہ سے چھٹے ماہ میں اس کی وفات واقع ہوئی۔ زیارتِ ناحیہ مقدسہ میں اس پر سلام وارد ہے۔

۷۳۔ سیف بن حارث

سیف بن حارث اور مالک بن عبداللہ دونوں چچا زاد تھے اور مادری بھائی بھی تھے۔ روتے ہوئے امام کی خدمت میں پہنچے آپ نے فرمایا اے میرے برادر زادے روتے کیوں ہو مجھے اُمید ہے ایک گھنٹہ کے بعد تمہاری آنکھیں روشن ہوں گی۔ عرض کرنے لگے ہماری دعا ہے کہ خدا ہم کو آپ کا فدیہ قرار دے۔ خدا کی قسم ہم اپنی جان کی خاطر نہیں رو رہے بلکہ روتے اس لئے ہیں کہ آپ نرغۂ اعدا میں گھر چکے ہیں اور ہم آپ کو بچا نہیں سکتے۔ آپ نے ان کے حق میں دعا فرمائی پس دونو اذن لے کر میدان میں گئے اور جہاد کر کے شہید ہو گئے۔

۷۴۔ سیف بن مالک عبدی

یہ بصرہ کا رہنے والا ہے۔ بصرہ سے روانہ ہو کر مکہ میں امام کا ہمرکاب ہوا تھا اور روزِ عاشور درجۂ شہادت پر فائز ہوا۔ زیارت ناحیہ مقدسہ میں اس پر سلام وارد ہے۔ نیز حملۂ اولیٰ میں اس کا شہید ہونا مذکور ہے۔

۷۵۔ شبیب بن جراد کلابی

مردِ شجاع و دلیر اور کوفہ کے نامی گرامی بہادروں میں سے اس کا شمار تھا اور شیعانِ امیرالمومنین علیہ السلام میں سے تھا کافی لڑائیوں میں دادِ شجاعت دے کر نام پیدا کر چکا تھا خصوصاً جنگِ صفین میں اس نے خوب جوہرِ شجاعت دکھائے تھے جب امیر مسلم کوفہ میں تشریف لائے تھے تو اس نے بیعت کی تھی اور لوگوں سے امام حسینؑ کے لئے بیعت لیتا تھا۔ انجام کار لشکرِ ابن سعد میں شامل ہو کر کربلا میں پہنچا اور نویں کے دن تک اسی لشکر میں رہا۔ جب نویں کی عصر کو ابن زیاد کی طرف سے پیغام پہنچا کہ اگر حسینؑ یزید کی بیعت کو قبول نہ کرے تو اس کے ساتھ جنگ کی جائے۔ پس شبیب نے سمجھا کہ اب صلح کی کوئی صورت نہیں رہی لہٰذا دسویں کی رات کو امام حسینؑ کے لشکر میں شامل ہو گیا۔ رات کو حضرت ابوالفضل اور ان کے بھائیوں کے ہاں مہمان رہا کیونکہ جناب امّ البنین والدہ حضرت ابوالفضل انہی کے خاندان سے تھیں۔ جب صبح عاشور لڑائی کی آگ بھڑک اٹھی تو یہ میدانِ کارزار میں لڑ کر شہید ہو گیا اور بعض کہتے ہیں کہ حملۂ اولیٰ میں درجۂ شہادت پر فائز ہوا۔

۷۶۔ شبیب بن عبداللہ بن حارث صحابی

بے دھڑک دلیر اور غضب کا شجاع تھا۔ زیارت ناحیہ میں اس پر بھی سلام وارد ہے۔ یہ قبیلہ بنی جابر سے تھا جو قبیلہ ہمدان کی ایک شاخ ہے۔ نیز اہلِ تاریخ نے اس کو صحابۂ رسولؐ میں سے شمار کیا ہے۔ جنگِ جمل، صفین اور نہروان میں حضرت امیر علیہ السلام کے ہمرکاب رہا اور میدانِ کربلا میں روزِ عاشور حملۂ اولیٰ میں درجۂ شہادت پر فائز ہوا۔

۷۷۔ شبیب بن عبداللہ نہشلی

یہ تابعین میں سے ہے اور حضرت امیر علیہ السلام کی تینوں لڑائیوں میں یعنی جمل، صفین اور نہروان میں حضرت امیر علیہ السلام کے ہمرکاب رہا۔ امیر علیہ السلام کی شہادت کے بعد امام حسنؑ کی خدمت میں اور پھر امام حسینؑ کی خدمت میں رہا تا این کہ واقعہ

کربلا میں شہید ہوا۔ زیارت ناحیہ اور زیارت رجبیہ دونوں میں اس پر سلام وارد ہے۔

۷۸۔ شوذب مولیٰ شاکر

چونکہ اس کی رہائش قبیلہ بنی شاکر میں تھی اس لئے اس کو مولیٰ شاکر کہا جاتا ہے ورنہ درحقیقت یہ ان کا غلام نہیں تھا۔ یہ شخص سربرآوردہ شیعانِ علی میں سے تھا۔ مشہور حفاظ حدیث اور نامی گرامی شہسوارانِ کوفہ میں سے اس کا شمار تھا۔ جناب امیرؑ سے بہت کچھ حدیثیں اس نے حفظ کی تھیں۔ شیعانِ کوفہ اس سے احادیث حاصل کیا کرتے تھے۔ نیز حضرت امیرؑ کے شجاع اور نامور جنگی سپاہیوں میں سے تھا۔

کوفہ سے حضرت امیر مسلم کا خط امام حسینؑ کی طرف مکہ میں لایا تھا اور پھر ہمرکاب امام کے رہا۔ بعض علماء شوذب کا مرتبہ عابس سے بلند سمجھتے ہیں۔ شیعانِ علیؑ میں اس شخص کی منزلت بہت بلند تھی۔ روزِ عاشور فیض شہادت سے مشرف ہوا۔ زیارتِ ناحیہ مقدسہ میں اس پر سلام وارد ہے۔ شوذب کا لغوی معنی لمبی قد والا اور خوش اخلاق بھی بتایا گیا ہے۔

۷۹۔ ضرغامہ ابن مالک

جس طرح ضرغام کا معنی شیر ہے اسی طرح بنا بر نقل مورخین کے یہ شخص اسم بامسمّیٰ تھا۔ بیشہ شجاعت کا شیر صف شکن شہسوار اور مشاہیر شیعانِ کوفہ میں سے تھا۔ حضرت مسلم کی بیعت میں داخل ہوا۔ جب لوگوں نے غداری کی تو یہ شخص عمر بن سعد کی فوج میں شامل ہو کر کربلا پہنچا اور اس بہانہ سے خدمتِ امام میں باریابی کا شرف حاصل کیا۔ بقول ابن شہر آشوب حملہ اولیٰ میں شہید ہوا۔ اور بقول ابو مخنف اس نے مردانہ وار حملہ کیا اور فداکارانہ جہاد کیا۔ یہاں تک کہ ساٹھ نامی شہسواروں کو واصلِ جہنم کر کے درجہ شہادت پر فائز ہوا۔

۸۰۔ ضبیعہ بن عمر

زیارتِ رجبیہ میں اس پر سلام وارد ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص شہدائے کربلا میں سے ہے۔

۸۱۔ طرماح بن عدی

آپ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے خصوصی صحابہ میں سے تھے جسیم قدآور ادیب فصیح متکلم قادر الکلام اور نہایت

حاضر جواب تھے جب آں حضرت کوفہ میں تشریف فرما ہوئے تو معاویہ نے آپ کی طرف گستاخانہ لہجہ میں ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ (معاذ اللہ) آپ نے کتاب و سنّت کی مخالفت کی ہے اور طلحہ و زبیر ایسے صحابہ کو قتل کیا ہے جن پر رسولِ خدا کو ناز تھا اور اُمّ المومنین سے جنگ کیا اب میں اس کا بدلہ لینے کے لئے تیار ہوں لہٰذا آپ جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔ حضرت امیر علیہ السلام نے اس خط کو پڑھا اور قلم و دوات طلب فرمائی اور خط تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط عبدِ خدا اور عبدِ خدا کے فرزند علی بن ابی طالب امیر المومنین برادرِ رسول شوہر بتول ابوالسبطین الحسن والحسین کی جانب سے معاویہ بن ابی سفیان کی طرف ہے۔ اما بعد۔ میں وہ ہوں جس نے جنگ بدر میں تیری قوم کے بڑے بڑوں کو تہ تیغ کیا۔ تیرے دادا چچا اور ماموں کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ ان کا خون پینے والی تلوار آبدار اب بھی میرے پاس موجود ہے۔ میرے ہاتھ اور بازو میں اس کے اُٹھانے کی قوت موجود ہے۔ جس طرح رسُول خدا نے اُس کو میرے ہاتھ میں دیا۔ ساتھ نصرت میرے پروردگار کے۔ جس طرح میں نے اللہ کے علاوہ کسی کو پروردگار نہیں سمجھا اور حضرت محمدؐ کے بدلہ میں کسی اور کو نبی نہیں تسلیم کیا اسی طرح میں نے اس تلوار کے بدلہ میں کوئی دوسری تلوار نہیں لی تو بے شک اپنی جان توڑ کوشش کر اور اس میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کر تیرے اُوپر شیطان کا تسلّط ہے اور تجھے جہالت اور سرکشی نے منبر طالحواس کر دیا ہے

وَسَيَعۡلَمُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَىَّ مُنۡقَلَبٍ يَّنۡقَلِبُوۡنَ۔

پس خط کو بند کیا اور طرماح بن عدی کو بُلا کر اس کے سپُرد فرمایا۔ اپنے ہاتھ مبارک سے اس کو عمامہ باندھا اور نہایت تیز رَو سُرخ رنگ کے اُونٹ پر سوار کر کے رُخصت کیا۔ طرماح نے مثل شہباز پرواز کر کے منزل دُور دراز کو تھوڑے عرصہ میں طے کرتے ہوئے باطل و شر کے پایۂ تخت دمشق میں جا دم لیا۔ معاویہ کے دربانوں سے معاویہ کے مخصوص ہم نشینوں کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے پُوچھا کہ تیری مراد کن لوگوں سے ہے؟ جواب دیا کہ ابوالاعور اسلمی ابوہریرہ دوسی مروان بن حکم اور عمرو عاص سے ملنا چاہتا ہوں۔ دربان نے جواب دیا وہ باب الخضراء کے قریب ایک باغ میں تفریح کے لئے گئے ہوئے ہیں پس طرماح نے اس طرف کا قصد فرمایا۔ جب وہاں پہنچا تو وہ لوگ دروازہ پر موجود تھے۔ ان لوگوں نے اس کو دیکھتے ہی آپس میں مشورہ کیا کہ ایک لمبی قد کا بدوی شخص اس طرف آ رہا ہے آؤ اس کے ساتھ کوئی مذاق کریں انہیں یہ کیا خبر تھی کہ وہ جس کو ایک عام بدوی سمجھ رہے ہیں وہ درحقیقت خاندانِ علم و معرفت اور دُودمانِ شرف و شہامت کے آستانۂ قدس کا تربیت یافتہ حاضر جواب اور قادر الکلام خطیب ہے۔ چھیڑ چھاڑ کرتے ہوئے پہلے اس کی لمبی قد پر مذاق اُڑانا چاہا کہنے لگے۔ کیا آسمان سے کوئی خبر لایا ہے؟ طرماح نے فوراً نقد جواب دیا۔ بے شک میرا پروردگار آسمان کا مالک ہے ملک الموت ہوا میں ہے اور علی کی تلوار تمہارے سروں پر برقِ قہر بن کر نازل ہونے والی ہے۔ اے اہلِ نفاق و شقاق اس بلا کے لئے

تیار ہو جاؤ جو تمہارے سروں پر منڈلا رہی ہے۔ ان کو اس جواب کے سننے سے ذرا ہوش آئی۔ کان کھل گئے پوچھا کہاں سے تشریف لائے ہو۔ طرماح نے فرمایا۔ میں ایک شریف خدا دوست دانشمند اور خدا کے برگزیدہ انسان کی طرف سے قاصد بن کر آیا ہوں۔ انہوں نے دریافت کیا کہ کسے ملنا چاہتے ہو؟ تو فرمایا۔ ایک ناقص اور ردی انسان کو جس کو تم بیوقوفوں نے اپنا امیر بنا رکھا ہے۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ امیر المومنینؑ کی طرف سے معاویہ کی جانب آیا ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ مطلب کیا ہے؟ تو جواب دیا کہ اُسے ملنا ہے انہوں نے کہا وہ فارغ نہیں تو طرماح نے کہا کیا وہ خدا کے وعدوں کے متعلق فکر کر رہا ہے جو اطاعت گذاروں کے لئے ہیں یا اس کے عذاب کی انتظار کر رہا ہے جو نافرمانوں کے لئے ہے؟ انہوں نے کہا یہ بات نہیں بلکہ وہ اپنی مشاورتی کمیٹی کے ساتھ ملکی اہم معاملات پر سوچ بچار کر رہا ہے۔ طرماح نے کہا پس اس کو ہلاکت کی بشارت ہو

انہوں نے معاویہ کو تحریری اطلاع بھیجی کہ علی بن ابی طالب کی طرف سے ایک اعرابی مرد آیا ہوا ہے جو نہایت فصیح اللسان مرقع شناس حاضر جواب اور طرار خطیب ہے نہ اس کی زبان میں سکتہ ہے اور نہ اس کے بیان میں لکنت ہے اس کے جواب کے لئے کلام بلیغ تیار کر اور لاپرواہی کو یکسو کر کے اس کو جواب دے۔ جب طرماح کو معلوم ہوا تو سواری سے اترا اور ان کے ساتھ تبادلہ خیالات کے لئے بیٹھ گیا۔ ادھر معاویہ کو اطلاع پہنچی تو اس نے اپنے بیٹے یزید کو حکم دیا کہ دروازہ پر سیاہ لباس میں ملبوس صف بستہ غلام کھڑے کر دئے جائیں۔ یزید نے تعمیل حکم کی اور یزید کی ناک پر تلوار کے زخم کا ایک نشان بھی تھا جب طرماح کو معاویہ کے دروازہ کی طرف لایا گیا اور اس نے صف بستہ سیاہ پوش غلام دیکھے کہنے لگا یہ لوگ کون ہیں جو داروغہ جہنم مالک کے عملہ کے افراد معلوم ہوتے ہیں جب آگے بڑھا تو یزید کے منحوس چہرہ پر نظر پڑی کہنے لگا۔ یہ ناک کٹا پھولی ہوئی رگوں والا منحوس انسان کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ یزید ہے۔ طرماح نے کہا خدا اس کو نہ بڑھائے اور نہ یہ اپنی مراد پر پہنچے چنانچہ یزید نے یہ کلمات سن لئے غصے سے بپھرا اور قتل کا ارادہ کیا لیکن پھر اُس نے اپنے باپ کی ناراضگی کا احساس کرتے ہوئے غصے کی آگ کو ٹھنڈا کیا اور طرماح پر سلام کیا اور کہنے لگا اے اعرابی! تحقیق امیر المومنین (معاویہ) تجھے سلام کہتا ہے۔ طرماح نے جواب دیا کہ امیر المومنینؑ (علی) کے سلام کوفے سے میرے ساتھ ہیں۔ یزید نے کہا بتا کیا چاہتا ہے کیونکہ تیری مراد کا پورا کرنا میرے عہدے میں داخل ہے۔ طرماح نے کہا میری مراد یہ ہے کہ اس سٹیج کو چھوڑ دو جس کے تم اہل نہیں ہو اور جو اہل ہے اس کے لئے جگہ خالی کرو۔ یزید نے کہا اس کے علاوہ اور کیا چاہتا ہے؟ طرماح نے کہا میں اس سے ملنا چاہتا ہوں پس پردہ اٹھایا گیا اور یہ معاویہ کے پاس پہنچا۔ چونکہ طرماح نے جوتا نہیں اتارا تھا ملازمین نے کہا جوتے اتار دو تو طرماح نے دائیں بائیں ایک نظر ڈالی اور پھر فرمایا کیا میں وادی مقدس میں آن پہنچا ہوں کہ جوتے اتارنے کا حکم مل رہا ہے؟ پس معاویہ کی طرف دیکھا کہ تخت پر بیٹھا ہے اور ارد گرد فوجی افسر اور دیگر ملازمین موجود

ہیں۔ اس نے سامنے جا کر کہا: اے بادشاہ سرکش سلام ہو۔ معاویہ نے کہا تجھ پر وائے ہو اے اعرابی! مجھے امیر المومنین کہہ کر کیوں تو نے سلام نہیں کیا؟ طرماح نے جواب دیا تیری ماں تیرا ماتم کرے مومن لوگ تو ہم ہیں تجھے ہمارا امیر کس نے بنایا ہے؟ معاویہ نے کہا کیا لایا ہے؟ جواب دیا کہ مہر شدہ امام معصوم کا مکتوب گرامی معاویہ نے کہا آگر مجھے دیدے۔ طرماح نے کہا میں تیرے نجس فرش پر قدم نہیں رکھنا چاہتا۔ معاویہ نے کہا کہ پھر میرے وزیر یعنی عمرو عاص کے حوالہ کر دے۔ طرماح نے کہا جیسے امیر ظالم ویسے وزیر خائن۔ معاویہ نے کہا میرے بیٹے یزید کو دے دے۔ طرماح نے جواب دیا۔ جب ہم ابلیس پر راضی نہیں تو اس کی اولاد پر کیسے راضی ہوں گے؟ معاویہ نے ایک غلام کی طرف اشارہ کیا جو سر کی جانب کھڑا تھا کہ اس کو دے دو۔ طرماح نے کہا ناحق مال سے خریدا ہوا غلام اس قابل نہیں۔ معاویہ نے کہا تیرے اوپر وائے ہو پھر کس طریقہ سے تجھ سے یہ خط لیا جائے؟ طرماح نے کہا تو بدل ناخواستہ خود اٹھ کر لے جا تاکہ پتہ چلے کہ یہ مرد کریم اور سید علیم کا تحریر شدہ مکتوب ہے۔ پس معاویہ اپنے مقام سے اٹھا اور خط لے کر پڑھا اور پھر اسے اپنے زانو کے نیچے رکھ دیا۔ پھر پوچھا کہ تو نے علی بن ابی طالب کو کس حال میں چھوڑا ہے؟ تو طرماح نے جواب دیا کہ وہ ایک بدر منیر ہے جس کے ارد گرد صحابہ مثل ستاروں کے ہیں جب وہ ان کو حکم دے تو بلا تاخیر تعمیل ارشاد کرتے ہیں اور جس چیز سے ان کو روکے تو قطعاً اس کے قریب نہیں جاتے وہ ایسا شجاع و بہادر ہے کہ اس کی ہیبت کے سامنے سخت چٹان نہیں ٹھہر سکتی اس کا جلال حصارِ آہنی کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔ مد مقابل کے لئے اس کے سامنے جانا ذلت و ہلاکت ہے اور دشمن کے لئے اس کا حملہ پیغام موت ہے۔ معاویہ نے کہا حسن و حسین کو تو نے کس حالت میں چھوڑا ہے؟ تو جواب دیا وہ دونوں نوجوان تقی نقی ادیب خطیب سید سند طیب طاہر فاضل کامل اور عامل ہیں جو دنیا و آخرت کے لئے مصلح ہیں۔ معاویہ نے کہا اے اعرابی: تو کس قدر فصیح ہے؟ طرماح نے کہا اگر تو علی کے دروازہ پر جائے تو فصحا بلغاء فقہا علماء نجبا ء ابرار اتقیاء اور اصفیاء کی اس قدر تعداد دیکھے گا کہ حیرت کے گہرے سمندر میں ڈوب مرے گا۔

عمرو بن عاص نے آہستہ سے معاویہ کے کان میں کہا یہ بدوی شخص ہے اگر اس کو کچھ انعام دے دیا جائے تو پیسے کی لالچ میں خود بخود تیری خوشامد کرے گا۔ اس دین فروش کو کیا معلوم تھا کہ جن کے سینے معارفِ ربانیہ کا خزینہ ہوں وہ چند کھوٹی کوڑیوں میں نہیں خریدے جا سکتے اور وہ دولت ایمان کے مقابلہ میں زر و جواہر کو ٹھیکریوں کے برابر بھی نہیں سمجھتے پس اس کو بہ باطن کے اغراء سے ننگ مسند خلافت اسی بات پر آمادہ ہوا کہ طرماح کی حق گوئی کے سامنے حرص و لالچ کا جال بچھا کر اسے شکار کر لیا جائے کہنے لگا کیا تو مجھ سے کچھ انعام قبول کرے گا؟ تو طرماح نے فوراً جواب دیا۔ میں تیرے بدن سے تیرا روح لینے کو تیار ہوں تو یہ مال کیسے نہ لوں گا؟ معاویہ نے دس ہزار درہم دینے کا حکم دیا جب لے چکا تو معاویہ نے

کہا کچھ اور بھی ہو؟ تو طرماح نے جواب دیا بے شک دے دو کیونکہ تو اپنے باپ کے مال سے تھوڑا ہی دے رہا ہے اور میں یزید کی بہ نسبت اس مال کے تصرف کا زیادہ حقدار ہوں۔ پس دس ہزار اور دئے گئے۔ پھر طرماح نے کہا اِنَّ اللّٰہَ وِتْرٌ یُحِبُّ الْوِتْرَ۔ معاویہ نے تیسری مرتبہ بھی دس ہزار کے دینے کا حکم دیا لیکن اس دفعہ خزانچی نے ایک گھنٹہ دیر کر دی تو طرماح بولا۔ اے معاویہ: شاید تو نے میرے لئے ہوا کی طرح کی چیز دینے کا حکم دیا ہے؟ معاویہ نے پوچھا وہ کیسے؟ تو جواب دیا تو نے انعام کا حکم دیا ہے جو نہ مجھے نظر آتا ہے اور نہ تجھے دکھائی دیتا ہے۔ معاویہ نے جلدی دینے کا حکم دیا۔ پس جب تیس ہزار پر قبضہ کر لیا تو خاموش ہو گیا۔ عمرو عاص نے کہا اب بتاؤ امیر کا انعام کیسا ہے؟ طرماح نے نہایت بے دھڑک اور نڈر ہو کر جواب دیا یہ مسلمانوں کا مال ہے اللہ کے خزانہ سے ملا ہے اور اللہ کے نیک بندے تک پہنچا ہے لہٰذا درست ہے۔

معاویہ نے کاتب سے کہا کہ خط کا جواب دے کر اسے فوراً رخصت کرو کیونکہ اس نے میرے سامنے دنیا تاریک کر رکھی ہے چنانچہ کاتب نے لکھنا شروع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ عبد خدا اور عبد خدا کے بیٹے معاویہ بن ابی سفیان کی طرف سے علی بن ابی طالب کی جانب۔

اما بعد۔ میں شام کی فوجوں میں سے اس قدر فوجیں لے کر چڑھائی کرنے والا ہوں جن کا پہلا حصہ کوفہ میں پہنچے گا تو آخری حصہ ساحل بحر پر ہو گا اور تجھے دکھاؤں گا کہ میرے پاس ہزار اونٹ رائی کے لدے پڑے ہیں کہ ہر دانۂ رائی کے نیچے ایک ہزار جنگی مرد موجود ہے۔ جب طرماح نے یہ تحریر دیکھی تو کہنے لگا سبحان اللہ۔ مجھے معلوم نہیں ہو سکتا کہ تیرا کاتب جھوٹا ہے۔ یا تو جھوٹا ہے حالانکہ تو منبر خلافت کا دعویدار ہے؟ اگر تمام اہل مشرق و مغرب کو اکٹھا کر لیا جائے تو انسانی نفوس کی تعداد اس قدر نہ ہو سکے گی۔ معاویہ نے کہا کاتب نے اپنی طرف سے لکھ دیا ہے۔ طرماح نے کہا اگر اس نے تیرے امر کے بغیر ایسا کیا ہے تو اس نے تجھے حقیر سمجھا ہے اور اگر تیرے حکم کے مطابق لکھا ہے تو تجھے ذلیل کیا ہے۔ پھر طرماح نے کہا تو نے اپنی افواج کو رائی کے دانہ سے تشبیہ دی ہے تو سن میرے مولا علی بن ابی طالب کے پاس ایک بلند آواز اور لمبی چونچ والا مرغ ہے جو ان تمام رائی کے دانوں کو چن کر اپنے حوصلہ میں بھر لے گا۔ معاویہ نے از راہ اعتراف کہا۔ خدا کی قسم بات تو ایسی ہی ہے اور وہ مالک اشتر ہی ہے۔ پس خط طرماح کو دے کر رخصت کیا۔ طرماح نے خط لیا۔ مال اٹھایا اور اونٹ پر سوار ہو کر واپس چلا۔

معاویہ اپنے ہمنشینوں کی طرف متوجہ ہو کر بولا اگر میں اپنا سارا خزانہ تم میں سے کسی کو دوں تو تم لوگ اس کا دسواں حصہ بھی میری حق ادائیگی نہ کر سکو گے جس طرح اس نے علی سے بغیر کچھ لئے کے کی ہے بلکہ دیا ہم نے لیکن پھر بھی تعریف اسی

کی ہی کرتا رہا، خدا کی قسم اس نے تو میرے اُوپر دنیا تاریک کر دی تھی۔ عمرو بن عاص نے جواب دیا اگر نبی سے تیری نسبت وہی ہوتی جو علی کو حاصل ہے اور تو حق پر ہوتا تو ہم اس سے بھی کئی گنا زیادہ کرتے۔ معاویہ نے کہا خدا تیرا منہ توڑے تیرا کلام اس کی بہ نسبت میرے لئے زیادہ تکلیف دہ ہے۔

طرماح بن عدی حر کے لشکر کی ملاقات سے پہلے امام کے ہمرکاب تھا کیونکہ جب امام کی فوج اور حر کا لشکر چلے تو رات کے وقت سیدھے راستے کا کسی کو علم نہ تھا پس اُس وقت طرماح بن عدی ہی آگے آگے تھا۔ کیونکہ ان کو اس بیابان کے عبور کرنے کی راہیں معلوم تھیں پس طرماح حدی خوانی کے طور پر یہ اشعار پڑھتا تھا۔

یَا نَاقَتِی لَا تَذْعَرِی مِنْ زَجْرِ　　وَامْضِی بِنَا قَبْلَ طُلُوعِ الْفَجْرِ

اے ناقہ تکان سے نہ گھبرا اور طلوع فجر سے پہلے ہمیں پہنچا دے

بِخَیْرِ فِتْیَانٍ وَخَیْرِ سَفْرِ　　آلِ رَسُولِ اللّٰہِ آلِ الْفَخْرِ

بہترین رفقاء سفر کے ساتھ جو آل رسول ہیں جن کے لئے فخر شایاں ہے

اَلسَّادَۃِ الْبِیضِ الْوُجُوہِ الزُّھْرِ　　اَلطَّاعِنِینَ بِالرِّمَاحِ السُّمْرِ

نورانی حسین چہروں والے سردار جو گندمی نیزوں کے ساتھ جنگ کرنے والے ہیں

اَلضَّارِبِینَ بِالسُّیُوفِ الْبُتْرِ　　حَتّٰی تَحَلّٰی بِکَرِیمِ الْفَخْرِ

قاطع تلواروں کے ساتھ جہاد کرتے ہیں اور وہ لائق صد فخر ہیں

اَلْمَاجِدِ الْجَدِّ رَحِیبِ الصَّدْرِ　　اَصَابَہُ اللّٰہُ لِخَیْرِ اَمْرِ

سچ بزرگ اور وسیع القلب ہیں جن کو خدا نے بہترین امر کے لئے چُنا ہے

عَمَّرَہُ اللّٰہُ بَقَاءَ الدَّھْرِ　　یَا مَالِکَ النَّفْعِ مَعًا وَالضُّرِّ

خدا اسے زندہ رکھے ہمیشہ۔ اے نفع و نقصان کے مالک

اَیِّدْ حُسَیْنًا سَیِّدِی بِالنَّصْرِ　　عَلَی الطُّغَاۃِ مِنْ بَغَایَا الْکُفْرِ

حسین کی نصرت سے تائید فرما۔ سرکش کافروں کے مقابلہ میں

عَلَی اللَّعِینَیْنِ سَلِیلَیْ صَخْرِ　　یَزِیدَ لَا زَالَ حَلِیفَ الْخَمْرِ

صخر کے دونوں لعین بیٹوں کے مقابلہ میں۔ ایک یزید جو پکا شرابی ہے

وَابْنِ زِیَادٍ عِھْرِ بْنِ الْعِھْرِ

اور دوسرا زیاد جو حرام زادہ اور حرام زادہ کا بیٹا ہے۔

طرماح کے یہ اشعار سن کر عمر کا لشکر جدا ہو گیا تھا کیونکہ وہ یہ شعر سننا گوارا نہ کرتے تھے۔

آخر کربلا میں پہنچے اور روز عاشور طرماح نے خوب جوہر شجاعت دکھائے۔ لیکن یہاں دو قسم کی روایات ہیں۔ بروایت مامقانی اس کو کافی زخم لگ چکے تھے اور نڈھال ہو کر گھوڑے سے گرا تھا ابھی اس میں رمق جان باقی تھی کہ اس کو قبیلہ والے اٹھا کر لے گئے اور پھر تندرست ہو گیا تھا اور پھر ولاء و اخلاص کے ساتھ ہی دنیا سے رخصت ہوا۔ گویا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ طرماح شہدائے کربلا سے نہیں ہے۔

اور ایک روایت ناسخ سے بھی منقول ہے جو اس کی تائید کرتی ہے اور وہ یہ کہ طرماح خود بیان کرتا ہے کہ جب میں روز عاشور زخموں سے چور ہو کر گرا اور لوگ مجھے مقتول سمجھ کر چھوڑ گئے تو میں قسم کھا کر بیان کروں گا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور عالم بیداری میں دیکھا کہ وہاں بیس سوار پہنچے جن کے لباس سفید تھے اور ان کی آمد سے فضا عطر و کستوری کی خوشبو سے معطر ہو گئی میں نے سمجھا کہ ابن زیاد ہے اور شاید لاش حسین کی بے حرمتی کرنا چاہتا ہے۔ لیکن ایسا نہیں تھا ان میں سے ایک سوار امام حسین کی لاش کے قریب آیا اور گھوڑے سے اتر کر بیٹھ گیا سر جو نکہ کوفہ کی طرف لے جا چکے تھے تو اس جوان نے کوفہ کی طرف اشارہ کیا۔ پس میں نے دیکھا کہ حسین کا سر آ پہنچا اور جسم سے آ کر ملحق ہو گیا پس اس شخص نے کہا۔ اے فرزند تجھے ان لوگوں نے قتل کیا ہے کیا تجھے انہوں نے پہچانا نہیں تھا اور تجھے پانی بھی نہیں دیا۔ وہ کس قدر اللہ پر جری ہو گئے۔ پھر وہ شخص اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوا اور کہا اے بابا آدم۔ ابراہیم۔ اسمٰعیل اور اے میرے برادر موسیٰ و عیسیٰ کیا تم نہیں دیکھتے کہ میری امت کے باغیوں نے میرے فرزند کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ خدا ان کو میری شفاعت سے محروم رکھے طرماح کہتا ہے میں نے پہچان لیا کہ یہ رسولِ خدا ہیں۔

لیکن بہر کیف ان کے مقابلہ میں ابو مخنف کی روایت موجود ہے کہ وہ شہدائے کربلا میں سے تھے کہ طرماح میدان کارزار میں گیا اور خوب جوہر شجاعت دکھائے۔ ستر ملاعین کو تہ تیغ کیا۔ پس اس کا گھوڑا بدکا اور یہ زمین پر گر پڑے پس کوفیوں نے آ کر اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اور اس مضمون کی روایات دوسری کتب میں بھی موجود ہیں۔

لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ طرماح بن عدی حاتم طائی کا پوتا نہیں ہے بلکہ کوئی دوسرا ہے جس کا نبی طے سے ہونا غیر یقینی ہے کیونکہ حاتم طائی کے بیٹے عدی کے تین فرزند تھے۔ طرفہ۔ طریف اور مطرف۔ اور یہ تینوں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے ہمرکاب واقعہ کربلا سے قبل درجہ شہادت پر فائز ہو چکے تھے۔ جب عدی بن حاتم کو لوگ کہتے تھے کہ تو اپنے تین بیٹوں کے درد و فراق میں جلتا ہے گا یا مر جائے گا تو یہ نہایت جرأت سے جواب میں کہتا تھا کہ یہ تو میں تھے اگر مجھے خدا

ایک ہزار فرزند عطا کرتا اور کیے بعد دیگرے علی کے قدموں میں درجہ شہادت پر فائز ہو کر بہشت میں جاتے تو میرے لئے مایہ فخر تھا۔ ایک دفعہ معاویہ نے عدی بن حاتم سے کہا کہ علی نے تیرے ساتھ انصاف نہیں کیا کیونکہ اس نے اپنے بیٹے حسن وحسین بچا لئے اور تیرے بیٹوں کو موت کے منہ میں ڈال دیا تو اس مرد مومن کو جوش آیا اور کہنے لگا کہ تو غلط کہتا ہے بلکہ بات حقیقت میں یہ ہے کہ میں نے علی کے ساتھ انصاف نہیں کیا کیونکہ وہ شہید ہو گئے اور میں ان کے بعد زندہ رہا ہوں۔ پس عدی بن حاتم بے اولاد دنیا سے رخصت ہوا۔ بروایت مامقانی عدی بن حاتم کا ایک چوتھا فرزند بھی تھا جس کا نام محمد ہے۔ اور وہ بھی جنگ صفین میں درجۂ شہادت پر فائز ہوا۔ اور عدی صحابی رسول بھی تھا اور حضرت امیر علیہ السلام کے خصوصی شیعوں میں اس کا شمار تھا۔ شریف جواد اور بلند مرتبہ بزرگ تھا اور کلام میں نہایت حاضر جواب اور سنجیدہ گو انسان تھا۔ جنگ جمل میں اس کی ایک آنکھ تیر کے زخم سے ختم ہو گئی تھی۔ ۶۶ھ یا ۶۸ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ قدس روحہ الشریف۔

اس مقام پر ایک اور طرماح کا ذکر آتا ہے جس کے ساتھ امام حسین علیہ السلام کی راستہ میں ملاقات ہوئی تھی جو کوفہ سے سامان خورد و نوش بچوں کیلئے لے جا رہا تھا اور امام کو اس نے اپنے پہاڑوں کی طرف لے جانے اور وہاں مددگار مہیا کرنے کی پیش کش بھی کی تھی لیکن جب امام نے اپنا مقصد بیان فرمایا تو اس نے فوراً واپس آنے کا وعدہ کیا تھا۔ چنانچہ گھر سے وداع کر کے چلا تھا اور راستہ میں امام کی شہادت کی خبر سنی اور واپس پلٹ گیا۔ یہ طرماح بن حکم ہے نہ کہ طرماح بن عدی۔

۸۲۔ ظہیر بن حسان اسدی

کتاب ریاض الشہادۃ میں اس کو شہدائے کربلا سے شمار کیا گیا ہے۔

۸۳۔ عائذ بن مجمع

یہ بھی شہدائے کربلا میں سے ہے اس کے متعلق باب المیم میں مجمع بن عبد اللہ کے بیان میں مذکور ہو گا۔

۸۴۔ عابس بن ابی شبیب شاکری

زیارت ناحیہ مقدسہ اور رجبیہ میں اس پر سلام وارد ہے۔ نامی گرامی بہادر لاثانی شہسوار اور فن حرب وضرب میں آزمودہ کار سپاہی تھا۔ حضرت علی علیہ السلام کے نامور شیعوں میں سے تھا نیز بلند پایہ خطیب عبادت میں شب بیدار اور تہجد گذار بزرگ تھا بلکہ پورا قبیلہ بنی شاکر ولائے آل اطہار میں سرشار تھا اور حضرت امیر علیہ السلام نے بھی تو فرمایا تھا بروز صفین کہ

اگر بنو شاکر کی تعداد ایک ہزار تک پہنچ جاتی تو زمین پر اللہ کی عبادت اس طرح ہوتی جس طرح عبادت کا حق ہے اور یہ سب کے سب شجاع اور غیور تھے۔

ابو مخنف سے منقول ہے کہ جب اٹھارہ ہزار کوفیوں نے امیر مسلم کی بیعت کر لی اور مختار کے گھر میں شیعان کوفہ کا اجتماع ہوا تو حضرت امیر مسلم کی طرف خطاب کر کے عابس بن ابی شبیب شاکری نے تقریر کی جو فصاحت و بلاغت میں بے نظیر تھی۔ مقصد یہ تھا کہ ہم لوگوں کے دلوں کی باتیں نہیں جانتے اور نہ ان کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں آپ کو ہم دھوکا میں نہیں ڈالتے بلکہ اپنے نفس کی خبر عرض کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میرا سر حاضر ہے جہاں بھی مجھے بلایا جائے حاضر ہوں گا اور آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں گا اور جب تک قبضۂ تلوار پر ہاتھ ہے تمہارے دشمنوں سے جہاد کروں گا اور اس سے صرف خوشنودیٔ خدا کے سوا اور کچھ بھی ہماری غرض نہیں پس حبیب بن مظاہر نے اٹھ کر عابس کی تائید کی۔ پس حضرت مسلم نے کوفیوں کے ظاہر حال سے متاثر ہو کر امام حسینؑ کے نام خط لکھا اور عابس اور شوذب دونوں کو خط دے کر روانہ فرمایا۔ چنانچہ دونوں مکہ سے ہی امام کے ہم رکاب ہو کر کربلا میں آئے تھے۔

بحار الانوار سے منقول ہے کہ جب عابس نے شرف شہادت حاصل کرنے کا ارادہ کیا تو شوذب کے پاس آیا اور کہا اے شوذب آج کے دن کے متعلق کیا ارادہ ہے؟ تو شوذب نے جواب دیا میں عزم مصمم کر چکا ہوں کہ فرزند رسولؐ کے قدموں میں اپنا سر قربان کروں گا۔ عابس نے کہا میرا تیرے متعلق پہلے سے یہی گمان تھا۔ اپنے مولا کی خدمت میں مل کر چلیں تاکہ ہمیں شہداء کی فہرست میں داخل فرمالیں اور یقین جانیے کہ آج کے بعد پھر یہ موقعہ ہرگز ہاتھ نہ آئے گا۔ آج تو وہ دن ہے کہ اگر انسان چاہے تو تحت الثریٰ سے ترقی کر کے آسمان تک پہنچ سکتا ہے اور انتہائی تاریکی اور پستی سے انتہائی بلندی تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ پہلے شوذب رخصت لے کر میدان میں گیا اور جب وہ شہید ہو گیا تو عابس نے عرض کی آقا! خدا کی پوری مخلوق میں سے میرے نزدیک کسی کی قدر و منزلت آپ کے برابر نہیں اگر میں کر سکتا تو ضرور ان مصائب کا طوفان آپ سے ہر ممکن کوشش کر کے دور کرتا لیکن کیا کروں، بے بس ہوں آپ میری قربانی قبول فرمایئے اور اذن جہاد عطا فرمایئے امام نے اجازت دی۔ اس نے امام کا آخری وداعی سلام کیا اور عرض کی آقا! گواہ رہنا کہ میں آپ کے اور آپ کے باپ کے دین پر تا دم شہادت برقرار ہوں۔ پھر غضب ناک شیر کی طرح میدان کارزار کی طرف بڑھا اور مقابلہ کے لئے آوازیں بلند کیں۔

ربیع بن تمیم جو فوج اشقیاء سے تھا کہتا ہے میں عابس کو پہچانتا تھا اور اس کی شجاعت کو آزما چکا تھا اور بڑے بڑے خطرناک اور سنگین مقامات پر خصوصاً جنگ صفین میں عابس کو میں نے دیکھا تھا۔ پس عابس للکارتا ہوا میدان میں نکلا تو میں نے قوم کو پکار کر کہا اَیُّھَا النَّاسُ ھٰذَا اَسَدُ الْاَسْوَدِ۔ لوگو! یہ شخص شیروں کا شیر ہے۔ ھٰذَا ابْنُ شَبِیْب۔ یہ عابس بن شبیب

ہے، تم میں سے جو بھی جنگ میں اس کے مقابلہ میں آئے گا، مجال نہیں کہ بچ کر جائے۔ جب لشکریوں نے میری آواز سنی تو ان کے حوصلے پست ہو گئے اور غصے ٹھنڈے ہو گئے۔ پس کسی میں جرأت نہ تھی کہ مبارزت کے لئے آگے بڑھتا۔ جب عابس نے دیکھا کہ مقابلہ کے لئے کوئی نہیں آتا تو پھر پکارنا شروع کیا۔ ابن سعد ملعون نے دیکھا تو اسے یہ بات ناگوار گذری پس حکم دیا کہ اس پر پتھر برسائے جائیں۔ جب عابس نے یہ دیکھا تو غصہ سے اپنی زرہ اتار پھینکی اور خود کو سر سے دور کر دیا اور اس طرح حملہ کیا کہ کسی کو ٹھہرنے کا یارا نہ تھا اور وہ اس کے سامنے اس طرح بھاگتے تھے جس طرح شیر کے سامنے لومڑیوں کا ریوڑ۔ پس مارتا اور بھگاتا یہاں سے وہاں تک اور وہاں سے واپس یہاں تک جولان لگاتا رہا۔ ربیع بن تمیم کہتا ہے، خدا کی قسم میں دیکھتا تھا کہ جس طرف منہ کرتا تھا دو دو سو آدمیوں کو پچھاڑتا ہوا آگے چلا جاتا تھا۔ آخر پتھروں اور نیزوں کے زخموں سے چور ہو کر گر پڑا تو اس کا سر تن سے جدا کر لیا گیا۔ راوی کہتا ہے بہادروں کی ایک جماعت عابس کے سر کو ایک دوسرے سے لینے میں کوشش کرتی تھی ہر ایک کہتا تھا میں نے قتل کیا ہے تاکہ انعام کا استحقاق ثابت ہو لیکن جب عمر بن سعد کے پاس یہ جھگڑا پہنچا تو اس نے کہا سب غلط کہتے ہو کس کی جرأت ہے کہ عابس کو تنہا قتل کر سکے یہ کیوں نہیں کہتے کہ سب اس کے قتل میں شریک تھے۔

۸۵ عامر بن حسان

بروایت اعیان الشیعہ نجاشی سے اس کا شہدائے کربلا سے ہونا منقول ہے۔

۸۶-۸۷- عامر بن خلیدہ - عامر بن مالک

زیارت رجبیہ میں ان دونو پر سلام وارد ہے۔

۸۸- عامر بن ابی سلامہ والانی

ابن زیاد نے زجر بن قیس جعفی کو پانچ سو سوار کا افسر مقرر کر کے کوفہ سے کربلا جانے والے راستوں کی ناکہ بندی پر تعینات کیا تھا تاکہ کوئی شخص امام حسین علیہ السلام کی مدد کے لئے نہ جا سکے لیکن جب عامر بن ابی سلامہ شوق شہادت کے خمار میں سرشار ہو کر نکلا تو زجر بن قیس نے اس کو روکنے کی کوشش کی لیکن اس شیر بیشہ شجاعت نے ایک ہی حملہ میں ان کے حوصلے پست کر دیئے۔ پس وارد کربلا ہوا۔ اور روز عاشورا درجۂ شہادت پر فائز ہوا۔ یہ بزرگوار حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے مایۂ ناز غلاموں میں سے تھا اور جنگ جمل و صفین و نہروان میں حضرت شاہ ولایت کے ہمرکاب رہا۔

(مقتل عبدالرزاق ص ۲۳۹)

۸۹- عامر بن مسلم عبدی

زیارت ناحیہ اور رجبیہ میں اس پر سلام وارد ہے۔ یہ شخص بصرہ کا رہنے والا ہے۔ حملہ اولیٰ میں شہید ہوا۔ بصرہ سے چند شیعہ امام حسینؑ سے مکہ میں جا ملے تھے۔ منجملہ ان کے یہ شخص اور اس کا غلام سالم بھی تھا جن کا ذکر گذر چکا ہے۔

۹۰۔ عباد بن مہاجر جہنی

جب امام حسین علیہ السلام مقام جہینہ پر پہنچے تھے جو مدینہ کے قریب ہے اور وہاں کھجوروں کے باغات بکثرت ہیں اور یہ وادی سوادی صفراء کہلاتی ہے۔ اور کافی زرخیز جگہ ہے۔ اور وہاں کی ملکیت قبیلہ جہینہ اور بنی نہد کی تھی پس یہ عباد وہاں سے امام کے ساتھ ہو گیا تھا اور جب منزل زبالہ پر مسلم بن عقیل کی موت کی خبر پہنچی تو کافی دیہاتی عرب آپ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے لیکن یہ آخر تک ساتھ رہا اور روز عاشور حملہ اولیٰ میں شہید ہوا۔

۹۱۔ عبدالرحمٰن بن عبد ربہ انصاری صحابی

جناب رسالتمآب کے صحابہ میں سے تھا اور حضرت علیؑ کا تلمیذ رشید تھا۔ اصابہ میں حدیث غدیر من کنت مولاہ اسی سے روایت کی گئی ہے اور اسد الغابہ میں مذکور ہے کہ عبدالرحمٰن نے شہادت دی کہ میں نے یہ حدیث جناب رسالتمآبؐ سے اپنے کانوں سے سنی ہے۔ اور اصابہ میں ہے کہ جب حضرت امیر علیہ السلام نے قسمیہ لوگوں سے فرمایا کہ میرے حق میں یہ حدیث جن جن لوگوں نے اپنے کانوں رسولؐ خدا سے سنی ہے تو کھڑے ہو کر گواہی دو۔ تو صحابہ میں سے تیرہ آدمی کھڑے ہوئے اور ان میں سے ایک یہی عبدالرحمٰن بن عبد ربہ انصاری تھا۔

یہ عبدالرحمٰن مکہ سے ہی امام کے ہمرکاب ہو گیا تھا اور روز عاشور حملہ اولیٰ میں ہی شہید ہو گیا۔

نیز یہ وہی عبدالرحمٰن بن عبد ربہ انصاری ہے جس کا نویں محرم کے دن بریر بن خضیر سے خوش طبعی کی بات پر مکالمہ ہوا جو بیان ہو چکا ہے۔

۹۲۔ عبدالرحمٰن الارحبی صحابی

یہ بزرگوار بھی جناب رسالتمآب کے اجلہ اصحاب میں سے تھا۔ جیسا کہ کتب رجال میں موجود ہے۔

جب معاویہ کی موت کی خبر کوفہ میں پہنچی اور امام حسینؑ کو کوفیوں نے دعوت نامے لکھے تو کوفہ کی طرف سے پہلا نامہ بردار یہی عبدالرحمٰن ارحبی تھا اور قیس بن مسہر بھی اس کے ہمراہ تھا۔ یہ ماہ مبارک رمضان میں مکہ پہنچے۔ اس کے بعد پھر یکے بعد دیگرے خطوط لے کر آتے رہے۔ اور یہ عبدالرحمٰن مکہ سے امام حسینؑ کے ہمرکاب رہا۔ تا ایں کہ روز عاشور درجہ شہادت پر فائز ہوا۔ بعض کتب میں ہے کہ حملہ اولیٰ میں شہید ہوا۔ اور بعض میں ہے کہ میدان جنگ میں جہاد کر کے درجہ شہادت حاصل کیا۔ زیارت ناحیہ میں اس پر سلام وارد ہے۔

۹۳۔ عبدالرحمٰن الیزنی

یہ شخص بھی شہدائے کربلا میں سے شمار کیا گیا ہے۔ روز عاشور میدان میں جا کر اس نے جہاد کیا اور چند ملاعین کو تہ تیغ کر کے شہید ہوا۔

۹۴۔ عبدالرحمٰن بن عروہ غفاری

عبدالرحمٰن بن عروہ اور اس کا بھائی عبداللہ بن عروہ نہایت شجاع بارعب اور ہر دلعزیز تھے۔ ان کا باپ حضرت امیر علیہ السلام کے صحابہ میں سے تھا اور جنگ جمل صفین اور نہروان میں حضرت کے ہمرکاب تھا۔ یہ دونو بھائی خدمتِ امام میں اس وقت پہنچے جب آپ کربلا میں نزول اجلال فرما چکے تھے۔ روز عاشور جب آتش جنگ بھڑک اٹھی تو یہ دونو بھائی روتے ہوئے امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی اے فرزند رسولؐ! ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے سامنے خدا کار انہ جنگ کریں اور آپ کے قدموں میں جام شہادت پئیں۔ امام نے فرمایا شاباش: ذرا میرے قریب تو آؤ۔ جب یہ اپنی ترآنکھوں کے ساتھ قریب امام آئے تو آپ نے فرمایا روتے کیوں ہو؟ عنقریب تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی نعماتِ خداوندی کا مشاہدہ کر کے خوش ہو گے۔ انہوں نے عرض کی آقا ہم خدا کی قسم اپنے لئے نہیں روتے بلکہ ہم تو آپ کی غربت پر روتے ہیں کیونکہ کسی تدبیر سے ہم آپ کے اعداء کو دفع نہیں کر سکتے۔ امام نے فرمایا خدا تم کو جزائے خیر دے پس امام سے رخصت ہو کر ایک ہی ساتھ میدان جنگ میں گئے اور رجزیہ اشعار اس طرح پڑھتے تھے کہ ایک بھائی ایک مصرعہ کہتا تھا اور دوسرا بھائی دوسرا مصرعہ کہتا تھا۔ یہاں تک کہ دونوں اکٹھے شہید ہو گئے۔

زیارت ناحیہ مقدسہ اور رجبیہ میں ان دونو بھائیوں پر سلام وارد ہے۔

۹۵۔ عبدالرحمٰن کدری اور اس کا بھائی

ان دونو بھائیوں نے مل کر جنگ کی اور اکٹھے شہید ہوئے۔ دوسرے بھائی کا نام نہیں مل سکا۔

۹۶۔ عبدالرحمٰن بن مسعود تیمی

اس کا باپ مسعود مشاہیر شیعان علی میں سے تھا اور نہایت بہادر تھا۔ عبدالرحمٰن اپنے باپ مسعود کے ہمراہ ساتویں محرم کو زمین کربلا میں پہنچا اور بروایت ابن شہر آشوب حملہ اولی میں شہید ہوئے۔ زیارت ناحیہ مقدسہ میں ان دونو پر سلام وارد ہے۔

۹۷۔ عبد الرحمٰن بن یزید

زیارت رجبیہ میں اس پر سلام وارد ہے۔

۹۸۔ عبداللہ البشر خثعمی

پہلے لشکر ابن سعد میں تھا اور پھر امام عالی مقام کے ساتھ مل گیا۔ اور شرف شہادت پر فائز ہوا۔

۹۹۔ عبداللہ بن عروہ غفاری

عبدالرحمن بن عروہ غفاری کا بھائی ہے اس کا ذکر گزر چکا ہے۔

۱۰۰۔ عبداللہ بن عمیر کلبی اور اس کی زوجہ

یہ شخص حضرت امیر علیہ السلام کے صحابہ میں سے تھا۔ بروایت مامقانی اس کی کنیت ابو وہب تھی۔ نہایت شجاع و دلیر اور طاقت ور بہادر تھا۔ کوفہ میں بیر الجعدہ کے قریب اس کا گھر تھا اس کی عورت قبیلہ بنی نمر سے تھی۔ ایک دن گھر سے باہر نکلا دیکھا کہ فوجیں نخیلہ کی طرف جا رہی ہیں۔ دریافت کیا کہ یہ لشکر کہاں جا رہے ہیں تو جواب ملا کہ کربلا میں حسین سے جنگ کرنے جا رہے ہیں۔ دل میں سوچا کہ میں کفار کے ساتھ جنگ کرنے کا شیدائی تھا لیکن وہ قوم جو فرزند پیغمبر کے خون کی پیاسی ہو۔ ان سے جنگ کرنے کا ثواب کفار کی جنگ سے یقیناً کم نہ ہوگا۔ پس گھر میں آیا اور اپنی زوجہ کو اطلاع دی تو اس کی نیک طینت زوجہ نے جواب دیا کہ تو نے جو کچھ سوچا ہے بہت بہتر ہے۔ مجھے بھی ساتھ لے جا۔ راتوں رات عبداللہ نے اپنی زوجہ کے ہمراہ کوچ کیا اور آٹھویں کی شب وارد کربلا ہو گئے اور امام عالی مقام سے باریابی کا شرف حاصل کیا۔

دسویں کے روز جب عمر بن سعد نے پہلا تیر امام کے خیام کی طرف پھینکا تو اس کے بعد زیاد کا آزاد کردہ غلام پہلے پہل فوج اشقیا کی طرف سے لڑنے کے لئے نکلا۔ اس طرف سے حبیب بن مظاہر اور بریر بن خضیر نے امام سے اجازت طلب کی لیکن امام پاک نے ان دونوں کو روک لیا۔ اس کے بعد عبداللہ بن عمیر نے اجازت چاہی تو امام نے ایک نظر سے اس کی طرف دیکھا اور اس کی قد و قامت اور قوت و توانائی کو ملاحظہ فرما کے ارشاد فرمایا کہ میرے خیال میں تو اس کا بہترین مقابل ہوگا۔ پس اس کو رخصت ملی اور فوراً میدان میں پہنچا۔ زیاد کے غلام یسار نے پوچھا میرے مقابلہ میں تو کون آیا ہے؟ تو

جواب دیا میں عبداللہ بن عمیر کلبی ہوں۔ یسار نے کہا تو واپس جا۔ میرے مقابلہ میں حبیب یا بریر کو آنا چاہیے۔ عبداللہ نے جواب دیا اے حرام زادے کیا جنگ میں مقابل کا انتخاب تیرے دم میں ہے کہ جس کو تو چاہے وہی آئے۔ پس اتنا کہہ کر شیرِ غضبناک کی طرح اس پر جھپٹے اور ایک ہی ضربت میں اس کا کام تمام کر دیا۔ ابن زیاد کا ایک غلام جس کا نام سالم تھا وہ فوراً عبداللہ کی طرف تلوار لے کر بڑھا تو عبداللہ کو آواز دی گئی کہ ہوشیار رہو یہ دشمنِ خدا وار کرنے کے لئے آ رہا ہے لیکن عبداللہ نے اس وقت توجہ کی جب کہ سالم تلوار چلا چکا تھا۔ پس اس نے اپنے بائیں ہاتھ سے تلوار کا وار روکا جس سے عبداللہ کی انگلیاں کٹ گئیں لیکن اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سنبھل کر سالم پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ اسے فی النار کر دیا پھر شیرِ ببر کی طرح گرجتا ہوا میدان کی طرف بڑھا اور لشکرِ اعداء میں گھس گیا۔ اس کی زوجہ یہ سب ماجرا دیکھ رہی تھی پس خیمہ کا عمود لے کر اس کے پیچھے دوڑی اور آواز دی کہ میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں پیغمبر کی ذریت معصومین کی طرف سے خوب فداکاری کرو۔ عبداللہ نے جب اپنی عورت کی آواز سُنی تو فرطِ غیرت سے پلٹا اور چاہا کہ اس کو واپس لوٹائے لیکن وہ نہ مانی اور اس نے اپنے شوہر کا دامن تھام کر کہا کہ میں تیرے ساتھ قتل ہوں گی۔

چونکہ عبداللہ کے دائیں ہاتھ میں تلوار تھی اور بائیں ہاتھ کی انگلیاں کٹ چکی تھیں اور وہ زخمی ہو گیا اس لئے عورت کو واپس پلٹانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ فوراً امام عالی مقام کی خدمت میں فریاد کی تو امام اُس کی آواز سن کر بنفسِ نفیس خود تشریف لائے اور اس عورت سے فرمایا خدا تیرے اوپر رحم کرے اور خدا آلِ رسُول کی طرف سے تجھے جزائے خیر دے تو عورتوں کی طرف واپس آ جا۔ کیوں کہ عورتوں سے جہاد ساقط ہے۔ اُس نے امام کے فرمان کی تعمیل کی اور واپس آ گئی۔ عبداللہ مصروفِ جہاد رہا حتٰے کہ شربتِ شہادت پی کر راہیِ جنت ہُوا۔

جب اس عورت نے اپنے شوہر کو شہید دیکھا تو بے تابانہ دوڑ کر لاش پر پہنچی اور اس کے سرہانے بیٹھ کر اس کے چہرے سے خاک و خون صاف کرنے لگی اور کہتی تھی تجھے بہشت مبارک ہو۔ اور میری دُعا ہے کہ خدا مجھے فوراً تیرے ساتھ ملحق کر دے کہ اتنے میں شمرِ ملعون نے اپنے غلام رستم سے کہا کہ جاؤ اور اس عورت کو اپنے شوہر سے ملا دو۔ چنانچہ اس بے حیا نے ایک عمود کی ضرب سے اس نیک نصیب عورت کے سر پر وار کیا جس سے اس کا سر پھٹ گیا اور شوہر کے ہمراہ جنت میں جا داخل ہُوئی۔

۱۰۱۔ عبداللہ بن یزید بن ثُبیط البصری

زیارتِ ناحیہ مقدسہ میں اس پر سلام وارد ہے۔ بصرہ سے اپنے باپ کے ہمراہ آیا اور حملۂ اولیٰ میں درجۂ شہادت پر فائز ہُوا۔

۱۰۲۔ عبید اللہ بن یزید بن ثبیط البصری

زیارتِ ناحیہ میں اس پر بھی سلام وارد ہے۔

۱۰۳۔ عثمان بن عروہ غفاری

زیارتِ رجبیہ میں اس پر بھی سلام وارد ہے۔

۱۰۴۔ عقبہ بن سمعان

زیارت ناحیہ میں اس پر سلام وارد ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ شخص شہدائے کربلا میں سے تھا اور یہ وہی عقبہ بن سمعان ہے جس کو حر کی ملاقات کے وقت آپ نے فرمایا تھا کہ وہ تھیلا لاؤ جس میں کوفیوں کے خطوط ہیں۔ پس اسی نے ہی یہ تھیلا پیش کیا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ جناب رباب کا غلام تھا۔

۱۰۵۔ عقبہ بن صلت جہنی صحابی

یہ شخص منزل جہینہ سے امام کے ہمرکاب ہوا تھا۔ جب منزل زبالہ میں اکثر لوگ چھوڑ گئے۔ تو یہ شخص ثابت قدم رہا حتیٰ کہ کربلا میں بروز عاشور حملہ اولیٰ میں شہید ہوا۔ اور عسقلانی سے اصحاب میں مذکور ہے کہ یہ عقبہ بن صلت جہنی صحابہ رسول میں سے تھا اور اس سے روایات بھی منقول ہیں۔ چنانچہ من جملہ ان کے ایک روایت اسی عقبہ بن صلت نے جناب رسالت مآب سے نقل کی ہے کہ میں نے اپنے کانوں حضور کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص مر جائے اور اس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہو۔ اور پھر وہ جنت میں چلا جائے۔"

۱۰۶۔ علی بن مظاہر اسدی

غالباً حبیب بن مظاہر کا بھائی ہے۔ رجز پڑھتے ہوئے فوج اشقیاء پر حملہ آور ہوا اور ستر ملاعین کو تہ تیغ کر کے شہید ہوا۔

۱۰۷۔ عمارہ بن ابی سلامہ ہمدانی

زیارت ناحیہ میں اس پر سلام وارد ہے۔ یہ شخص حضرت امیر علیہ السلام کے ہمرکاب جنگ جمل صفین و نہروان میں شامل رہا۔ بصرہ کی طرف جاتے ہوئے اس نے حضرت امیر سے دریافت کیا تھا کہ حضور! آپ بصریوں سے کیا سلوک کریں گے تو آپ نے فرمایا تھا ان کو اطاعتِ خدا کی طرف دعوت دوں گا اگر نہ مانے تو ان سے جنگ کروں گا تو عمارہ نے کہا کہ حضور: اس صورت میں بس فتح آپ کی ہی ہے کیونکہ کسی کی مجال نہیں کہ حق والوں کو زیر کر سکے۔ یہ شخص کربلا میں حاضر ہوا۔ اور روز عاشور حملہ اولیٰ میں شہید ہوا۔

۱۰۸۔ عمرو بن جنادہ

زیارت ناحیہ مقدسہ میں جنادہ بن کعب اور اس کے بیٹے عمرو بن جنادہ بن کعب دونو پر سلام وارد ہے۔

عمرو بن جنادہ کی عمر بعض نے نو برس اور بعض نے گیارہ برس لکھی ہے۔ اس کا باپ جنادہ پہلے شہید ہو چکا تھا۔ بعض مورخین نے اس کو نوجوان بھی لکھا ہے چنانچہ منتہی الآمال سے مروی ہے کہ ایک جوان خیمہ سے نکلا جس کا باپ پہلے شہید ہو چکا تھا۔ اس کی ماں اس کے ہمراہ تھی اُس نے کہا دیکھو بیٹیا جاؤ اور فرزند پیغمبرؐ کے سامنے جہاد کرو۔ پس ماں کا فرمان سن کر یہ نوجوان میدان کی طرف بڑھا جب امام حسینؑ کی نظر پڑی تو لاکر فرمایا اے بیٹے تیرا باپ شہید ہو چکا ہے۔ اب تیری موت تیری ماں کے لئے زیادہ تکلیف دہ ہوگی۔ اس جوان نے عرض کی آقا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں مجھے ماں ہی نے تو جہاد کے لئے بھیجا ہے۔ اس لڑکے نے یہ رجزیہ اشعار پڑھے۔

أَمِيْرِيْ حُسَيْنٌ وَنِعْمَ الْأَمِيْرِ ... سُرُوْرُ فُؤَادِ الْبَشِيْرِ النَّذِيْرِ

میرا امیر حسینؑ اور بہترین امیر ہے ... جو بشیر و نذیر کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے

عَلِيٌّ وَفَاطِمَةُ وَالِدَاهُ ... فَهَلْ تَعْلَمُوْنَ لَهُ مِنْ نَظِيْرٍ

جس کے ماں باپ علیؑ، فاطمہؑ ہوں اس کی کون نظیر ہو سکتا ہے

لَهُ طَلْعَةٌ مِثْلُ شَمْسِ الضُّحٰی ... لَهُ غُرَّةٌ مِثْلُ بَدْرٍ مُنِيْرٍ

اس کا چہرہ سورج کی طرح نورانی ہے اور رونق مثل بدر منیر کے ہے

پس خوب لڑا آخر کار کوفیوں نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا اور لشکر گاہ حسینی کی طرف پھینک دیا۔ اس کی ماں

نے بچہ کا سر لے کر سینہ سے لگایا اور کہا شاباش بیٹا تو نے میرے دل کو روشن کیا۔ پس سر کو پرے غصہ کے ساتھ ایک شقی کی طرف پھینکا کہ وہ واصل جہنم ہوا پھر عمود خیمہ لے کر حملہ آور ہو گئی اور یہ رجز پڑھا۔

اَنَا عَجُوزٌ سَیِّدِیْ ضَعِیْفَۃ   خَالِیَۃٌ بَالِیَۃٌ نَحِیْفَۃ

میں اپنے آقا کی بوڑھی اور کمزور خادمہ ہوں

اَضْرِبُکُمْ بِضَرْبَۃٍ عَنِیْفَۃ   دُوْنَ بَنِیْ فَاطِمَۃَ الشَّرِیْفَۃ

اولاد فاطمہ کی حفاظت کے لئے اے دشمنو! تمہیں تلوار سے سخت ضرب ماروں گی

پس دو ملعونوں کو تہ تیغ کیا اور امام کے فرمانے سے واپس آگئی اور امام نے اس کے حق میں دعا کی۔ اس نیک بخت عورت کا نام بحریہ بنت مسعود خزرجی تھا اور اس کے بیٹے کے قاتل کا نام مالک بن نسر کہا گیا ہے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ کربلا ایک تشریع خاص کے ماتحت تھا۔

۱۰۹۔ عمرو بن جندب حضرمی

اس کی کوفہ میں رہائش تھی۔ حضرت علی کے صحابیوں سے تھا اور آپ کے ہمراہ جنگ جمل و صفین میں شریک رہ چکا تھا۔ کہتے ہیں کہ حجر بن عدی کا ہمنشین تھا جب حجر گرفتار ہوا تو یہ کسی طریقہ سے جان بچا کر بھاگ نکلا تھا۔ جب زیاد واصل جہنم ہوا تو دوبارہ واپس کوفہ میں آگیا۔ حضرت مسلم بن عقیل کی بیعت میں داخل ہوا۔ جب امیر مسلم گرفتار ہو گئے تو خفیہ طور پر کوفہ سے نکل کر امام عالی مقام کی فوج سے جا ملا۔ اور آپ کے ہمرکاب رہا۔ پس دسویں محرم کو حملہ اولیٰ میں فیض شہادت پاکر راہی جنت ہوا۔

۱۱۰۔ عمرو بن خالد صیداوی

زیارت ناحیہ میں اس پر سلام وارد ہے یہ شخص کوفہ میں مشہور و معروف شریف و مخلص شیعوں میں سے تھا حضرت مسلم کی بیعت میں داخل ہوا تھا۔ جب حضرت مسلم گرفتار ہوئے تو یہ چھپا رہا۔ جب امام حسین علیہ السلام کے قاصد قیس بن مسہر صیداوی نے آکر خبر دی کہ حسین علیہ السلام تشریف لا رہے ہیں تو یہ شخص چند اور ساتھیوں کے ہمراہ خفیہ طور پر امام عالی مقام کی خدمت میں پہنچا اور شرف شہادت پاکر راہی جنت ہوا۔

۱۱۱۔ عمرو بن ضبیعہ تمیمی صحابی

اس کو صحابیت رسالت مآبؐ کا شرف حاصل تھا۔ اپنے زمانہ میں بڑا شجاع دلیر اور مرد میدان تھا۔ کئی جنگوں میں جوہر شجاعت دکھا چکا تھا۔ عمرو بن سعد کے ہمراہ کربلا آیا اور جب دیکھا کہ انہوں نے صلح کی تمام شرائط ٹھکرا دی ہیں تو امام حسینؑ کی فوج میں شامل ہو گیا اور حملہ اولے میں شرف شہادت پر فائز ہوا۔ زیارت ناحیہ میں اس پر سلام وارد ہے۔

۱۱۲۔ عمرو بن عبداللہ جندعی

زیارت ناحیہ میں اس پر سلام وارد ہے۔ روز عاشور سے پہلے کربلا میں امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچا اور عاشور کے دن فوج اشقیاء پر حملہ آور ہوا۔ اس کے سر پر ایک کاری ضرب لگی جس سے بے ہوش ہو کر زمین پر گرا۔ پس اس کے قبیلہ والے اس کو اٹھا کر لے گئے۔ کوفہ میں ایک سال صاحب فراش رہا اور پھر راہی جنت ہوا۔

۱۱۳۔ عمرو بن کعب انصاری

زیارت رجبیہ میں اس پر سلام وارد ہے۔

۱۱۴۔ عمرو بن قرظہ انصاری

زیارت ناحیہ و رجبیہ میں اس پر سلام وارد ہے۔ اس کا باپ قرظہ صحابی رسولؐ تھا۔ جنگ احد اور اس کے بعد جتنی جنگیں ہوئیں ان سب میں شریک تھا۔ بعد میں کوفہ میں سکونت اختیار کر لی پھر جنگ جمل صفین و نہروان میں حضرت علیؑ کی رکاب ظفر انتساب میں شامل رہا۔ جنگ صفین میں انصار کا علم اسی قرظہ کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت امیر علیہ السلام نے اس کو فارس کی گورنری عطا فرمائی تھی۔

اس کے دو فرزند تھے ایک کا نام عمرو دوسرے کا نام علی۔ لیکن عمرو فوج حسینی میں تھا اور علی فوج اشقیاء میں شامل رہا۔ عمرو بن قرظہ کربلا میں خدمت امام میں پہنچا۔ امام حسینؑ وقتاً فوقتاً اسی کو عمر سعد سے بات کرنے کے لئے بھیجا کرتے تھے اور یہ جا کر واپس جواب لاتا تھا۔ ایک دفعہ امام پاک نے عمرو کو بھیجا کہ ابن سعد سے کہو میں آج رات تنہائی میں تجھ سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ پس عمر بن سعد اپنے ہمراہ بیس سوار لایا اور امام حسینؑ بھی اپنے ہمراہ بیس سوار لے گئے۔ دونو لشکروں

کے درمیان ملاقات ہوئی۔ دونوں طرف سے ساتھیوں کو دُور کھڑا کر دیا گیا۔ حسینؑ کے ساتھ اب صرف حضرت عباس اور علی اکبر تھے۔ اور اس طرف عمر سعد کے ہمراہ اس کا بیٹا حفص اور ایک غلام تھا۔ امام نے فرمایا۔ اے عمر تیرے اوپر وائے ہو کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا اور قیامت کا تجھے خوف نہیں کہ میرے ساتھ جنگ پر آمادہ ہے حالانکہ تو مجھے خوب پہچانتا ہے پس بہتر ہے کہ ان ظالموں سے کنارہ کش ہو کر میرے ساتھ ہو جاؤ۔ اسی میں خدا و رسولؐ کی خوشنودی کا راز مضمر ہے ابن سعد نے جواب دیا کہ مجھے ڈر ہے کہ میرا گھر خراب کر دیں گے۔ امام نے فرمایا میں تجھے اس گھر سے بہتر گھر بنوا دوں گا، ابن سعد نے کہا میری جائداد ضبط ہو جائے گی، آپ نے فرمایا جتنی جائداد تیری ضبط ہو گی میں اپنی حجاز کی جائداد سے اسی قدر تجھے دے دوں گا۔ پھر اس نے کہا میرے بال بچے کوفہ میں ہیں مجھے ان کا خطرہ ہے پس آپ خاموش ہو گئے اور اس سے منہ پھیر لیا اور پھر فرمایا وائے ہو تجھ پر اور خدا تجھے قیامت کے دن نہ بخشے۔ خدا کی قسم مجھے اُمید ہے کہ تجھے عراق کی گندم نصیب نہ ہو گی وہ ملعون از راہِ تمسخر کہنے لگا گندم نہ سہی جو پر گذارا کر لوں گا۔

خلاصہ۔ عمرو بن قرظہ انصاری روزِ عاشور شیرانہ وار میدانِ کارزار میں داخل ہوا۔ اور پوری جانبازی سے مصروفِ جہاد ہوا۔ اگر کوئی تیر یا نیزہ امام عالی مقام کی طرف آتا ہوا دیکھتا تو سینہ سپر ہو جاتا تھا۔ پس امام عالی مقام سے عرض گذار ہوا۔ اے مولا۔ کیا میں وفاداری تو کر رہا ہوں؟ آپ نے فرمایا بے شک تو نے اپنے عہد کی وفا کی۔ اب میرے نانا رسولِ خداؐ کو میرا سلام کہنا اور میں بھی تمہارے پیچھے ابھی آتا ہوں۔ پھر بحرِ جنگ میں عاشقِ موت بن کر غوطہ زن ہوا۔ کافی دشمنوں کو فی النار کیا اور آخر کار جامِ شہادت نوش فرما کر ساکنِ جنان ہوا۔

۱۱۵۔ عمرو بن مطاع جعفی

مؤرخین نے شہدائے کربلا کی فہرست میں اس کا نام بھی ذکر کیا ہے تفصیل معلوم نہیں۔

۱۱۶۔ عمیر بن عبداللہ مذحجی

بروایت ابن شہر آشوب یہ بھی شہدائے کربلا میں سے ہے اس کو عبداللہ بجلی اور مسلم ضبابی نے شہید کیا۔

۱۱۷۔ عمیر بن کناد

زیارت رجبیہ میں اس پر سلام وارد ہے۔

۱۱۸۔ غیلان بن عبدالرحمٰن

زیارتِ رجبیہ میں اس پر سلام وارد ہے۔

۱۱۹۔ غلام حربن یزید ریاحی

اس کا نام عروہ مذکور ہے۔ لشکرِ اشقیاء میں داخل تھا جب اپنے آقا حر کو شہید دیکھا تو فوجِ اشقیاء پر حملہ آور ہو گیا۔ کافی ملاعین کو تہ تیغ کر کے خدمتِ امام میں پہنچا اور اذنِ جہاد حاصل کر کے دوبارہ میدان میں گیا اور مصروفِ جہاد ہو کر آخر شہید ہوا۔

۱۲۰۔ غلام نافع بن ھلال

یہ کوفہ سے معہ چند ساتھیوں کے خفیہ طور پر نکل کر خدمتِ امام میں پہنچا اور روزِ عاشور شرفِ شہادت سے فیضیاب ہوا۔

۱۲۱۔ غلام حجاج بن مسروق

بعض کتب میں اس کا نام شہدائے کربلا میں ملتا ہے جیسا کہ حجاج بن مسروق کے ذکر میں گذر چکا ہے۔

۱۲۲۔ فیروزان

ریاض الشہادۃ سے منقول ہے کہ یہ امام حسن علیہ السلام کا غلام تھا اور روزِ عاشور شہید ہوا بعض مورخین نے اس کے مقتولین کی تعداد ایک سو تیس بیان کی ہے۔

۱۲۳۔ قارب بن عبداللہ بن اُریقط

جناب رسالت مآب جب غار میں تھے تو قارب کے باپ عبداللہ کا وہاں سے گذر ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ اے ابن اُریقط۔ اگر میں تیرے اوپر اعتماد کروں اور اپنی جان تیرے حوالہ کروں تو کیا تو میری حفاظت کرے گا اور کسی خفیہ راستہ سے مجھے مدینہ پہنچائے گا۔ عبداللہ نے جواب دیا کہ عنکبوت کے جال اور کبوتروں کے آشیانہ سے مجھے یقین ہو گیا ہے۔ کہ آپ پیغمبرِ خدا ہیں میں آپ پر ایمان لاتا ہوں اور آپ کی حفاظت بھی کروں گا پس وہ مدینہ تک آپ کے ساتھ آیا۔

امام حسین علیہ السلام کی ایک کنیز تھی جس کا نام نکیہ تھا۔ امام حسینؑ نے اسی کنیز کی شادی اسی عبداللہ سے کر دی اور اُسی سے قارب پیدا ہوا اور قارب کی والدہ نکیہ جناب ام رباب حرم سید الشہداء کی خدمت پر مامور تھی اور یہ قارب اپنی والدہ کے ہمراہ امام کے ہمرکاب کربلا میں آیا اور روز عاشور حملۂ اولیٰ میں درجہ شہادت پر فائز ہوا۔ زیارت ناحیہ میں اس پر بھی سلام وارد ہے۔

۱۲۴۔ قرہ بن ابی قرہ غفاری

نفس المہموم سے منقول ہے کہ یہ شخص رجز پڑھتا ہوا میدان کی طرف بڑھا اور نہایت بہادری اور دلیری سے قوم اشقیاء پر حملہ آور ہوا۔ ۶۸ ملاعین کو تہ تیغ کر کے درجہ شہادت پر فائز ہوا۔

۱۲۵۔ قاسط تغلبی

زیارت ناحیہ و رجبیہ میں قاسط اور کردس دونوں بھائیوں پر سلام ہے۔ ان کے باپ کا نام زہیر تھا۔ بعض روایات میں ان کے تیسرے بھائی کا نام مقسط وارد ہے کہ یہ تینوں حضرت امیر علیہ السلام کے ہمرکاب جنگ صفین میں موجود تھے اور خوب جہاد کیا تھا اور آپ کے بعد امام حسنؑ کے ہمراہ رہے اور حضرت امام حسینؑ کے ساتھ میدان کربلا میں آئے اور روز عاشور حملۂ اولیٰ میں تینوں شہید ہو گئے۔

۱۲۶۔ قاسم بن حبیب ازدی

یہ شخص کوفہ سے ابن سعد کی فوج میں شامل ہو کر نکلا اور کربلا میں پہنچ کر امام حسینؑ کی فوج میں شامل ہو گیا اور روز عاشور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوا۔ زیارت ناحیہ و رجبیہ میں اس پر بھی سلام وارد ہے۔

۱۲۷۔ قاسم بن حارث کاہلی

زیارت رجبیہ میں اس پر سلام وارد ہے۔

۱۲۸۔ قعنب بن عمرو

شیعیان بصرہ میں سے تھا۔ روز عاشور جہاد کر کے شہید ہوا۔ کہتے ہیں کہ حجاج سعدی کے ہمراہ یہ بھی بصرہ سے آیا تھا۔

زیارت ناحیہ مقدسہ میں اس پر سلام وارد ہے۔

۱۲۹۔ قیس بن عبداللہ ہمدانی

زیارت رجبیہ میں اس پر بھی سلام وارد ہے۔

۱۳۰۔ کردوس بن زہیر

قاسط بن زہیر کے بیان میں آچکا ہے۔

۱۳۱۔ کنانہ بن عتیق تغلبی

کنانہ کا باپ عتیق صحابئ رسول تھا۔ اور جنگِ احد میں ہمرکاب رسولؐ تھا۔ یہ کنانہ کوفہ کے نامی بہادروں میں سے تھا اور بڑا عبادت گذار اور قاری قرآن تھا۔ روز عاشور حملہ اولیٰ میں شہید ہوا۔

۱۳۲۔ مالک بن انس مالکی

نفس المہموم سے مروی ہے کہ یہ شخص روز عاشور میدان جنگ میں جہاد کے لئے گیا۔ اور چودہ یا اٹھارہ ملاعین کو باختلاف روایات فی النار کر کے درجۂ شہادت پر فائز ہوا۔

۱۳۳۔ مالک بن اوس

بروایت اعثم کوفی اس کو شہدائے کربلا میں شمار کیا گیا ہے۔

۱۳۴۔ مالک بن دودان

نفس المہموم سے مروی ہے کہ یہ شخص رجز پڑھتے ہوئے دشمنانِ حسینؑ پر حملہ آور ہوا۔ اور بروایت ابومخنف سات ملاعین کو جہنم پہنچا کر درجۂ رفیعۂ شہادت پر فائز ہوا۔

۱۳۵۔ مالک بن عبداللہ بن سریع

زیارت ناحیہ مقدسہ میں اس پر سلام وارد ہے۔ طبری سے منقول ہے کہ مالک بن عبداللہ اور سریع (غالباً یہ سیف بن حارث ہے جس کا بیان گذر چکا ہے) یہ دونوں ماں کی طرف سے بھائی اور باپ کی طرف سے ایک دوسرے کے چچازاد تھے۔ ایام صلح میں کربلا پہنچے اور امام عالیمقام کی فوج میں شامل ہوئے۔ روز عاشور جب آتش حرب شعلہ زن ہوئی تو دونوں روتے ہوئے خدمتِ امام میں حاضر ہوئے۔ امام نے فرمایا اے برادر زادے! کیوں روتے ہو؟ تو آنسو بہاتے ہوئے عرض گذار ہوئے۔ ہمارے ماں باپ آپ پر نثار ہوں۔ ہم اپنے قتل ہونے کے خوف سے نہیں روتے بلکہ آپ کی غر بے کسی ہمیں رلا رہی ہے۔ آپ اس ناہنجار قوم میں گھر چکے ہیں اور آپ کو ہم ان مصائب سے چھڑا بھی نہیں سکتے۔ آپ نے فرمایا: خدا کی قسم ایک گھنٹہ کے بعد تمہاری آنکھیں نعماتِ ابدیہ سے ٹھنڈی ہوں گی۔ خدا تمہیں اس ہمدردی کی جزائے خیر دے۔ پس دونوں نے میدانِ کارزار کا رخ کیا اور آخر کار درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

۱۳۶۔ مالک بن عبداللہ جابری

زیارتِ رجبیہ میں اس پر سلام وارد ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہدائے کربلا میں سے تھا۔

۱۳۷۔ مبارک

یہ حجاج بن مسروق کا غلام تھا اور اپنے آقا کے ہمراہ وارد کربلا ہوا۔ اور آخر درجہ شہادت پر فائز ہوا۔

۱۳۸۔ مجمع بن زیاد جہنی صحابی

یہ شخص صحابی رسول تھا۔ ابن عبدالبر نے ذکر کیا ہے کہ جنگ احد و بدر میں بھی شریک ہوا تھا۔ قبیلہ جہینہ سے تھا۔ اس قبیلہ کی آبادی مدینہ سے قریب تھی۔ جب امام حسین علیہ السلام عازم سفر عراق ہوئے تو اس جگہ کے کافی لوگ آپ کے ہمرکاب ہو گئے تھے لیکن منزل زبالہ پر جب مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر پہنچی تو اکثر اعرابی ساتھ چھوڑ گئے لیکن یہ شخص تا آخر ہمرکاب رہا اور روز عاشور میدانِ جنگ میں کافی ملاعین کو تہِ تیغ کر کے جامِ شہادت نوش کیا۔

٭٭٭

۱۳۹۔ مجمع بن عبداللہ عائذی

یہ شخص حضرت امیر علیہ السلام کے صحابہ میں سے تھا۔ اور اس کا باپ صحابی رسولؐ تھا۔ یہ مجمع جنگِ صفین میں شاہِ ولایت کے ہمرکاب تھا۔ یہ اور اس کا بیٹا عائذ کوفہ میں مقیم تھے جب امام حسین علیہ السلام کے سفیر قیس بن مسہر صیداوی نے آکر خبر دی کہ امام عالی مقام بطن رُمّہ میں پہنچ چکے ہیں تو یہ دونوں باپ بیٹا اور عمرو بن خالد صیداوی اور سعد اور جنادہ بن حارث اور نافع بن ہلال کا غلام یہ کل چھ آدمی کوفہ سے روانہ ہوگئے اور عذیب الہجانات کے مقام پر امام سے جا ملے۔ حر بن یزید ریاحی نے مزاحمت کرنی چاہی لیکن امام پاک نے اس کو اس حرکت سے سختی کے ساتھ روکا۔ چنانچہ حر اپنے ارادہ سے باز آیا اور امام نے ان کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ امام پاک نے ان سے کوفہ کے حالات دریافت فرمائے تو مجمع بن عبداللہ نے عرض کی۔ اے فرزند رسولؐ ابن زیاد کی طرف سے روساء کوفہ کو رشوت بھی کافی دی گئی ہے۔ اور مکر و فریب سے ان کو اپنے ساتھ ملا لیا گیا ہے۔ اور عوام کوفہ کی یہ حالت ہے کہ وہ لوگ دل سے آپ کو چاہتے ہیں لیکن اپنے سرداروں کے دباؤ کی وجہ سے ان کی تلواریں آپ کے قتل کے لئے تیار ہیں۔ آپ نے اپنے سفیر قیس بن مسہر صیداوی کے متعلق دریافت فرمایا تو اس نے جواب دیا کہ حضور! حصین بن نمیر نے اس کو گرفتار کرکے ابن زیاد کے پیش کیا تھا۔ ابن زیاد نے اس کو آپ کے اور آپ کے والد کے اُوپر سب کرنے کا حکم دیا تھا کہ وہ بر سر منبر ایسا کرے لیکن اس نے منبر پر جاکر آپ پر درود و سلام بھیجا اور معاویہ و یزید و ابن زیاد پر لعنت بھیجی، چنانچہ ابن زیاد کے حکم سے اس کو محل کی چھت سے گرا دیا گیا۔ جس سے اس کی ہڈیاں پسلیاں چور ہوگئیں اور شہید ہوگیا۔ دسویں محرم کو جب لڑائی شروع ہوئی تو عمرو بن خالد صیداوی، جنادہ بن حارث، سعد مولیٰ عمرو اور مجمع بن عبداللہ چاروں مل کر میدان کارزار میں مشغول جہاد ہوئے اور نہایت جانبازی سے لڑکر درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

۱۴۰۔ محمد بن بشر حضرمی

اس کے باپ بشر بن عمر حضرمی کے تذکرے میں گذر چکا ہے کہ اس کو عین جنگ کے وقت اپنے بیٹے کی اسیری کی اطلاع دی گئی تھی تو اس نے نہایت جرأت سے کہا تھا کہ مجھے اس کا اجر خدا دے گا، گویا فرزند رسولؐ کو نرغۂ اعدا میں چھوڑ کر میں بیٹے کی رہائی کے لئے ہرگز نہ جاؤں گا تو امام پاک نے اس سے بیعت اٹھالی اور فرمایا تجھے میری طرف سے اجازت ہے لیکن اس سراپا ایمان نے جواب دیا کہ میں کسی قیمت پر آپ سے جُدائی پسند نہیں کرتا۔ پس آپ نے ایک ہزار دینار کے قیمتی لباس اس کو عطا فرمائے کہ اپنے بیٹے محمد کو دے کر روانہ کرو تاکہ اپنے بھائی کا فدیہ ادا کرکے اس کو چھڑا لائے۔

اس واقعہ کے بعد تاریخ خاموش ہے کہ آیا محمد بن بشیر وہ لباس لے کر بھائی کے چھڑانے کے لئے گیا یا وہیں رہ کر شہید ہو گیا لیکن حالات حاضرہ کا تقاضا یہ ہے کہ وہ کربلا میں رہ گیا اور درجہ شہادت پر فائز ہوا کیونکہ جہاں ایک طرف اس کا بھائی اسیری میں مبتلا تھا وہاں آنکھوں کے سامنے اس کا باپ دشمنوں سے مصروف جنگ تھا تو یہ ایک غیرت انسان سے کیسے ممکن ہے کہ اپنے بھائی کی خیر خواہی کے لئے باپ کو معرض قتل میں چھوڑ کر چلا جائے۔ لہٰذا مطلب یہ ہے کہ محمد بن بشیر بھی اپنے باپ کے ہمراہ شہدائے کربلا میں داخل ہوگا۔ واللہ اعلم۔

۱۴۱۔ محمدؐ بن انس بن ابی دجانہ

ریاض الشہادہ میں اس کو شہدائے کربلا میں سے شمار کیا گیا ہے۔

۱۴۲۔ محمد بن مطاع

ناسخ سے منقول ہے کہ یہ شخص امام عالی مقام سے اجازت لے کر میدان جنگ میں گیا اور ۳ ملاعین کو تہ تیغ کر کے شہید ہوا۔

۱۴۳۔ مسعود بن حجّاج

زیارت ناحیہ ورجبیہ میں اس پر سلام وارد ہے۔ یہ شخص مشہور شیعیان جمل میں سے تھا اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کے ساتھ وارد کربلا ہوا اور حملہ اولیٰ میں شہید ہوا۔

۱۴۴۔ مسلم بن عوسجہ صحابی

یہ بزرگ باتفاق شیعہ وسنی صحابہ رسولؐ میں سے تھے اور حضرت امیر علیہ السلام کی غلامی کا بھی ان کو شرف حاصل تھا چنانچہ جنگ جمل، صفین ونہروان میں آپ کے ہمرکاب تھے، عبادت گذار شب بیدار اور قاری قرآن تھے نیز شجاعت میں بھی اپنی آپ نظیر تھے۔ ربیع الاحزان سے منقول ہے کہ انہوں نے کئی مرتبہ حضرت امیر علیہ السلام کو قرآن سنایا تھا۔

جب حضرت امیر مسلم کوفہ میں تشریف لائے تو مسلم بن عوسجہ قبض اموال اخذ بیعت اور بیع اسلحہ میں آپ کی جانب سے وکیل تھے۔ عموماً مسجد کوفہ میں مصروف عبادت رہا کرتے تھے۔ حضرت سیّد الشہداء علیہ السلام کے انصار میں سے یہ نہایت عظیم المرتبت شخصیت کے مالک تھے۔ زیارت رجبیہ و ناحیہ مقدسہ میں نہایت وقیع الفاظ میں ان پر سلام وارد ہے۔ اور

اجلۂ علمائے امامیہ نے ان کی عظمتِ شان کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ علامہ مامقانی اپنے رجال میں فرماتے ہیں کہ مسلم بن عوسجہ کا تقویٰ و قوتِ ایمان اور جلالت قدر و عدالت کے بیان سے نطاق تحریر قاصر اور قوتِ بیان عاجز ہے۔

شبِ عاشور جب امام علیہ السلام نے صحابہ کو واپس چلے جانے کی اجازت مرحمت فرمائی تو مسلم بن عوسجہ نے عرض کی حضور! کیا ممکن ہے کہ ہم آپ کو نرغۂ اعداء میں تنہا چھوڑ کر چلے جائیں؟ یہ ہرگز نہ ہو گا ورنہ بارگاہِ رب العزت میں بروزِ محشر آپ کے نانا کو کیا جواب دیں گے اور کونسا عذر پیش کریں گے؟ خدا کی قسم آپ کی رکاب میں یہ نیزہ کفار کے سینوں میں توڑوں گا اور جب تک قبضۂ تلوار پر ہاتھ ہو گا، آپ کے دشمنوں سے جہاد کروں گا۔ اور بالفرض اگر میرے پاس کوئی ہتھیار نہ رہا تو پتھروں سے جہاد کروں گا بہرکیف آپ کی نصرت سے ہاتھ نہ کھینچوں گا اور خدا کے سامنے اس امر کا ثبوت اپنے عمل سے فراہم کروں گا کہ ہم نے ذریتِ پیغمبر کی تا زیست نصرت کی۔ خدا کی قسم اگر مجھے یقین ہو کہ میں مارا جاؤں گا۔ اور پھر زندہ ہوں گا اور پھر قتل کیا جاؤں گا اور میری لاش کو آگ سے جلایا جائے گا۔ اور ستر دفعہ میرے ساتھ یہ برتاؤ کیا جائے گا تب بھی آپ کی رکاب سے دور نہ ہوں گا۔ حالانکہ اب تو ایک ہی دفعہ مرنا ہے۔ اور اس کے بعد نعمتِ ابدی اور کرامت دائمی کا حاصل کرنا ہے۔ روزِ عاشور جب آتش حرب شعلہ زن ہوئی، عمرو بن حجاج زبیدی نے امام حسینؑ کے میمنہ پر حملہ کیا، اور شمر بن ذی الجوشن نے میسرہ پر چڑھائی کی تو مسلم بن عوسجہ غضبناک شیر کی طرح میدان میں رجز پڑھتا ہوا آگے بڑھا اور برق خاطف اور صرصر عاصف بن کر روباہ صفت انسانوں پر حملہ آور ہوا۔ پس نیزۂ لچکدار اور تلوار شربار کو خونِ کفار سے بار بار سیراب کرنے لگا اور حیدرِ کرار کا یہ جانباز وفادار غلام لشکرِ کفار کے لئے سیلِ عذاب کی شکل میں نمودار ہوا۔ عمر بن سعد کی فوج سے ایک نابکار نکلا تو مسلم بن عوسجہ نے اس کے دائیں پہلو میں اس زور سے نیزہ مارا کہ اس کے بائیں پہلو سے پار ہو گیا۔ پھر دوسرا آیا تو اس کو بھی دار البوار پہنچایا اور اسی طرح پچاس جنگ جو بہادروں کو فی النار کیا لیکن آخر سن رسیدہ بزرگ تھا، زخموں کی کثرت کی تاب نہ لا کر زمین پر گرا۔ ابھی جان میں رمق باقی تھی کہ حضرت امام حسینؑ بہت تیزی سے اس پروانۂ امامت کی خبرگیری کے لئے بنفسِ نفیس تشریف لائے اور حبیب بن مظاہر بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ پس امام نے اس کے حق میں دعائے رحمت کی۔

حبیب بن مظاہر نے مسلم کے بالین سر پہنچ کر کہا اے مسلم اگرچہ تیری یہ حالت میرے لئے ناقابلِ برداشت ہے لیکن تجھے بہشت کی بشارت ہو۔ مسلم نے نہایت کمزور اور بھرائی ہوئی آواز میں حبیب کو خیر و سعادت کی دعا دی۔ حبیب نے کہا۔ اے مسلم اگر تیرے بعد مجھے زندگی کا یقین ہوتا تو تجھے کہتا کہ کوئی وصیت کرو اور اس کے پورا کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتا لیکن میں ابھی تیرے نقشِ قدم پر تجھے ملنے والا ہوں۔ مسلم نے یہ سنتے ہی نہایت پامردی اور جوشِ ایمانی سے امام پاک

کی طرف انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا کہ میری وصیت صرف یہی ہے کہ اس آقا کی نصرت میں کوتاہی نہ کرنا اور جب تک جان میں جان ہے ، اس سردار کی حفاظت کرنا۔ حبیب نے جواب دیا خدا کی قسم میں اس وصیت کو ضرور پورا کروں گا۔ پس مسلم نے امام عالی مقام کی طرف خطاب کرتے ہوئے عرض کی آقا! اب میں جاتا ہوں تاکہ آپ کے جدِ بزرگوار کو آپ کی تشریف آوری کی اطلاع دوں۔ یہ فقرہ کہا اور جان جان آفریں کے حوالہ کر دی۔

مسلم بن عوسجہ کی ایک کنیز تھی جب اس نے اپنے آقا کو قتل ہوتے دیکھا تو نالہ و فغاں کی آواز بلند کی۔ یہ سن کر کوفیوں نے خوشیاں منائیں۔ شبث بن ربعی نے ان سے کہا تمہاری مائیں تمہارا غم دیکھیں، اپنے بزرگوں اور عزیزوں کو اپنے ہاتھوں قتل کر کے خوشیاں مناتے ہو، اور مسلم کے قتل سے خوش ہوتے ہو۔ خدا کی قسم مسلم وہ شخص ہے جس کو اسلام میں مرتبۂ بلند اور منزلِ رفیع حاصل تھی میں نے اپنی آنکھوں سے اس کو آذربیجان کی جنگ میں دیکھا ہے۔ کہ اس کی شجاعت نے کفّار کے حوصلے پست کر دیئے تھے اور ابھی صف آرائی نہیں ہوئی تھی کہ چھ بہادروں کو ایک آن میں اس نے تہ تیغ کر دیا تھا۔ کیا ایسے مردِ میدان اور مسلمانوں کی لاج رکھنے والے شہسوار کی موت سے تم خوش ہوتے ہو۔؟

مسلم بن عوسجہ کے قاتل عبدالرحمٰن بن ابی خشکارہ بجلی اور مسلم بن عبداللہ ضبابی ہیں جن کو بعد میں مختار نے قتل کرا یا تھا۔

کتاب تحفۂ حسینیہ سے منقول ہے کہ جب امام حسینؑ وارد کربلا ہوئے اور کوفی لوگ امام سے لڑنے کے لئے تیار ہوئے تو حبیب بن مظاہر کا گذر بازار میں ایک عطار کی دوکان سے ہوا دیکھا کہ مسلم بن عوسجہ مہندی خرید کر رہے تھے حبیب نے مسلم سے احوال پرسی کی تو مسلم نے جواب دیا مہندی خرید کر کے حمام جانا چاہتا ہوں۔ حبیب نے کہا کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ ہمارے آقا و مولا حضرت حسینؑ کربلا میں ہیں، ہمیں جلدی سے ان کی خدمت میں پہنچنا چاہیئے۔ پس سب پروگرام چھوڑ دیئے اور کربلا پہنچے۔

جنگ آذربیجان ۲۲ھ دوسری خلافت کے زمانہ میں ہوئی تھی اس میں فوج عرب کی تعداد چالیس ہزار پر مشتمل تھی۔

۴۵۔ اسلم بن کثیر ازدی صحابی

زیارت ناحیہ مقدسہ میں اس پر اسلم بن کثیر ازدی کے نام سے سلام وارد ہے لیکن کتب رجال اور صحائف تاریخ میں اس کا نام مسلم بن کثیر وارد ہے۔ لہٰذا غالب خیال یہ ہے کہ کاتب کی غلطی سے مسلم کی بجائے اسلم لکھا گیا ہو۔ مروی ہے کہ جنگ جمل میں ایک تیر اس کے پاؤں میں لگا تھا جس کی وجہ سے وہ لنگڑا ہو گیا تھا اور اسی لئے مسلم بن کثیر اعرج کے نام سے مشہور ہے۔ اور عسقلانی سے اس کا صحابی رسول ہونا منقول ہے۔ یہ بزرگوار حملہ اولیٰ میں شہید ہوا۔

۱۴۶۔ مُسلم بن کناد

زیارت رجبیہ میں اس پر سلام وارد ہے۔

۱۴۷۔ مصعب بن یزید ریاحی

یہ حر کا بھائی ہے جب حر امام علیہ السلام کی خدمت میں تائب ہو کر آیا اور پھر اذن جہاد لے کر میدان میں پلٹا تو اس کے رجزیہ اشعار اس کے بھائی مصعب نے سنے پس گھوڑا دوڑا کر حر کے پاس پہنچا کوفیوں نے یہ سمجھا کہ بھائی سے لڑنے جا رہا ہے لیکن جب یہ حر کے قریب پہنچا تو حر کو مبارک باد دی اور اپنی توبہ کا تذکرہ کیا۔ پس حر اس کو امام کی خدمت میں لایا امام نے اس کو اپنے صحابہ کی صف میں جگہ دی جب حر شہید ہوا تو اس نے اجازت چاہی اور میدان کارزار میں خُوب جوہر شجاعت دکھا کر شربت شہادت نوش کیا۔

۱۴۸۔ معلّٰی بن علی

ابو مخنف سے منقول ہے کہ یہ شخص جرات و شجاعت میں یگانۂ دہر تھا۔ میدان جنگ میں اس نے خوب داد شجاعت دی اور سو نامبر آور دو اشخاص کو تہ تیغ کیا جب لشکر اعداء نے اس بیشۂ شجاعت کے شیر کے مقابلہ میں بزدلی کا مظاہرہ کیا تو از راہ مکر و فریب ہر طرف سے تیر و تلوار و نیزہ و سنگ باراں سے اس پر حملہ آور ہوئے بالآخر ہزاروں کا مقابلہ ایک تنہا انسان کہاں تک کرتا گرفتار ہو کر ابن سعد کے پیش ہوا۔ تو اس نابکار نے اس کا سر تن سے جُدا کرنے کا حکم دے دیا۔

۱۴۹۔ مقسط بن زہیر

قاسط کے بیان میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

۱۵۰۔ منجح بن سہم

یہ شخص حضرت سید الشہدا علیہ السّلام کا غلام تھا۔ زیارت رجبیہ اور ناحیہ میں اس پر سلام وارد ہے۔
ربیع الابرار زمخشری سے مروی ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے نوفل بن حارث سے ایک کنیز خریدی تھی

جس کا نام شُنیبہ تھا اور آپ نے اس کی شادی سہم نامی ایک شخص سے کر دی تھی اور اس سے منجح پیدا ہوا تھا۔ پس یہ امام حسین علیہ السّلام کا پروردہ تھا اور اس کی ماں حسنیہ امام زین العابدین علیہ السّلام کے گھر میں خادمہ کے فرائض انجام دیتی تھی جب امام پاک عازم سفر عراق ہوئے تو یہ ماں بیٹا دونو امام کے ہمرکاب کربلا میں آئے۔ اور منجح روز عاشور حملہ اولیٰ میں شہید ہوا اس کو حسان بن بکر حنظلی نے شہید کیا۔

۱۵۱۔ منذر بن سلیمان

کتب رجال میں منذر بن سلیمان کو امام حسینؑ کے اصحاب سے شمار کیا گیا ہے لیکن زیارت رجبیہ میں منذر بن مفضل پر سلام وارد ہے۔ اب یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے کہ کاتب کی لغزش ہے یا واقع میں شخص دو ہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۵۲۔ منیع بن زیاد

زیارت رجبیہ میں اس پر سلام وارد ہے۔

۱۵۳۔ منیر بن عمرو احدب

شیخ سے مروی ہے کہ یہ شخص بھی امام حسین علیہ السّلام کے اصحاب میں سے تھا۔

۱۵۴۔ موقع ابن ثمامہ اسدی

یہ شخص تابعین میں سے ہے۔ عمر بن سعد کے ہمراہ لشکر اعدا میں تھا۔ جب دیکھا کہ امام حسینؑ کے شرائط صلح کو ان لوگوں نے ٹھکرا دیا ہے اور امام کے قتل کے درپے ہیں تو روز عاشور تائب ہو کر امام کی خدمت میں پہنچا اور نہایت جانبازی سے جہاد کیا۔ جب زخموں سے چور ہو کر گرا تو اس کو اپنی قوم بنی اسد اٹھا کر میدان سے باہر لے گئی اور اپنے ہمراہ کوفہ لے آئی۔ عمر بن سعد جب کربلا سے واپس کوفہ میں پہنچا تو ابن زیاد کو موقع کے متعلق خبر دی۔ ابن زیاد نے اسے قتل کرانا چاہا لیکن قوم بنی اسد نے مل کر اس کے حق میں سفارش کی چنانچہ ابن زیاد نے اس کو قتل نہ کیا لیکن زنجیروں میں قید کر کے بحرین کے علاقہ میں ایک مقام زارہ کی طرف اس کو بھجوا دیا۔ یہ مظلوم ایک سال برابر وہاں زنجیروں میں اسیر رہ کر شہید ہو گیا۔

☆

۱۵۵۔ نافع بن ہلال جملی

ابن اثیر جزری سے اسد الغابہ میں منقول ہے کہ یہ نافع بن ہلال بن نافع بن جمل بن سعد العشیرہ بن مدحج جملی ہے۔ زیارت ناحیۂ رجبیہ میں اس پر ان الفاظ سے سلام وارد ہے۔ اَلسَّلَامُ عَلٰی نَافِعِ بْنِ هِلَالِ بْنِ نَافِعِ الْجَمَلِیِّ الْمُرَادِیِّ۔ پس کلمات زیارت اور ماہرین علم رجال کی نقل سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ اس کا نام نافع بن ہلال درست ہے۔ لہٰذا بعض کتب میں ہلال بن نافع کا ہونا تحریف ہے۔ نیز جملی درست ہے۔ اور بعض کتب میں بجلی کا لفظ بھی تصحیف معلوم ہوتا ہے۔

یہ شخص حضرت امیر علیہ السلام کا پروردہ تھا۔ اور جرأت و شجاعت اور فن سپہ گری میں یگانۂ روزگار تھا نیز علم حدیث اور فن کتابت میں مہارت کاملہ رکھتا تھا۔ ولائے اہل بیت اور محبت ذریت پیغمبر میں اپنے پورے قبیلہ کا پیش رو تھا جنگ جمل صفین اور نہروان میں حضرت امیر کے ہمرکاب تھا۔ جب لوگوں نے حضرت امیر مسلم سے غداری کی تو یہ شخص چند دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ مقام عذیب الہجانات پر امام حسین کی خدمت میں آ پہنچا۔ جب حُر نے پیش بندی کے طور پر راستہ روکا۔ اور امام حسین علیہ السلام نے خطبہ دیا تو زہیر بن القین نے کھڑے ہو کر چند کلمات کہے جو اس کے خلوص و جوش عقیدت کے آئینہ دار تھے۔ پھر نافع بن ہلال اٹھا۔ اور اس نے عرض کی اے آقائے نامدار! آپ کے جد عالیمقدار نے لوگوں کو اپنی اطاعت کی دعوت دی تو لوگ دو قسموں پر تھے۔ بعض ایسے تھے جو وعدہ وفا کرتے تھے اور بعض ایسے بھی ہوا کرتے تھے کہ وعدہ کر کے اس کو پس پشت ڈال دیتے تھے اور کئی منافق تو اس قسم کے تھے کہ حضور کے سامنے ان کے کلمات شہد سے بھی شیریں تر ہوا کرتے تھے اور ان کا عمل ایلوے سے بھی زیادہ تلخ ہوا کرتا تھا۔ پس آپ بھی اسی دستور سے آگے بڑھیں اور غداروں کی پرواہ نہ کریں۔ خدا کی قسم ہم خدا کی قضا سے ہرگز ناراض نہیں ہیں۔ آپ ہمیں جس طرف بھیجیں ہمیں کوئی عذر نہ ہوگا۔ ہم اپنے ارادہ و عقیدہ پر ثابت ہیں اور ثابت رہیں گے۔ آپ کے دوستوں کو دوست اور آپ کے دشمنوں کو دشمن سمجھتے ہیں اور سمجھتے رہیں گے۔

طبری میں منقول ہے کہ جب امام حسین پر پانی بند کر دیا گیا تو رات کے وقت امام نے حضرت ابوالفضل عباس کو کنار فرات بھیجا۔ تیس سوار اور بیس پیادے اور بیس مشکیں ان کو دیں۔ سب سے آگے آگے نافع بن ہلال تھا۔ عمرو بن حجاج زبیدی جو ساحل فرات پر عمر بن سعد کی طرف سے مامور تھا۔ اس کو جب خبر ہوئی تو آواز دی کہ تم کون ہو؟ نافع نے جواب دیا کہ میں نافع بن ہلال جملی ہوں۔ عمرو بن حجاج نے پوچھا کیوں آیا ہے؟ تو نافع نے جواب دیا کہ پانی لینے آیا ہوں۔ عمرو بن حجاج نے جواب دیا تم بے شک پی سکتے ہو۔ نافع نے جواب دیا خدا کی قسم میرا آقا پیاسا ہے۔ میں ان کے بغیر ہرگز پانی نہ پیوں گا عمرو بن حجاج نے کہا کہ حسین اور اس کے ساتھیوں کے لئے پانی پینے کی کوئی اجازت نہیں اور میں دریائے فرات پر پہرہ دار

ہوں۔ نافع نے ان مشک برداروں کو حکم دیا کہ خیمہ گاہ کی طرف جائیں۔ ایک شخص مزاحم ہوا جس کو نافع نے تلوار کی ضرب لگائی اور وہی اس کے لئے پیغامِ موت ثابت ہوئی پس اس رات یہ مشکیں صحیح سالم خیمہ گاہ میں پہنچیں۔

دمعۂ ساکبہ سے منقول ہے کہ جب امام حسین علیہ السّلام وارد کربلا ہوئے تو نافع بن ہلال کو بارگاہِ حسینی میں شرفِ خصوصی حاصل تھا خصوصاً خطرہ کے مقام پر یہ شخص امامِ پاک کے لئے جائے اعتماد تھا کیونکہ علم و فراست اور تدبر و سیاست میں یہ شخص دانا و بینا اور بصیر و خبیر تھا۔ ایک رات کا واقعہ ہے کہ امام حسین علیہ السّلام تنہا خیموں سے باہر نکلے اور دشت و صحرا میں گھومنے لگے۔ گھومتے گھومتے کافی دُور نکل گئے۔ نافع بن ہلال نے دیکھا تو فوراً شمشیر حمائل کی، اور جلدی سے امام کے پاس پہنچا جب آپ کے کانوں میں اس کے پاؤں کی آہٹ پہنچی تو پیچھے کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کون ہو؟ عرض کی میرے ماں باپ آپ پر نثار ہوں میں نافع بن ہلال جملی ہوں۔ فرمایا اس وقت خیموں سے باہر کیوں آئے ہو؟ تو جواب دیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کو خیمہ گاہ سے تنہا باہر آتے دیکھا تو مجھ سے آپ کی مفارقت برداشت نہیں ہو سکی، خطرہ ہے کہ کہیں یہ کفار آپ کو تکلیف نہ پہنچائیں اس لئے فوراً حاضر ہوا ہوں آپ نے فرمایا میں اس لئے آیا ہوں کہ دیکھوں کہیں ابن سعد نے اس طرف خفیہ فوجیں تو نہیں بٹھائیں کہ مبادا کل کو پیچھے سے خیموں پر حملہ آور ہو جائیں۔

امام عالی مقام نے نافع سے فرمایا اے نافع! میری طرف سے تجھے اجازت ہے اور میں نے اپنی بیعت تجھ سے اٹھالی ہے، بے شک تو چلا جا اور اس مصیبت سے اپنے آپ کو نجات دے، سامنے والے دونوں پہاڑوں کے درمیان گذر کر کسی امن کی جگہ پہنچ جا۔ جب نافع نے امام کا کلام سنا تو قدموں پر گر پڑا۔ اور رو کر عرض کی۔ مولا۔ میری ماں میرے غم میں بیٹھے اگر میں ایسا کام کروں۔ اے آقا! میں نے یہ گھوڑا اور یہ تلوار ایک ایک ہزار کی قیمت سے خریدا ہے اور مجھے اس خدا کی قسم جس نے مجھے آپ کی معرفت سے نوازا ہے۔ جب تک گھوڑے اور تلوار میں مقابلہ کی تاب رہے گی آپ کی نصرت سے ایک قدم پیچھے نہ ہوں گا۔

نافع بن ہلال کہتا ہے کہ اتنے میں امام اپنی بہن حضرت زینب خاتون کے خیمہ میں داخل ہو گئے اور میں انتظار میں دروازہ پر کھڑا ہو گیا۔ وہ بہن جو بھائی کی انتظار میں تھی بھائی کو آتے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور آرام کے لئے تکیہ پیش کیا پھر دونو بھائی بہن باہمی راز کی باتوں میں مشغول ہوئے اچانک میں نے عالیہ بی بی کے گریہ کی آواز سُنی کہتی تھیں ہائے کیا میں آپ کو اپنے سامنے ذبح ہوتے دیکھوں گی۔ اور بنی ہاشم کے چاند میری آنکھوں کے سامنے شہید ہوں گے۔ پھر آواز آئی۔ بھائی جان کیا آپ نے اپنے صحابہ کو آزما لیا ہے۔ مجھے تو ڈر ہے کہ لڑائی کے وقت مرت سے ڈر کر آپ کو تنہا نہ چھوڑ جائیں۔ مولا نے اپنی بہن کی یہ باتیں سن کر رو دیا اور فرمایا اے بہن تسلی کرو میں نے اپنے جانثاروں کو خوب آزما لیا ہے۔ وہ میری

محبت میں موت کو اس طرح چاہتے ہیں جس طرح بچہ اپنی ماں کے سینہ کو چاہتا ہے۔

عالیہ بی بی کی حسرت واندوہ کے جگر سوز وہوشربا کلمات سن کر نافع کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے پس چشم گریاں سیدھا حبیب بن مظاہر کے خیمہ میں آیا دیکھا کہ حبیب نے تلوار میان سے نکالی ہے اور در خیمہ پر بیٹھا ہے۔ نافع نے سلام کہہ کر سارا ماجرا سنایا اور عالیہ بی بی کی پریشانی و بے چینی کا ذکر کیا اور کہا کیا یہ ممکن نہیں کہ تمام اصحاب کو جمع کر کے اس مخدرہ بی بی کی تسلی کرائی جائے۔ حبیب نے جواب دیا بہت خوب ہے۔ پس دونوں اٹھ کھڑے ہوئے ایک طرف سے حبیب اور دوسری طرف سے نافع نے اصحاب کو بلانا شروع کیا تمام صحابہ نے اپنے برج خیام سے درخشندہ ستاروں کی طرح منہ باہر نکالا، حبیب نے بنی ہاشم کے نوجوانوں کو واپس آرام کرنے کے لئے بھیج دیا۔ اور باقی اصحاب سے بایں الفاظ خطاب فرمایا۔ اے غیور! اے میدانِ کارزار کے شیرو! نافع بن ہلال نے اس طرح خبر دی ہے کہ حسین کی بہن ہماری وفاداری سے مطمئن نہیں ہے اب تم ہی بچی اور کھری کھری بات بتاؤ کہ کیا ارادہ ہے۔ حبیب کا کلام سنتے ہی تمام اصحاب میں نالہ وفریاد کی آواز بلند ہوئی عمامے اتار پھینکے اور تلواریں نیام سے نکال لیں اور کہا اے حبیب اس خدا کی قسم جس نے ہمیں امام کی معرفت عطا فرمائی ہے۔ اگر اس قوم نابکار میں سے کسی بدنہاد نے خیام کی جانب کوئی قدم اٹھایا تو اس کا سر تن سے جدا کر دیں گے۔ اور پیغمبر کی وصیت پر اس کی ذریت کی حفاظت کے لئے پورا پورا عمل کریں گے۔ حبیب نے کہا اگر ایسا ہے تو میرے ساتھ چلیے چنانچہ حبیب آگے اور باقی اصحاب پیچھے روانہ ہوئے اور خیام کے درمیان آکر کھڑے ہو گئے۔ حبیب نے آواز دی۔ اے حریم عصمت کی شہزادیو: اے خانوادۂ رسالت کی پردہ نشینو! یہ تمہارے غلام قسم کھا کر عرض کرتے ہیں کہ ہماری آبدار تلواریں ان لوگوں کی گردنوں میں فرو کش ہوں گی جو تمہارے حق میں سوءِ ادب کا ارادہ رکھتے ہوں اور تمہارے غلاموں کے نیزے ان سینوں میں گھسیں گے جو تمہارے ساتھ کینہ رکھتے ہوں۔ جب امام عالی مقام نے صحابہ کے یہ کلمات سنے تو اہلِ حرم سے فرمایا سنو میرے وفادار اصحاب کیا کہہ رہے ہیں۔ بی بیوں نے اصحاب کے فرطِ عقیدت و جوشِ محبت کے دل افروز و ایمان افروز کلمات جب سنے تو ان کے حق میں دعا فرمائی اور فرمایا شاباش۔ اے پاک زادو! فاطمہ کی شہزادیوں کے پردہ کی حفاظت میں پوری جانبازی دکھاؤ۔

روضۃ الاحباب سے منقول ہے کہ نافع بن ہلال نہایت خوبصورت نوجوان تھا اور ایک خوشرو دوشیزہ سے تازہ شادی کر کے آیا تھا۔ ابھی تک اپنی بیوی سے آزادانہ پیار و محبت کی رسوم ادا نہ کر چکا تھا جب زوجہ نے نافع کو آمادۂ مرگ دیکھا تو روتے ہوئے اس نے اپنے شوہر کا دامن تھام لیا اور فریاد کرتے ہوئے کہا مجھ بے مراد کو کس کے حوالے کر کے جاتے ہو۔ امام نے جب اس کے سوز و گداز کے غم و درد بھرے کلمات سنے تو نافع سے فرمایا میری طرف سے

تجھے اجازت ہے بے شک اپنی بیوی کے ساتھ خوشی کے دن گذارو۔ نافع نے عرض کی۔ اے فرزند رسولؐ اگر آج آپ کی نصرت چھوڑ دوں تو کل بروز محشر آپ کے نانا کو کیا جواب دوں گا۔ پس عورت سے وداع کر کے میدان جنگ میں پہنچا چونکہ نہایت دلیر و بہادر اور فن تیر اندازی میں مہارت تامہ رکھتا تھا کبھی اس کا تیر نشانہ سے خطا نہ کرتا تھا۔ اس وقت اس کے ترکش میں اسی تیر موجود تھے۔ پس کمان ہاتھ میں لی اور تیر مارنا شروع کیا اور ہر تیر سے ایک سوار کو پشت زین سے فرش زمین پر گرایا۔ جب ترکش خالی ہوا تو تلوار ہاتھ میں لے کر بجلی کی طرح لشکر اعدا پر حملہ آور ہوا۔ اور یہ کہتا تھا کہ لوگو اگر تم مجھے نہ پہچانتے ہو تو میں ابن جملی ہوں۔ میرا دین حسینؑ اور علیؑ کا دین ہے۔

عمر بن سعد کے لشکر سے ایک شخص مزاحم بن حریث نکلا اور اس نے نافع کو آواز دے کر کہا کہ میں عثمان کے دین پر ہوں۔ نافع نے کہا کہ عثمان کے دین پر نہیں بلکہ شیطان کے دین پر ہے۔ یہ کہہ کر اس پر تلوار کا وار کر کے اسے جہنم رسید کیا پھر یہ رجز پڑھتا ہوا مشغول جنگ ہوا۔

أَنَا الْغُلَامُ الْيَمَنِيُّ الْجَمَلِيُّ دِيْنِيْ عَلٰى دِيْنِ حُسَيْنٍ وَعَلِيْ

أَضْرِبُكُمْ ضَرْبَ غُلَامٍ بَطَلِ وَيَخْتِمُ اللّٰهُ بِخَيْرٍ عَمَلِيْ

إِنْ أُقْتَلِ الْيَوْمَ فَهٰذَا أَمَلِيْ فَذَاكَ رَأْيِيْ وَأُلَاقِيْ أَمَلِيْ

ترجمہ۔ ۱۔ میں جوان یمنی و جملی ہوں۔ میرا دین حسینؑ و علیؑ کا دین ہے۔

۲۔ میں تمہیں اس طرح ماروں گا جس طرح کوئی بہادر جوان مارتا ہے اور خدا میرے اعمال کا خاتمہ نیکی سے کریگا۔

۳۔ آج قتل ہونا میری انتہائی خواہش ہے بس یہی میری رائے ہے اور میں اپنی امید کو پاؤں گا۔

بعض روایات میں ہے کہ زخمیوں کے علاوہ بارہ جوانوں کو تہ تیغ کیا اور ابو مخنف سے منقول ہے کہ ستر ملاعین کو قتل کیا۔ اور بعض اسی کہتے ہیں ممکن ہے اختلاف کی وجہ یہ ہو کہ جو لوگ بارہ کی تعداد بتلاتے ہیں ان کی مراد تلوار کے مقتولین ہوں۔ اور جو ستر یا اسی کی تعداد بتلاتے ہیں وہ تیروں سے مقتولین ہوں۔

جنگ کرتے کرتے اس کے دونوں بازو ٹوٹ گئے اور اس کو قید کر کے عمر بن سعد کے پیش کیا گیا۔ اس کے سر و صورت سے خون جاری تھا۔ ڈاڑھی خون میں تر تھی۔ اور نہایت جرأت سے کہتا تھا۔ کاش میرے ہاتھ کام کرتے ہوتے تو تم مجھے گرفتار کرنے پر قادر نہ ہوتے شمر نے کہا کہ اس کو قتل کیا جائے۔ ابن سعد نے نافع کے قتل کے لئے خود شمر کو متعین کیا تو نافع نے شمر کو نہایت دلیری سے ایک کلمہ کہا کہ اے شمر خدا کی قسم اگر تو مسلمان ہوتا تو تجھے میرے قتل کا احساس ہوتا پس اللہ کا شکر ہے کہ ہماری موت بدترین انسان کے ہاتھ سے واقع ہوئی۔ پس شہید کر دیا گیا۔

۱۵۶۔ نصر بن ابی نیزر

نصر کا باپ ابو نیزر بقول مبرد سلاطین عجم کی اولاد میں سے تھا اور علامہ زری سے مستدرک میں منقول ہے کہ نجاشی کی اولاد میں سے تھا۔ بچپنے سے اسلام قبول کر کے مدینہ میں آیا اور شرف صحابیت رسول حاصل کیا۔ حضرت رسالتمآب بنفس نفیس اس کی سرپرستی فرماتے تھے اور اس کے اخراجات برداشت فرماتے تھے۔ جب نجاشی کا دنیا سے انتقال ہوا تو حبشہ کے لوگ اس کو لینے کے لئے آئے تاکہ اس کو باپ کے تخت کا وارث بنا کر شاہی تاج اس کے سر پر رکھیں لیکن اس نے یہ الفاظ کہہ کر ان کی خواہش کو رد کر دیا کہ حضرت رسالت مآب کی ایک گھنٹہ کی نوکری عمر بھر کی حکومت سے مجھے محبوب تر ہے۔ جناب رسالت مآب کے بعد جناب بتول فاطمہ کے دروازۂ اطہر کی ملازمت اختیار کی اور حسنینؑ کی غلامی کو اپنا مایۂ زندگی قرار دیا۔ حضرت امیر علیہ السلام نے مزرعہ بغیبغہ اور مزرعۂ ابی نیزر کی نگہداری اس کے سپرد فرمائی تھی۔ ابو نیزر کہتا ہے۔ ایک روز حضرت امیر علیہ السلام اپنی کھیتی میں تشریف لائے اور فرمایا اے ابو نیزر تیرے پاس کھانے کو کوئی چیز ہے تاکہ چاشت تناول کریں میں نے عرض کی اے آقا! آپ کے پیش کرنے کے قابل تو میرے پاس کچھ نہیں البتہ اسی کھیتی سے ایک کدو ہے کہ میں نے پکایا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں وہی لاؤ۔ بس میں نے وہ پکا ہوا کدو پیش کیا۔ آپ اٹھے اور نالاب سے ہاتھ دھو کر کھانا کھایا پھر ریت مل کر اپنے ہاتھ صاف کئے اور ہاتھ کے چلو سے پانی پیا۔ پھر فرمایا یہ ہاتھ پانی پینے کا بہترین برتن ہیں۔ پھر اپنے ہاتھ مبارک شکم اطہر پر پھیرتے ہوئے فرمایا کہ جس پیٹ میں حرام کی غذا ہو گی وہ آتش جہنم میں جائے گا اور رحمت پروردگار سے دور رہے گا اس کے بعد کدال اٹھایا اور کنواں کھودنے میں مشغول ہوئے جب تھک گئے تو آکر بیٹھ گئے۔ پیشانی نورانی سے پسینہ جاری تھا۔ جس کو ہاتھ کی انگلیوں سے صاف فرماتے تھے۔ جب تھکان اتر گئی تو دوبارہ کدال لے کر کنوئیں میں اترے اور کھودنا شروع کیا یہاں تک کہ پانی نکل آیا۔ آپ باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ خدا کو شاہد بناتا ہوں کہ یہ صدقہ ہو گا۔ پس کاغذ دوات طلب کیا اور یہ تحریر لکھی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ وہ ہے جو علی بن ابی طالب نے صدقہ کیا ہے اور وہ دو باغیچے ہیں ایک عین ابی نیزر اور دوسرا البغیبغہ یہ فقراء مدینہ اور مسافرین کے لئے صدقہ ہے تاکہ قیامت کے روز کی حرارت کے لئے ڈھال ہو۔ نہ کسی کو اس کے بیچنے کا حق ہے اور نہ بخشنے کا حق ہے۔ یہاں تک کہ خدا خود اس کو سنبھال لے اور وہی بہتر وارث ہے ہاں اگر حسن وحسین کو کسی وقت ان کے فروخت کی ضرورت لاحق ہو تو ان کو حق حاصل ہے ان کے علاوہ اور کسی کو ان کے

بیچنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ محمد بن ہشام کہتا ہے کہ معاویہ نے امام حسین علیہ السلام کو دو لاکھ دینار دے کر عین ابی نیزر کے خریدنے کی خواہش کی تھی تو امام نے فرمایا کہ یہ میرے والد بزرگوار کی طرف سے حصولِ ثواب کے لئے صدقہ ہے۔ میں اس کو ہرگز فروخت کرنا پسند نہیں کرتا۔ غالباً شب عاشور امام حسینؑ نے عمر سعد کو اسی جائداد کی پیش کش کی تھی تاکہ وہ قتل سے باز آجائے لیکن اس بے حیا نے نہ مانی جیسا کہ عمرو بن قرظہ انصاری کے بیان میں گذر چکا ہے۔ روایت اگرچہ خارج از مطلب تھی لیکن اس کو افادہ کے لئے ذکر کر دیا گیا ہے۔ بہرکیف یہ نصر اسی ابی نیزر کا فرزند تھا جو شجاع دلیر اور شہسوار تھا۔ حضرت امیر علیہ السلام کے بعد امام حسنؑ کی خدمت میں رہا اور پھر امام حسینؑ کی غلامی میں آگیا۔ مدینہ سے ہی امام عالی مقام کے ہمرکاب ہو کر عراق میں آیا اور عاشور کے روز حملۂ اولیٰ میں شرفِ شہادت سے مشرف ہوا۔

۱۵۷۔ نعیم بن عجلان

زیارتِ رجبیہ اور زیارتِ ناحیہ مقدسہ میں اس پر سلام وارد ہے۔ یہ شخص انصاری قبیلہ خزرج سے ہے۔ اس کے دو بھائی ایک نضر بن عجلان اور دوسرا نعمان بن عجلان حضرت امیر علیہ السلام کے صحابہ میں سے تھے جنہوں نے جنگِ صفین میں خوب دادِ شجاعت دی۔ یہ تینوں بھائی نامی گرامی بہادر تھے اور فنِ شعرگوئی میں مہارت رکھتے تھے۔ نضر اور نعمان دونو امام حسن علیہ السلام کے زمانہ میں وفات پا چکے تھے اور یہ نعیم کوفہ میں باقی تھا۔ جب سنا کہ امام حسین علیہ السلام وارد کربلا ہو گئے ہیں تو خدمتِ اقدس میں پہنچا اور روزِ عاشور حملۂ اولیٰ میں شہادت سے مشرف ہوا۔

۱۵۸۔ نعمان بن عمرو راسبی

حلاس بن عمرو کے بیان میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

۱۵۹۔ واضح ترکی

یہ حارث سلمانی کا غلام تھا۔ نہایت شجاع اور قاری قرآن تھا۔ جنادہ بن حارث کے ہمراہ خدمت امام میں پہنچا اور عاشور کے دن پیادہ جہاد کیا۔ جب زمین پر گرا تو استغاثہ کی آواز بلند کی۔ چنانچہ امام حسینؑ اس کے بالین سر پہنچے واضح نے آنکھ کھولی۔ اور امام کے زانو میں اپنا سر دیکھا تو کہنے لگا۔ آج مجھ جیسا خوش نصیب کون ہو سکتا ہے کہ فرزند رسولؐ کے زانو پر میرا سر ہے بس راہئ ملک بقا ہوا۔

۱۶۰۔ وہب بن عبداللہ کلبی اور اس کی زوجہ

میدان کربلا میں اس کی ماں اور زوجہ ہمراہ تھیں۔ اس کو اپنی ماں نے جہاد پر ترغیب دی۔ چنانچہ ایک ہی حملے سے اس نے بہت سے منافقین کو تہ تیغ کیا۔ اور واپس آ کر ماں سے کہنے لگا کیا تو مجھ سے راضی ہوئی ہے تو اس نیک بخت شیر دل خاتون نے جواب دیا۔ اے بیٹا میں تو اس وقت راضی ہوں گی جب تو امام حسینؑ کی نصرت میں جام شہادت نوش کرے گا۔ زوجہ وہب نے جب یہ دیکھا تو نہایت حال زار سے شوہر کے پاس آئی اور اپنے رانڈ ہونے کا خطرہ ظاہر کیا اور اپنی بے کسی و بے بسی کا مداوا چاہا لیکن ماں نے کہا اے فرزند عورت کی باتوں کو چھوڑ اور جہاد میں سستی نہ کر کہ کل رسولِ خدا ہماری شفاعت فرمائیں گے۔ پس وہب دوبارہ میدان میں گیا اور شیر غضبناک کی طرح ان بے حیاؤں پر حملہ آور ہوا۔ چنانچہ انیس سواروں اور بارہ پیادوں کو فی النار کیا۔ آخر کار اس کے دونوں ہاتھ قلم ہو گئے۔ جب ماں نے دیکھا تو عمود خیمہ لے کر میدان میں آئی۔ اور بیٹے کو نصرت حسینؑ پر تحریص کرنے لگی۔ وہب نے اپنی ماں کو ہر چند واپس کرنے کی کوشش کی لیکن سودمند نہ ہوئی۔ پس امام حسینؑ خود تشریف لائے اور اس کو واپس خیمہ گاہ کی طرف بھیج دیا۔ جب وہب شہید ہوا تو اس کی زوجہ اس کے بالین سر پہنچی اور خاک و خون کو وہب کے چہرہ سے صاف کر رہی تھی کہ شمر نے اپنے غلام کو اس مظلومہ کے قتل پر مامور کیا وہ ناخدا ترس آگے بڑھا اور عمود خیمہ لے کر اس کے سر پر اس زور سے مارا کہ اس کی روح اپنے شوہر کے ساتھ ملحق ہو گئی۔ اور دونوں میاں بیوی اکٹھے جنت میں پہنچے۔

۱۶۱۔ وہب بن وہب

امالی صدوق سے منقول ہے کہ وہب اور اس کی ماں نصرانی تھے۔ امام حسین علیہ السلام کے ہاتھ پر دونوں اسلام سے مشرف ہوئے۔ بحار الانوار سے منقول ہے کہ روز عاشور تک وہب کو شادی کئے ہوئے سترہ دن سے زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا۔ جب زوجہ وہب نے وہب کو آمادہ جہاد دیکھا تو عرض کی اے وہب مجھے معلوم ہے کہ فرزند رسولؐ کی نصرت میں شہید ہو کر تجھے بہشت میں جگہ ملے گی اور حورانِ جنت سے تو ہم آغوش ہو گا۔ اب امام حسینؑ کے روبرو مجھ سے وعدہ کرو کہ کل بروز قیامت بہشت میں مجھ کو اپنے ساتھ رکھنا۔ پس دونوں خدمتِ امام میں حاضر ہوئے تو زوجہ وہب نے عرض کی اے آقا میرے دو سوال ہیں ایک یہ کہ میرا شوہر عنقریب تلوار و نیزہ کے زخم کھا کر بہشت میں پہنچے گا۔ اور میں اس لق و دق صحرا میں بے کس رہ جاؤں گی مجھے اپنے اہلِ حرم کے سپرد فرمائیے۔ دوسرا یہ کہ وہب شرف شہادت حاصل کر کے بہشت بریں میں جائے گا تو آپ گواہ رہیں کہ کل بروز قیامت مجھے فراموش نہ کرے گا۔ امام نے اس عورت کے درد بھرے کلمات سن کر رو دیا اور فرمایا

تیری دونوں باتیں قبول ہیں۔ پس وہب میدانِ جنگ میں مصروفِ جہاد ہوا۔ بہت سے ملاعین کو تہِ تیغ کیا آخر اس کے دونوں ہاتھ جدا ہوگئے تو وہب کی عورت خیمہ کا عمود لے کر میدان میں پہنچی اور وہب سے کہنے لگی شاباش میرے ماں اور باپ تجھ پر نثار ہوں حرمِ نبوی کی حفاظت کے لئے خوب جہاد کرو۔ وہب نے کہا۔ اے عورت! ابھی تو مجھے جنگ سے باز رہنے کی دعوت دے رہی تھی اب تو خود کیسے میدانِ جنگ میں پہنچ کر مصروفِ جہاد ہو رہی ہے اور مجھے بھی جہاد پر تحریص دے رہی ہے عورت نے جواب دیا میرا دل زندگیٔ دنیا سے اکتا گیا ہے جب سے میں نے امام حسینؑ کی بے کسی کے کلمات سنے ہیں کہ فرماتے تھے۔ وَاغُرْبَتَاهُ وَاَقِلَّةَ نَاصِرَاهُ وَوَاحِدَتَاهُ اَمَا مِنْ ذَابٍّ يَذُبُّ عَنَّا اَمَا مِنْ مُجِيْرٍ يُجِيْرُنَا۔ کیا کوئی ہے جو ہماری مدد کرے۔ کیا کوئی ہے جو ہمیں پناہ دے۔ خیمہ گاہ میں یہ کلمات سن کر تمام سادانیاں مشغولِ گریہ ہیں پس میں نے اپنے جی میں کہا کہ آلِ رسولؐ کے بعد زندگی فضول ہے اور پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ جہاد کر کے زندگانیٔ دنیا کو خیر باد کہہ دوں۔ وہب نے کہا تو واپس جا کیونکہ تجھے جہاد کا حکم نہیں ہے۔ عورت نے جواب دیا میں تیرے ساتھ مل کر خون کے دریا میں غوطہ لگاؤں گی۔ وہب کے ہاتھ چونکہ کٹ چکے تھے اس لئے اپنے دانتوں سے اپنی زوجہ کے دامن کو پکڑا اور واپس پلٹانا چاہا لیکن عورت نے نہ مانا۔ آخر وہب نے امام حسینؑ کی خدمت میں عرض کی کہ آقا اس کو واپس کیجئے تو حضرت امام حسین علیہ السلام خود بنفسِ نفیس تشریف لائے اور فرمایا خدا تجھے جزائے خیر دے۔ خیموں میں واپس آ جاؤ تو عورت نے عرض کی آقا! میرا جی چاہتا ہے کہ لڑ کر شہید ہو جاؤں کیونکہ موت بنی اُمیّہ کی اسیری سے مجھے محبوب تر ہے۔ امام نے نہایت نرمی اور مہربانی سے حرم سرا میں اس کو واپس پہنچایا۔

وہب کو گرفتار کر کے ابن سعد کے پیش کیا گیا تو ابن سعد لے اس کے قتل کا حکم دیا انہوں نے وہب کا سر کاٹ کر وہب کی ماں کی طرف پھینک دیا۔ وہب کی ماں نے بیٹے کا سر اٹھایا۔ سینے سے لگایا بوسہ دیا اور کہا اللہ کا شکر ہے کہ تیری شہادت سے میں امام حسینؑ کے سامنے سرخرو ہوئی ہوں۔ پھر کوفیوں سے متوجہ ہو کر کہا۔ اے اُمّت بدکار تم سے تو یہود و نصاریٰ اپنے گرجاؤں میں بدرجہا بہتر ہیں پس غصّہ سے وہب کا سر لشکرِ کوفہ کی طرف پھینکا کہ وہب کے قاتل کو جا کر لگا اور وہ ملعون اسی صدمہ سے فی النّار ہوا پھر عمودِ خیمہ لے کر ان پر حملہ آور ہوئی اور دو ملعونوں کو واصلِ جہنم کیا۔ پس امام حسینؑ نے اس کو واپس پلٹایا اور فرمایا عورتوں سے جہاد ساقط ہے۔ اور خوشخبری دی کہ تیرے اور تیرے فرزند کی جگہ میرے نانا کے پاس جنت میں ہو گی۔ یہ سن کر وہب کی ماں مطمئن ہو گئی اور کہا کہ خدایا میری اُمیدوں کو قطع نہ کرنا تو امام پاک نے فرمایا اے مادرِ وہب! خدا تیری اُمیدوں کو قطع نہ کرے گا۔

...٭...

۱۶۲۔ ہفہاف بن مہند راسبی

راسب قبیلہ ازد کی ایک شاخ ہے۔ رجال مامقانی سے منقول ہے کہ یہ شخص شجاع بے نظیر اور مرد لاور عدیم المثال تھا۔ بصرہ کے رہنے والا تھا اور مُخلص شیعہ تھا۔ اور حضرت امیر علیہ السلام کی محبت میں پروانہ تھا۔ جنگِ صفین میں حضرت امیر نے اس کو قبیلہ کا سردار بنایا تھا۔ حضرت امیر کی باقی جنگوں میں بھی یہ آپ کے ہمرکاب رہا۔ آپ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن علیہ السلام کی خدمت میں رہا اور امام حسن کی شہادت کے بعد اس نے بصرہ کی سکونت اختیار کی جب سنا کہ حضرت امام حسین مدینہ سے روانہ ہو کر عازمِ عراق ہوتے ہیں تو ہفہاف بصرہ سے روانہ ہوا۔ اور روز عاشور بوقت عصر کربلا میں پہنچا۔ جب جنگ کربلا ختم ہو چکی تھی۔ اہلِ کوفہ سے دریافت کیا کہ میرا آقا و مولا حضرت امام حسینؑ کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا تو کون ہے اور اب تک کہاں تھا؟ تو جواب دیا میں ہفہاف بن مہند راسبی ہوں اور بصرہ سے امام کی نصرت کے لئے یہاں آیا ہوں۔ کوفیوں نے جواب دیا ہم نے حسین کو قتل کر دیا اور اس کے اصحاب و انصار تمام کو شہید کر ڈالا۔ صرف اس کی اولاد میں سے ایک بیمار باقی ہے اور باقی مستورات موجود ہیں۔ جن کو عمر بن سعد کے حکم سے ابھی لوٹ لیا گیا ہے اور خیمے نذرِ آتش کر دئے گئے ہیں۔ ہفہاف نے جب یہ سنا تو دنیا اس کی آنکھوں میں تاریک ہو گئی اور ایک سرد آہ کھینچی اور پھر تلوار نیام سے نکال کر شیرِ غضبناک کی طرح دشمنانِ دین پر حملہ آور ہوا۔ اور دائیں بائیں حملہ کر کے ہر طرف کشتوں کے پشتے لگا دئے اور بہت سے ملاعین کو قتل کر ڈالا۔ اس کی جنگ کی یہ کیفیت تھی کہ جب یہ للکارتا تھا تو کسی کی مجال نہ تھی کہ اس کے آگے قدم جمائے بلکہ اس شیر بیشہ شجاعت کے سامنے کوفی بھیڑ بکری کی طرح بھاگتے نظر آتے تھے۔ آخر جب انہوں نے اس سراپا ایمان کی یہ ہمت دیکھی تو ہر طرف سے حملہ آور ہوئے اور پیچھے اس کے گھوڑے کے پاؤں کاٹ دئے لیکن اب ہفہاف پیادہ ہو کر بھی کافی دیر تک لڑتا رہا اور آخر کار جامِ شہادت نوش فرما کر قافلہ حسینی سے ملحق ہوا اور لب کوثر پہنچا۔

۱۶۳۔ یحییٰ ابن سلیم مازنی

علمائے تاریخ نے اس کو بھی شہدائے کربلا میں سے شمار کیا ہے۔ حالات کی تفصیل معلوم نہیں۔

۱۶۴۔ یحییٰ بن کثیر انصاری

نہایت بارعب اور شجاع نامی گرامی تھا۔ ابو مخنف سے مروی ہے کہ اس نے میدانِ قتال میں خوب جوہر شجاعت

دکھائے اور پچاس ملاعین کو تہ تیغ کیا اور درجۂ رفیعہ شہادت پر فائز ہوا۔

۱۶۵۔ یحییٰ بن ہانی بن عروہ

اس کی ماں عمرو بن حجاج زبیدی کی لڑکی تھی۔ جب ہانی شہید ہو گیا تو یحییٰ کوفہ میں اپنی قوم کے ہاں مخفی رہا۔ جب امام حسینؑ کی کربلا میں آمد سنی تو فوراً آ کر بلا پہنچا۔ روزِ عاشور جب آتشِ حرب مشتعل ہوئی تو میدانِ کارزار میں مردانہ وار لڑائی کی۔ اور بہت سے ملاعین کو قتل کر کے جامِ شہادت نوش کیا اور بعض مورخین کہتے ہیں کہ حملہ اولیٰ میں شہید ہوا۔

۱۶۶۔ یزید بن ثبیط

یہ شخص بصری ہے اپنے دو نو بیٹوں عبداللہ اور عبیداللہ کو اپنے ہمراہ لایا اس کے دونو فرزند بھی کربلا میں شہید ہوئے جن کا تذکرہ اپنے مقام پر ہو چکا ہے اور یہ مردِ مجاہد بھی میدانِ کربلا میں درجۂ شہادت پر فائز ہوا۔

طبری میں بروایت ابو مخنف منقول ہے کہ بصرہ میں قبیلہ عبد قیس کی ایک عورت جس کا نام ماریہ بنت سعد تھا۔ شیعانِ علیؑ میں سے تھی اور اس کا گھر شیعانِ بصرہ کا محلِ اجتماع تھا۔ ایک رات جب شیعانِ بصرہ ماریہ کے گھر جمع ہوئے تو باتوں باتوں میں یہ ذکر چلا کہ ابن زیاد کو تازہ خبر پہنچی ہے کہ امام حسینؑ مکہ سے عازمِ عراق ہو چکے ہیں۔ لہٰذا اس نے جاسوس اور خفیہ پولیس کے دستے جگہ جگہ تعینات کر دیئے ہیں تا کہ نصرتِ حسینؑ کے لئے کوئی شخص نہ جا سکے۔ یہ خبر سنتے ہی یزید بن ثبیط نے کہا کہ میں تو اب ضرور جاؤں گا۔ لوگوں نے کہا کہ ایسے وقت میں باہر جانا ہرگز مناسب نہیں۔ مبادا ابن زیاد کے سپاہی گرفتار کر لیں تو یزید نے کہا مجھے اس بات کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں ہے کیونکہ جب میں گھوڑے کی زین میں بیٹھ جاؤں تو کسی کی مجال نہیں کہ میرے قریب آ سکے۔ پس اپنے دس فرزندوں کی طرف خطاب کر کے کہا کہ آیا تم میں سے کوئی ایسا بہادر ہے جو میرا اس امر میں ساتھ دے سکے۔ صرف اس کے دو بیٹوں یعنی عبداللہ اور عبیداللہ نے لبیک کہی۔ پس وقت اور موقعہ کی انتظار میں رہے اور آخر بصرہ سے چل کھڑے ہوئے۔ ان کے ہمراہ عامر بن مسلم عبدی اور ادہم بن امیہ عبدی بھی روانہ ہوئے۔ جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ ان سب نے گھوڑے دوڑا کر حجاز کا رخ کیا۔ ابھی امام حسین علیہ السلام مکہ سے باہر پہنچے ہی تھے کہ یہ پانچوں آدمی خدمتِ امام میں پہنچ گئے۔ یزید بن ثبیط نے راستہ کی تھکان کی وجہ سے پہلے آرام کیا اور بعد میں امام کی زیارت کے لئے خیمہ سے باہر نکلا۔ اس طرف امام کو یزید کے آنے کی اطلاع ہوئی تو آپ بنفسِ نفیس اس کو ملنے کے لئے آگے بڑھے اور یزید کے خیمہ میں پہنچے۔ لیکن وہ چونکہ وہاں نہیں تھا تو آپ اس کی انتظار کے لئے بیٹھ گئے۔ ادھر یزید نے جب امام کو نہ پایا تو واپس اپنے خیام کی طرف پلٹا۔ اور

امام عالی مقام کی زیارت سے نہایت مسرور ہوا۔ سلام عرض کر کے سامنے دو زانو بیٹھ گیا۔ امام نے احوال پرسی کی تو عرض کی اے آقا آپ کی نصرت کے لئے حاضر ہوا ہوں حضرت نے اس کے حق میں دُعائے خیر فرمائی۔ پس یزید بن ثبیط نے اپنے خیمے امام کے خیموں کے قریب نصب کر دیئے اور تا روزِ عاشور خدمتِ امام میں رہا اور دونوں فرزندوں کے ساتھ درجۂ شہادت پر فائز ہوا۔ زیارت ناحیہ مقدسہ میں اس پر سلام وارد ہے۔

۱۶۷۔ یزید بن حصین مشرقی

مشرق قبیلہ ہمدان کی ایک شاخ ہے۔ جب امام حسین اور آپ کے انصار و اصحاب و عیال پر پیاس کا غلبہ ہوا تو اس نے امام سے اجازت طلب کی کہ پانی کے موضوع پر ابن سعد سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے اجازت دی یہ شخص زہد و تقویٰ میں مقام بلند رکھتا تھا۔ ابن سعد کے پاس جب پہنچا تو اس کو سلام نہ دیا۔ ابن سعد نے کہا اے برادرِ ہمدانی کیا تیرے نزدیک میں مسلمان نہیں ہوں حالانکہ توحید و رسالت کا قائل ہوں۔ تو یزید بن حصین نے جواب دیا۔ اگر تو مسلمان ہوتا تو عترتِ رسولؐ پر خروج نہ کرتا اور ان کے قتل کے درپے نہ ہوتا۔ دریائے فرات موجزن ہے۔ کتّے۔ سور۔ یہود و نصاریٰ اس کو استعمال کر رہے ہیں۔ لیکن ذرّیتِ پیغمبر کو تو نے اس سے محروم کر رکھا ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچّے پیاس سے جاں بلب ہیں۔ پھر کیسے تو اپنے آپ کو مسلمان کہلانے کا مستحق ہے اور خدا و رسولؐ پر تیرا ایمان کس طرح ہے؟ ابن سعد نے یہ کلمات سن کر سر جھکا لیا اور پھر تھوڑی دیر بعد کہنے لگا۔ اے برادرِ ہمدانی؛ میں جانتا ہوں۔ خدا کی قسم کہ حسینؑ سے جنگ کرنا دوزخ لینے کے مترادف ہے۔ لیکن مجھے ابن زیاد نے ملک رَی کا لالچ دیا ہے اور میں اس کو چھوڑ نہیں سکتا۔ پس یزید بن حصین ناکام واپس خدمتِ امام میں پہنچا اور حالات بیان کئے۔ روزِ عاشور جب لڑائی کا بازار گرم ہوا تو یہ شخص اپنی پوری طاقت سے مصروفِ جہاد رہا اور نمازِ ظہر سے قبل ہی درجہ شہادت پر فائز ہوا۔ زیارتِ ناحیہ مقدسہ میں اس پر بھی سلام وارد ہے۔

۱۶۸۔ یزید بن مظاہر اسدی

مقتل ابی مخنف سے منقول ہے کہ روزِ عاشور اس نے شیرِ غضبناک کی طرح قومِ اشقیاء پر حملہ کیا اور ایک ہی حملہ میں پچاس ملاعین کا سر قلم کر ڈالا آخر ہر طرف سے فوجِ یزیدی نے اس کو اپنے گھیرے میں لے لیا اور نیزہ و تلوار کے پے در پے واروں سے اس کو شہید کر ڈالا۔

...

۱۶۹۔ یزید بن مغفل صحابی

ابن حجر عسقلانی سے اصابہ میں منقول ہے کہ یزید بن مغفل بن عوف بن عمیر بن کلیب بن ذہل بن سیار بن لبتہ بن دئل بن سعد بن عامر بن جعف بن سعد العشیرہ مذحجی جعفی صحابہ رسولؐ میں سے تھا۔ یہ اور اس کا بھائی زہیر بن مغفل خلافت ثانیہ کے زمانہ میں جنگ قادسیہ میں شریک تھے۔

علامہ سماوی کی ابصار العین سے منقول ہے کہ یہ شخص نامی بہادروں میں سے تھا اور حیدر کرار کے شیعان خصوصی میں اس کا شمار تھا۔ نیز فن شعرگوئی میں بھی اس کو کافی دسترس حاصل تھی۔ جنگ صفین میں حضرت امیرؑ کی رکاب ظفر انتساب میں موجود تھا۔ اور حضرت امیر علیہ السلام نے خریت بن راشد خارجی کے مقابلہ میں بھی اس کو بھیجا تھا۔ اور اس نے اس کو واصل جہنم کیا تھا۔

یزید بن مغفل مکہ سے امام کے ہمراہ آیا تھا۔ روز عاشور صرصر عاصف کی طرح دشمنان حسینؑ پر حملہ آور ہوا۔ اور باوجود سن رسیدگی کے بیس سے زیادہ ملاعین کو تہ تیغ کیا۔ اور ایسی جنگ کی جس کی نظیر نہیں ملتی اور آخر کار درجہ شہادت پر فائز ہوا۔

۱۷۰۔ یزید بن مہاجر

یہ شخص شہدائے کربلا میں سے ہے نہایت شجاع اور بہادر تھا۔ اس نے اپنے جہاد میں چالیس سے زیادہ ملاعین کو واصل النار پہنچایا۔ اور جام شہادت نوش کیا۔

وہ صحابہ رسول اکرمؐ جو واقعہ کربلا میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے انکی تعداد انیس ہے

(۱) انس بن حارث کاہلی (۲) بکر بن حی ثعلبی (۳) جابر بن عروہ غفاری (۴) جنادہ بن حارث انصاری۔ (۵) جنادہ بن کعب بن حارث (۶) حبیب بن مظاہر اسدی (۷) ربیعہ بن خوط (۸) زاہر بن عمرو اسلمی۔ (۹) زیاد بن عریب ہمدانی (۱۰) سعد بن حارث (۱۱) شبیب بن عبداللہ بن حارث (۱۲) عبدالرحمٰن بن عبد ربہ انصاری (۱۳) عبدالرحمٰن الارحبی (۱۴) عقبہ بن صلت جہنی (۱۵) عمرو بن ضبیعہ تمیمی (۱۶) مجمع بن زیاد جہنی (۱۷) مسلم بن عوسجہ (۱۸) مسلم بن کثیر ازدی (۱۹) یزید بن مغفل جعفی۔

رسول اکرمؐ کے وہ صحابہ جو نصرت حسینؑ میں شہید کیے گئے

(۱) عبداللہ بن حارث (۲) عبداللہ بن عفیف ازدی (۳) ہانی بن عروہ مرادی (۴) سلیمان بن صرد خزاعی

وہ پچاس جانباز جو حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے

(۱) ادہم بن امیہ عبدی (۲) امیہ بن سعد طائی (۳) بشر بن عمرو حضرمی (۴) بکر بن حی (۵) جابر بن حجاج (۶) جبلہ بن عمرو شیبانی (۷) جنادہ بن کعب (۸) جندب بن حجیر (۹) جوین بن مالک تیمی (۱۰) حارث بن امرؤ القیس کندی (۱۱) حارث بن نبہان (۱۲) حباب بن حارث (۱۳) حباب بن عامر تیمی (۱۴) حجاج بن زید سعدی (۱۵) حجیر بن جندب (۱۶) حلاس بن عمرو راسبی (۱۷) زاہر بن عمرو راسبی (۱۸) زہیر بن سلیم (۱۹) زہیر بن بشر خثعمی (۲۰) سالم مولیٰ بنی المدینہ (۲۱) سالم مولیٰ عامر بن مسلم (۲۲) سعد بن حارث (۲۳) سوار بن منعم ہمدانی (۲۴) سیف بن مالک عبدی (۲۵) شبیب بن جراد کلابی (۲۶) شبیب بن عبداللہ بن حارث (۲۷) ضرغامہ بن مالک (۲۸) عامر بن مسلم عبدی (۲۹) عباد بن مہاجر جہنی (۳۰) عبدالرحمٰن بن عبد رب انصاری (۳۱) عبدالرحمٰن الارحبی (۳۲) عبدالرحمٰن بن مسعود تیمی (۳۳) عبداللہ بن یزید بن ثبیط البصری (۳۴) عقبہ بن صلت (۳۵) عمارہ بن ابی سلامہ ہمدانی (۳۶) عمرو بن جندب حضرمی (۳۷) عمرو بن ضبیعہ تیمی (۳۸) قارب بن عبداللہ بن اُریقط (۳۹) قاسط بن زہیر تغلبی (۴۰) کردوس بن زہیر تغلبی (۴۱) مقسط بن زہیر تغلبی (۴۲) قاسم بن حبیب ازدی (۴۳) کنانہ بن عتیق تغلبی (۴۴) مسعود بن حجاج (۴۵) مسلم بن کثیر ازدی (۴۶) منجح بن سہم (۴۷) نصر بن ابی نیزر (۴۸) نعیم بن عجلان (۴۹) یحییٰ بن ہانی بن عروہ (۵۰) یزید بن ثبیط البصری

باب دوم

حضرت سید الشہداء کے وہ انصار جو بنی ہاشم میں سے تھے اور کربلا میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے

۱- ابوبکر بن علی بن ابی طالبؑ

بحار الانوار سے منقول ہے کہ اس کا نام عبید اللہ تھا اور اس کی والدہ ام لیلیٰ بنت مسعود بن خالد تھی اور حضرت امیر علیہ السلام کے فرزندوں میں سب سے پہلے کربلا میں یہی شہید ہوا۔ تاریخ سے منقول ہے کہ اس نے اکیس ملاعین کو قتل کیا۔ زجر بن بدر نخعی یا عبداللہ بن عقبہ غنوی نے اسے شہید کیا۔ زیارت رجبیہ میں اس پر سلام وارد ہے۔

۲- ابوبکر بن حسن بن علی بن ابی طالبؑ

مقاتل الطالبین سے مروی ہے کہ یہ اور حضرت قاسم یک مادرے بھائی تھے۔ حضرت قاسم کی شہادت کے بعد شہید ہوئے اور اس کو عبداللہ بن عقبہ غنوی نے شہید کیا۔ زیارت ناحیہ میں اس پر بھی سلام وارد ہے۔

۳- ابراہیم بن حسینؑ

ابن شہر آشوب سے مناقب میں منقول ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے میدان کربلا میں چھ فرزند شہید ہوئے جن میں سے ایک کا نام ابراہیم تھا۔

۴- ابراہیم بن علی بن ابی طالبؑ

مقاتل الطالبین سے مروی ہے کہ ابراہیم بن علی کی والدہ ام ولد تھی اور یہ میدان کربلا میں شہید ہوا۔

۵- احمد بن حسنؑ

رجال مامقانی سے منقول ہے کہ احمد بن حسن کی والدہ ام بشر بنت ابی مسعود انصاری تھی یہ اپنے بھائی قاسم اور دو بہنوں

ام الخیر ام الحسن کو ساتھ لے کر اپنے عمِ بزرگوار کے ساتھ کربلا میں آیا تھا۔ اس کی عمر واقعہ کربلا میں سولہ سال تھی۔ ناسخ سے منقول ہے کہ یہ جوان ہاشمی شجاعت و سماحت کے علاوہ حسنِ صورت میں یگانۂ روزگار تھا۔ اپنے عمِ بزرگوار سے اذن حاصل کر کے رجز پڑھتا ہوا شیرِ غضبناک کی طرح للکارتا ہوا تلوار شرربار کو اچھالتا ہوا نیزۂ لچکدار کو ہوا میں لہراتا ہوا میدانِ کارزار میں آگے بڑھا اور اپنے جدِّ نامدار حیدرِ کرار کی طرح شعلہ جوالہ بن کر لشکرِ اعداء کے میمنہ و میسرہ پر چھا گیا۔ اور ایک ہی حملہ میں اسّی ملاعین کو فی النار کر کے دم لیا پس خدمتِ امام میں حاضر ہو کر عرض کی حبیب کر پیاس کی شدت سے آنکھیں دھنس چکی ہیں اے چچا جان! اگر ایک گھونٹ پانی مل جاتا تو میں ایک بار جگر کو ٹھنڈا کر لیتا اور دشمنانِ خدا و رسولؐ پر مجھے طاقت مل جاتی۔ امام نے فرمایا اے برادر زادے! صبر کرو ابھی تمہیں اپنے جدِّ بزرگوار سیراب کریں گے کہ کبھی پیاسے نہ ہو گے۔ احمد نے یہ سن کر دوبارہ میدان کا رُخ کیا اور پھر رجز پڑھتے ہوئے شیرِ غضبناک کی طرح فوجِ اشقیاء پر حملہ آور ہوئے اور اس حملہ میں پچاس کافروں کو واصلِ جہنم کیا اور تھوڑا سا دم لے کر تیسری مرتبہ پھر حملہ آور ہوا۔ شیرِ خدا کے پوتے نے اپنے تینوں حملوں میں حیدرِ کرار کی جنگوں کی یاد تازہ کی دشمنانِ خدا کو اس پیاسے جوان کے مقابلہ میں آنے کی جرأت نہ رہی اس تیسرے حملہ میں اس امام زادے نے ساٹھ ملاعین کو تہِ تیغ کیا۔ گویا اپنی پوری جنگ میں ایک سو نوّے دشمنانِ خدا کو قتل کیا اور آخر کار جامِ شہادت پی کر لبِ کوثر پہنچے۔

۶۔ احمد بن محمد بن عقیلؑ

ناسخ سے منقول ہے کہ احمد بن محمد بن عقیل نے تلوار اور نیزہ لے کر دشمنانِ دین پر حملہ کیا اور اسی کوفیوں کو تہِ تیغ کر کے درجۂ رفیعہ شہادت پر فائز ہوا۔

۷۔ جعفر بن عقیلؑ

زیارت رجبیہ و ناحیہ میں اس پر سلام وارد ہے۔ اس کی والدہ کا نام خوصا بنت عمرو کلابی منقول ہے۔ رجز پڑھتے ہوئے میدانِ کارزار میں آئے اور پندرہ ملاعین کو دار البوار پہنچایا۔ آخر عبداللہ بن عروۃ خثعمی نے ایک تیر مارا جس سے یہ زمین پر گر پڑے اور بشر بن حوط ملعون نے اس مظلوم کا سر تن سے جدا کر دیا۔

۸۔ جعفر بن علی بن ابی طالبؑ

یہ حضرت ابوالفضل عباس کا ایک مادری بھائی اُمّ البنین کا لختِ جگر تھا۔ اس کی عمر واقعہ کربلا میں ۲۹ برس تھی۔ حضرت

امیر علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت جعفر طیار کی یاد میں اس فرزند کا نام جعفر رکھا تھا۔ اعیان الشیعہ سے مروی ہے کہ ام البنین کی اولاد میں سے پہلے عبداللہ شہید ہوا جس کی عمر ۲۵ برس تھی اس کے بعد جعفر شہید ہوا جس کی عمر ۱۹ برس تھی پھر عثمان شہید ہوا جس کی عمر ۲۱ برس تھی۔ اور آخر میں حضرت عباس شہید ہوئے کہ ان کی عمر ۳۴ برس تھی۔ جب حضرت جعفر کی باری آئی تو شیر غضبناک کی طرح للکارتے ہوئے فوج اشقیاء پر حملہ آور ہوا اور کافی تعداد میں ملاعین کو تہ تیغ کیا۔ آخر خولی ملعون نے ایک تیر مارا جو اس کی پیشانی میں جا لگا اور اسی اثناء میں ہانی بن ثبیت حضرمی نے تلوار کا وار کیا اور ان کو شہید کر ڈالا۔

۹۔ حسن مثنیٰ بن امام حسنؑ

ان کی والدہ کا نام خولہ بنت منظور بن سیان فزاری تھا یہ حسن مثنیٰ کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ فاضل جلیل اور نہایت متقی تھے۔ اپنے زمانہ میں حضرت امیر علیہ السلام کے صدقات کے نگران رہے۔ لہوف سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے عم نامدار کے سامنے خوب جہاد کیا اور سترہ ملاعین کو فی النار کیا اور اٹھارہ کاری زخم اس کو لگے۔ چنانچہ زخموں کی تاب نہ لا کر زمین پر گر پڑے۔ دشمنوں نے اس کو مقتول سمجھ کر وہیں چھوڑ دیا۔ بعد میں جب ملاعین نے اس کو قتل کرنا چاہا تو اسماء بن خارجہ جو اس کا ماموں تھا اس نے چھڑا لیا اور کہا کہ یہ ہمارا بھانجا ہے۔ پس وہ اپنے ہمراہ اس کو کوفہ میں لایا جب ابن زیاد کو یہ خبر پہنچی تو چونکہ اسماء بن خارجہ قبیلہ فزارہ کا سردار تھا اور یہ قبیلہ کوفہ کے تمام عرب قبائل میں سے بڑی جمعیت پر مشتمل تھا اس لئے ابن زیاد نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ اس کو نہ چھیڑا جائے پس اسماء بن خارجہ نے اس کا علاج کرایا جب صحت مند ہو گئے تو مدینہ بھیج دیا۔ اور ان کا مدینہ میں ہی انتقال ہوا۔

یہ حسن مثنیٰ حضرت امام حسین علیہ السلام کا داماد تھا۔ جب حسن مثنیٰ امام عالی مقام کی خدمت میں خواستگاری کے لئے آیا تھا تو امام عالی مقام علیہ السلام نے اپنی بڑی شہزادی جناب فاطمہ کا ان سے عقد کیا جو شکل و صورت میں جناب خاتون جنت کی شبیہ تھیں پس حسنی سادات اور بالخصوص طباطبائی سادات انہی کی نسل سے ہیں

حضرت حسن مثنیٰ کے جناب فاطمہ کبریٰ کے بطن سے تین لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں (۱) عبداللہ محض (۲) ابراہیم غمر (۳) حسن مثلث (۴) زینب (۵) ام کلثوم۔ مدینہ منورہ میں نہایت جلیل و محترم شخصیت کا مالک تھا اور بنی ہاشم کا رئیس سمجھا جاتا تھا۔ ان کی وفات کے بعد حضرت امیر علیہ السلام کے صدقات کی تولیت ان کے فرزند حضرت عبداللہ محض کے سپرد ہوئی۔

۔۔۔۔۔

۱۰۔ حضرت مولانا باب الحوائج ابو الفضل العباس قمر بنی ہاشم

سید محسن عاملی سے مجالس سنیہ میں منقول ہے کہ قمر بنی ہاشم کی ولادت ۲۶ھ میں ہوئی۔ حضرت امیر علیہ السلام کی بعض جنگوں میں بھی آپ حاضر تھے لیکن ان کو سرکار ولایت جہاد کی اجازت نہ دیتے تھے۔ کربلا میں ان کی عمر ۳۴ سال تھی یا بقول بعض ۳۵ سال تھی۔ ۴ ماہ شعبان ۲۶ھ مدینہ منورہ میں آپ پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ ماجدہ جناب امّ البنین بنت حزام بن خالد بن ربیعہ بن عامر کلابی تھی۔ جناب امیر علیہ السلام نے حضرت عقیل سے کہا تھا چونکہ وہ علم الانساب سے واقف تھے کہ قبائل عرب میں سے ایک شجاع قبیلہ تلاش کرو تاکہ میں اس قبیلہ میں شادی کروں تاکہ شجاع و دلیر اولاد پیدا ہو جو میرے فرزند حسین کی ناصر ہو۔ حضرت عقیل نے جواب دیا اگر آپ ایسی عورت چاہتے ہیں تو ام البنین کلابیہ سے شادی کریں کیونکہ قبائل عرب میں ان سے زیادہ کوئی بہادر و صف شکن قبیلہ نہیں ہے۔ پس عقیل کے مشورہ سے حضرت امیر علیہ السلام نے ام البنین سے شادی کی۔ اس مخدرہ کا نام نامی فاطمہ تھا۔ اور کنیت امّ البنین مشہور تھی۔ ان کے چار فرزند تھے۔ سب سے بڑے حضرت ابو الفضل عباس تھے۔ بی بی مدینہ میں رہ گئی تھی۔

آپ کی کنیت ابو الفضل مشہور ہے کیونکہ ان کے شہزادے کا نام فضل تھا۔ بعض نے آپ کی کنیت ابو القربہ بھی لکھی ہے۔ قربہ کا معنی مشکیزہ ہے۔ غالباً یہ کنیت روز عاشور کے بعد سے ہی مشہور ہو گئی ہے۔ اس کا ہماری زبان میں ترجمہ ماشکی کیا جا سکتا ہے۔ ان کی ایک کنیت ابو القاسم بھی منقول ہے۔

آپ کے القاب متعدد ہیں۔ زیادہ تر مشہور لقب قمر بنی ہاشم ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ جس طرح چاند تاریکی میں اجالا کرتا ہے اسی طرح ان کے چہرہ منور کی روشنی ظلمتوں کو رفع کر دیا کرتی تھی اور ان کے حسن و جمال کا اندازہ اس سے خوب ہوتا ہے کہ جب آپ شہزادہ علی اکبر کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر مدینہ کی گلیوں سے عبور کرتے تھے تو مدینہ کے زن و مردان دو جوانوں کے جمال کے دیدار کے لئے ایک دوسرے سے سبقت کرتے تھے۔ آپ کا لقب باب الحوائج بھی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تقاضائے حاجات و حل مشکلات کے لئے عقیدتمند ان سے توسل کرتے ہیں۔ اور ان کی کرامات میں سے ہے کہ خداوند کریم ان کی حاجات پوری کرتا ہے اور ان کی مشکلات کو دور فرماتا ہے۔ اور اسی وجہ سے عوام و خواص کی زبان پر ان کا لقب باب الحوائج مشہور ہو گیا ہے۔ ان کا لقب شہید بھی ہے نیز عبد صالح بھی ان کا لقب ہے چنانچہ ان کی زیارت کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ آپ کو سقا بھی کہتے ہیں جس کا معنی پانی والا کیا جا سکتا ہے نیز مستجار یعنی جائے پناہ بھی آپ کے القاب میں سے ہے۔ ان کے علاوہ حضرت ابو الفضل کے اور القاب بھی ہیں

جو ان کی صفاتِ کمالیہ کے ترجمان ہیں۔

آپ نہایت خوش رو اور جسیم قدآور جوان تھے۔ آپ کا خوش رو ہونا تو قمر بنی ہاشم کے لقب سے واضح ہے۔ اور جسیم قدآور ہونے کا اس بات سے خوب اندازہ ہوتا ہے کہ جب فرس مطہم (بلند قامت گھوڑا) پر سوار ہوتے اور رکاب سے پاؤں باہر کرتے تو ان کے قدم مبارک کا زمین بوس لیتی تھی۔ امام پاک کی فوج ظفر موج کے علمبردار تھے۔ اور بعض کتب سے منقول ہے کہ آپ جب رکاب میں پاؤں ڈالتے تھے تو زانو مبارک گھوڑے کی گردن کو چھپا دیتے تھے۔ ان کا چہرہ مظہر جمال اور ان کا رعب مظہر جلال الٰہی تھا۔ اولادِ حضرت امیر علیہ السلام میں حضرت امام حسینؑ کے بعد شجاعت و شہامت میں ان کی نظیر کوئی نہ تھا۔ نیز حسنین شریفین کے بعد علم و فضل، یقین و معرفت، زہد و تقویٰ اور دیگر کمالات نفسیہ میں یہ اپنی مثال آپ تھے۔ زیارت ناحیہ مقدسہ میں ان کی پرخلوص خدمات اور وفاداری و جانبازی کا جن الفاظ سے تذکرہ کیا گیا ہے وہ صرف انہی کا حصہ ہے۔ امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ جنّت میں حضرت ابو الفضل عباس کو دو پر عطا ہوئے ہیں کہ فرشتوں کے ہمراہ پرواز کرتے ہیں جس طرح کہ حضرت جعفر طیار کو عطا ہوئے ہیں۔ نیز فرمایا کہ حضرت عباس کی اللہ کے نزدیک جو قدر و منزلت ہے قیامت کے روز تمام شہداء اس پر رشک کریں گے۔

علامہ محمد باقر بیرجندیؒ سے کبریت احمر ج ۳ ص ۴۵ سے منقول ہے کہ حضرت عباس اکابر فقہاء اور افاضل اہل بیت سے تھے بلکہ وہ عالم غیر معلّم تھے۔ اور بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ معصومین سے اس طرح منقول ہے اِنَّ الْعَبَّاسَ ابْنَ عَلِیٍّ زُقَّ الْعِلْمَ زَقًّا۔ جب عالم طفولیت میں انہوں نے گہوارۂ علم و حکمت میں تربیت پائی اور فضل و دانش کی گود میں نشو و نما حاصل کی تو کیوں نہ وہ ایسے مراتب جلیلہ علیہ اور منازل رفیعہ عرفانیہ پر فائز ہوتے۔

کہتے ہیں ایک جلیل القدر بزرگ ہر رات حضرت سید الشہداء کی زیارت کو جاتے تھے لیکن حضرت عباس کی زیارت صرف شب جمعہ کیا کرتے تھے تو رات کو مخدومۂ عالم جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے خواب میں فرمایا کہ تو میرے فرزند کی زیارت کو کم کیوں جاتا ہے تو جواب دیا اے مخدومہ میں تو ہر رات زیارت کیا کرتا ہوں۔ مخدومہ نے فرمایا بے شک تو حسینؑ کی زیارت کو ہر رات جاتا ہے اور وہ میرا فرزند ہے لیکن میری مراد حضرت ابو الفضل عباسؑ ہے جس کی زیارت تو ہفتہ میں ایک دفعہ کرتا ہے۔

مشہور یہ ہے کہ حضرت عباس کی زوجہ جناب لبابہ خاتون عبد اللہ بن عباس کی شہزادی تھی اور اس کے شکم مبارک سے حضرت عباس کے دو فرزند تھے۔ ایک کا نام فضل اور دوسرے کا نام عبید اللہ تھا اور حضرت عباس کی نسل عبید اللہ سے آگے بڑھی ہے۔ چنانچہ ان کی نسل سے ایک شخص حلہ کے نزدیک مدفون ہے جس کا نام ابو یعلیٰ حمزہ بن قاسم بن علی بن حمزہ

اگر امام حسینؑ یزید کی بیعت نہ کرے تو فوراً اس کو قتل کر دیا جائے۔ اس وقت ایک شخص عبداللہ بن ابی محل وحیدی نے کھڑے ہو کر درخواست کی کہ حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب نے ہماری پھوپھی ام البنین سے شادی کی تھی جن کے بطن سے چار فرزند ہوئے۔ جو اس وقت حسینؑ کے ساتھ ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ ان کے لئے امان نامہ لکھا جائے ابن زیاد نے قبول کر لیا اور شمر نے بھی کھڑے ہو کر اس بات کی تائید کی کیونکہ یہ بھی ام البنین کے خاندان سے تھا۔ پس ابن زیاد نے امان نامہ لکھ کر عبداللہ بن ابی محل کے حوالہ کیا۔ عبداللہ نے یہ نامہ اپنے غلام آزاد کردہ کے حوالہ کیا تاکہ اسے کربلا پہنچائے۔ جب حضرت عباسؑ کو یہ امان نامہ ملا تو قاصد سے فرمایا کہ ہمارے ننھیال سے جا کر کہو ہمیں اس امان نامہ کی ضرورت نہیں اور خدا کی امان ابن سمیہ کے امان نامہ سے بہتر ہے۔ پس وہ قاصد واپس گیا اور حضرت عباسؑ کا پیغام اس کو آ کر سنایا۔ سید سے لہوف میں منقول ہے کہ شمر نے پشت خیمہ سے آ کر آواز دی کہ کہاں ہیں ہمارے بھانجے؟ عباسؑ و عبداللہ و جعفر و عثمان سب خاموش رہے۔ تو امامؑ نے فرمایا اگرچہ وہ شخص فاسق ہے تاہم اس کو جواب دو۔ پس قمر بنی ہاشم باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ کیا کہتا ہے؟ شمر نے جواب دیا کہ تم ہمارے خواہر زادے ہو اور تمہارے لئے امان ہے۔ حسینؑ کی نصرت سے ہاتھ اٹھا لو۔ اور یزید کی بیعت میں آ جاؤ۔ قمر بنی ہاشم نے آواز بلند سے جھڑک کر فرمایا تیرے ہاتھ شل ہوں اور خدا تیرے اوپر لعنت کرے اور تیری امان پر بھی لعنت ہو جو تو لایا ہے۔ اے دشمن خدا کیا ہم اپنے آقا و مولا حسینؑ فرزند رسولؐ کی نصرت کو چھوڑ دیں۔ اور حرامزادے اور لعینوں کی اولاد کی اطاعت میں داخل ہو جائیں؟ پس شمر مایوس ہو کر واپس دفع ہوا اور جب نویں محرم کی عصر کو دشمنان خدا و رسولؐ نے خیام آل اطہار کی طرف چڑھائی کا ارادہ کیا تو اس وقت حضرت حسینؑ اپنے خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ پس حضرت عباسؑ نے آ کر عرض کی اے آقا! لوگ حملہ کے لئے آ رہے ہیں تو فرمایا اے بھائی عباس ان سے جا کر پوچھو کیا چاہتے ہو؟ پس حضرت عباسؑ تعمیل ارشاد کے لئے تشریف لے گئے اور واپس آ کر جواب دیا کہ اے آقا! وہ کہتے ہیں بیعت کرو۔ ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ تو آپ نے فرمایا ان سے جا کر ایک رات کی مہلت حاصل کرو تاکہ عبادتِ خدا میں بسر کریں۔ قمر بنی ہاشم واپس گئے اور امامؑ کا فرمان سنایا تو بروایت لہوف ان میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ پس عمرو بن حجاج زبیدی بولا۔ اے کوفہ والو! اگر ترک و دیلم کے کفار بھی ہم سے اس قسم کی درخواست کرتے تو ہمیں ان کی بات کو رد نہیں کرنا چاہیے تھا۔ یہ تو آلِ محمدؐ ہیں پس سب نے کہا کہ ایک رات کی مہلت ہے۔ اگر بیعت کرو گے تو ٹھیک ورنہ جنگ کریں گے۔

صبح عاشورہ دونوں لشکروں کی ترتیب اس طرح تھی۔ عمر بن سعد نے میمنۂ لشکر پر عمرو بن حجاج زبیدی اور میسرہ پر شمر کو معین کیا۔ سوار فوج کا سردار عروہ بن قیس اور پیادوں کا سردار شبث بن ربعی کو مقرر کیا اور فوج کا علم اپنے غلام دُرید کے سپرد کیا۔ اور خود قلب لشکر میں تھا۔ اس طرف حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے میمنۂ لشکر پر زہیر بن قین اور میسرہ پر حبیب بن مظاہر کو متعین فرمایا

بن عبید اللہ بن عباسؑ بن علی بن ابی طالب ہے۔ یہ شخص نہایت جلیل القدر تھا۔ ان کی قبر زیارت گاہ ہے۔ اور اس پر ایک گنبد بھی بنا ہوا ہے۔ ابن شہر آشوب سے حضرت عباس کا ایک فرزند محمدؐ نامی بھی منقول ہے۔ جو روز عاشور کربلا میں شہید ہوا۔ بعض کتب میں ہے کہ آپ کا ایک فرزند حسن نامی تھا جن کی ماں ایک ام ولد تھی۔

حضرت عباسؑ جنگ صفین میں

کبریت احمر جلد ۳ صفحہ ۳۲ سے منقول ہے کہ جنگ صفین میں جب معاویہ نے لشکر علی پر پانی بند کیا ہوا تھا تو حضرت عباس لشکر شام پر حملہ کرنے میں حضرت حسینؑ کے ہمراہ تھے۔ مروی ہے جنگ صفین میں ایک روز لوگوں نے دیکھا کہ امیر المومنینؑ کے لشکر سے ایک نقاب پوش جوان نکلا جس سے ہیبت و شجاعت کے آثار نمایاں تھے۔ سولہ سال کے لگ بھگ عمر تھی۔ گھوڑے کو میدان میں جولان دے کر مبارز طلبی کی۔ معاویہ نے ابوالشعثاء کو مقابلہ کے لئے حکم دیا تو اس نے جواب دیا کہ شامی لوگ مجھے ایک ہزار جوان کے مقابلہ کا پہلوان سمجھتے ہیں تو مجھے ایک بچے کے مقابلہ میں بھیجتا ہے؟ میرے سات فرزند موجود ہیں۔ ان میں سے ایک کو بھیجتا ہوں جو اس کے لئے کافی ہوگا۔ پس اس نے اپنے ایک لڑکے کو بھیجا لیکن آتے ہی فی النار ہوا۔ پھر باقی چھ ایک دوسرے کے بعد آتے رہے اور واصل جہنم ہوئے۔ جب ابوالشعثاء کے ساتوں بیٹے جہنم روانہ ہو چکے تو دنیا اس کی نظروں کے سامنے تاریک ہوگئی۔ بل کھاتا ہوا جوش انتقام میں آگے بڑھا لیکن آتے ہی وہ بھی جہنم کے حوالہ ہوا۔ اس کے بعد اب کسی شامی میں یہ جرأت نہ رہی کہ مقابلہ کے لئے آگے بڑھے تو انہوں نے گھوڑے کی باگ واپس موڑ دی حضرت امیر علیہ السلام کے تمام صحابہ محو حیرت تھے کہ یہ کون جوان تھا جس کی شجاعت نے دونوں لشکروں کو بحر حیرت میں غرق کر دیا پہچانا اس لئے نہ تھا کہ انہوں نے اپنے چہرۂ انور پر نقاب ڈالا ہوا تھا جب واپس آئے تو حضرت امیر علیہ السلام نے بلایا۔ اور نقاب کو ان کے چہرۂ نورانی سے ہٹایا تب لوگوں کو معلوم ہوا کہ یہ قمر بنی ہاشم تھے۔

اس روایت پر بعض لوگ اشکال کرتے ہیں لیکن خانوادہ رسالت کے نونہالوں سے اس قسم کی شجاعت قطعاً بعید از عقل نہیں۔ اسی جنگ صفین میں عباس کی عمر کا سولہ برس کے قریب ہونا مورد اشکال ہے۔ لیکن اس کا حل یہ ہے کہ حضرت عباس کی جسمانی کیفیت اور نشوونما اس قسم کا تھا کہ وہ تھوڑی عمر میں جوان معلوم ہوتے تھے۔ اس دور میں بھی ۱۲ یا ۱۳ برس کا صحت مند لڑکا دیکھنے میں ۱۶ سال کا معلوم ہوتا ہے۔ تو حضرت عباس کی قد و قامت اور جسامت سے کیا بعید ہے کہ واقع میں ۱۲ برس کے ہوں لیکن دیکھنے والوں کو سولہ برس کے معلوم ہوتے ہوں۔ اسی بنا پر مناقب خوارزمی سے منقول ہے کہ حضرت عباس جنگ صفین کے دوران میں پورے جوان تھے اور ان کے حق میں تام و کامل کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

حضرت عباس کی وفاشعاری:۔ جب ابن زیاد نے ابن سعد کو خط لکھ کر شمر کے حوالہ کیا جس کا مضمون یہ تھا کہ

اور فوج کا علم حضرت ابوالفضل عباس کے حوالہ فرمایا۔

مروی ہے کہ صبح عاشور جناب بریر حضرت عباس کے پاس سے گذرے اور عرض کی اگر اجازت ہو تو میں آپ سے ایک حدیث بیان کروں آپ نے اجازت دی تو بریر نے عرض کی کہ آپ کے والد ماجد حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنے بھائی عقیل کے مشورہ سے آپ کی والدہ ماجدہ کے ساتھ شادی اسی دن کے لئے کی تھی۔ گویا بریر حضرت عباس کی شجاعت و جرأت کو دیکھنا چاہتے تھے اور حضرت عباس بھی اس کا اشارہ سمجھ گئے۔ پس آپ کے تیور بدل گئے اور گھوڑے پر انگڑائی لی کہ رکابیں ٹوٹ گئیں اور زبان درفشاں سے یہ الفاظ نکلے۔ أَأَنْتَ تُشَجِّعُنِي لِمِثْلِ هٰذَا الْيَوْم۔ یعنی کیا تم آج کے دن مجھے شجاعت کا سبق دینے آئے ہو مقصد یہ تھا کہ میں اس مطلب سے غافل نہیں ہوں اور ہر وقت پیش آمدہ مصائب میں اپنے مولا کی سپر بننے کے لئے تیار ہوں۔

داستان شہادت حضرت عباسؑ

جب حضرت عباس نے دیکھا کہ اہل بیت میں سے کافی جوان شہید ہو چکے ہیں تو اپنے تینوں بھائیوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ اب تم اپنے مولا پر قربانی کے لئے تیار ہو جاؤ۔ پس وہ سب حضرت حسینؑ کے سامنے آگئے اور جس طرف سے تیر و نیزہ کا وار ہوتا تھا تو سینہ سپر ہو جاتے تھے۔ ناسخ سے منقول ہے حضرت عباس نے اپنے بھائیوں کو پہلے اس لئے جہاد کے لئے روانہ کیا تاکہ مبادا بعد میں ان کے لئے شہادت سے کوئی رکاوٹ پیدا ہو جائے۔ یا اس لئے تاکہ ان کو اپنی آنکھوں سے مولا کے سامنے شہید دیکھ کر صبر کر کے وفاداری کا ثبوت پیش کرے۔

بحار جلد عاشر سے منقول ہے کہ حضرت عباس نے جب امام کی تنہائی دیکھی تو عرض کی اے آقا! آیا مجھے اجازت ہے کہ جہاد کروں تو یہ سن کر امام بہت روئے اور فرمایا برادر جان! تو میری فوج کا علمبردار ہے جب تو چلا جائے گا تو بقیہ فوج کی ہمت ختم ہو جائے گی۔ حضرت عباس نے عرض کی مولا اب میرا جام صبر لبریز ہو چکا ہے اور زندگی سے دل اکتا گیا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس نابکار قوم سے جہاد کر کے بحر شہادت میں غوطہ زنی کروں تو امام نے فرمایا اچھا جا کر ان بچوں کے لئے پانی لاؤ۔ پس حضرت عباس روانہ ہوئے اور قوم اشقیاء کو نصیحت کی اور پانی طلب کیا لیکن ان بے دینوں نے نہ مانا۔ جب واپس آئے تو بچوں کی العطش کی آواز گوش گذار ہوئی گھوڑے پر سوار ہوئے اور مشکیزہ و علم میں لے کر دریائے فرات کی طرف متوجہ ہوئے۔ دریائے فرات پر چار ہزار سپاہی موکل تھے انہوں نے ہر طرف سے حملہ کر دیا لیکن شیر خدا کے فرزند نے ایک ہی حملہ میں سب کو منتشر کر دیا اور اسی ملاعین کو تہ تیغ کر کے دریائے فرات میں جا داخل ہوئے۔ چلو میں پانی لیا اور پینے کا ارادہ کیا لیکن جب حسینؑ اور چھوٹے بچوں کی پیاس یاد آئی تو پانی کو گرا دیا۔ مشک کو پر کر کے دائیں کندھے میں ڈالا۔

اور باہر تشریف لائے، دشمنانِ دین نے جب حضرت عباس کو پانی لے کر خیموں کی طرف جاتے دیکھا تو ہر طرف سے حملہ آور ہو گئے۔ حضرت ابو الفضل نے پوری جانبازی سے ان کا مقابلہ کیا۔ نوفل بن ارزق نے چھپ کر دائیں شانہ پر وار کیا۔ اور دایاں بازو شہید ہو گیا پس نہایت پھرتی سے آپ نے مشکیزہ بائیں کندھے میں لیا تو حکیم بن طفیل نے چھپ کر بائیں بازو پر وار کیا۔ اور وہ بھی جدا ہو گیا پس آپ نے مشک کے تسمہ کو منہ میں لیا اور گھوڑے کو مہمیز کیا تا کہ کسی طرح پانی خیام میں پہنچ جائے لیکن ایک ظالم نے مشک پر ایسا تیر مارا کہ مشک چھد گئی اور پانی بہہ گیا پھر ایک تیر آپ کے سینہ مبارک پر لگا کہ آپ گھوڑے پر سنبھل نہ سکے۔ نیز بنی دارم کے ایک شخص نے ایک گرزگراں سے آپ کے سر اقدس پر وار کیا۔

بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت ابو الفضل پانی طلب کرنے کے لئے تشریف لے گئے تو ان سے فرمایا تھا کہ اے دشمنانِ خدا حضرت حسینؑ فرماتے ہیں کہ تم نے میرے اور میرے بچوں پر پانی بند کر رکھا ہے اگر میرا یہاں رہنا تمہیں پسند نہیں تو مجھے مہلت دو کہ میں اپنے پردہ داروں اور بچوں کو ہمراہ لے کر روم یا ہندوستان کی سرحدوں کی طرف چلا جاؤں اور حجاز و عراق کی سرزمین تمہارے لئے خالی کر دوں۔ نیز یہ بھی وعدہ کرتا ہوں کہ قیامت کے دن بھی تم سے اس بارہ میں مخاصمہ نہیں کروں گا اور نہ تمہارا شکوہ کروں گا۔ حضرت عباس کی اس تقریر نے ان بے دینوں کے سخت دلوں پر ذرا بھر اثر نہ کیا اور شمر نے جواب دیا اگر تمام روئے زمین پانی پانی ہو جائے اور ہمارے بس میں ہو تو تمہیں ایک قطرہ بھی نہ دیں گے۔ جب تک یزید کی بیعت نہ کرو گے۔

حضرت عباسؑ جب گھوڑے سے گرے تو آواز دی یَا اَخَاہُ اَدْرِکْنِیْ۔ اے بھائی میرے سر پر پہنچو۔ پس حضرت حسینؑ نے جونہی آواز سنی تو عباسؑ کے بالین سر پہنچے۔ سارا بدن خون سے گلگوں ہو گیا اور بازو بدن اطہر سے جدا تھے امام پاک یہ حالت دیکھ کر بہت روئے اور فرمایا اَلْاٰنَ اِنْکَسَرَ ظَھْرِیْ وَقَلَّتْ حِیْلَتِیْ۔ اب میری کمر ٹوٹ گئی اور سہارا نہ رہا۔ دمعہ ساکبہ سے منقول ہے کہ حضرت ابو الفضل عباس کے جسم پر زخم اس قدر زیادہ تھے کہ لاش کا وہاں سے منتقل کرنا مشکل تھا اس لئے مولا نے چشم اشکبار اور دلِ داغدار سے لاش کو وہیں رکھ دیا اور تنہا خیمہ کی طرف پلٹے جب جناب سکینہ خاتون نے دیکھا تو بچشم گریاں عرض کی بابا جان، میرے چچا عباس کہاں ہیں تو فرمایا بیٹی وہ شہید ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر اہل بیتؑ کے خیام میں ایک کہرام ماتم بپا ہوا۔ حضرت سکینہ خاتون واعماہ کر کے روتی تھیں۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ حضرت عباسؑ کی لاش پر آئے تو راستہ میں فوجوں کا گھمسان تھا اور امام کو راستہ نہ ملتا تھا پس آپ نے جہاد شروع کیا اور میمنہ و میسرہ پر ایک ایسے زور سے حملہ کیا کہ فوجیں تتر بتر ہو گئیں اس حملہ میں آپ نے ستر ملاعین کو فی النار کیا اور پھر حضرت عباسؑ کی لاش پر پہنچے۔ راوی کہتا ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ

ہماری طرف متوجہ ہوتے تھے تو ہمیں گمان پڑتا تھا کہ حضرت امیر علیہ السّلام خود بنفسِ نفیس جنگ کر رہے ہیں۔ جب حضرت امام حسین علیہ السّلام لاش پر پہنچے تو عباسؑ کی زخموں سے حالت یہ تھی جس طرح ایک شاعر نے تصویر کشی کی ہے۔

قَدْ رَامَ يَلْثِمُهُ فَلَمْ يَرَ مَوْضِعًا   لَمْ يُدْمِهِ عَضُّ السِّلَاحِ فَيَلْثِمِ

امام پاک نے چاہا کہ بھائی کو بوسہ دے لیکن جسم مبارک پر زخموں سے کوئی جگہ خالی نہ تھی جس پر بوسہ دیا جا سکے۔

نیز ایک شاعر نے بزبانِ حال کہا کہ امام پاک نے اپنے بھائی کی لاش پر یہ کلمات کہے۔

اَلْيَوْمَ خَرَّ عَنِ الْهِدَايَةِ بَدْرُهَا   اَلْيَوْمَ غَبَّ عَنِ الْبِلَادِ غَمَامُهَا

آج ہدایت کا بدرِ کامل غروب ہوگیا۔ آج شہروں سے بارانِ رحمت کا بادل روپوش ہوگیا

اَلْيَوْمَ نَامَتْ اَعْيُنٌ بِكَ لَمْ تَنَمْ   وَتَسَهَّدَتْ اُخْرَى وَعَزَّ مَنَامُهَا

آج وہ آنکھیں سو جائیں گی جو تیرے رعب سے نہ سوتی تھیں اور ان کے مقابل میں کئی آنکھیں بیدار رہیں گی جن کا سونا اب مشکل ہے

حضرت عباسؑ کی شہادت کے بعد سب سے پہلے جناب اُمّ البنین نے آپ کا مرثیہ کہا۔ مروی ہے کہ حضرت عباس کے دو شہزادوں کا ہاتھ پکڑ کر جنت البقیع میں چلی جاتی تھی اور وہاں مصروفِ گریہ رہتی تھی۔ لوگ ان کا مرثیہ سننے کے لئے جمع ہو جاتے تھے اور زار و زار روتے تھے۔

کہتے ہیں روزِ عاشور تک دشمنانِ حسینؑ راتوں کو آرام نہیں کرتے تھے بلکہ حضرت عباس کا رعب و جلال ان کو بےفکری کی نیند نہیں سونے دیتا تھا لیکن جب آپ جامِ شہادت نوش فرما کر دریا کے کنارے سو گئے تو اس دن کے بعد دشمنانِ حسینؑ بےفکر ہو کر سوتے تھے اور سادانیوں کو نیند نہیں آتی تھی حالانکہ شب دہم تک تمام بی بیاں آرام سے بےفکری کی نیند سوتی تھیں۔ غالباً جناب اُمّ کلثوم نے جو واپسی پہ مدینہ سے باہر مدینہ کو خطاب کر کے مرثیہ پڑھا اس کے اس شعر کا مقصد یہی ہے۔ وَمِنْ سَهَرِ اللَّيَالِي قَدْ عَمِيْنَا۔ کہ بھائیوں کی شہادت کے بعد راتوں کی مسلسل بیداری و بےآرامی نے ہماری نظریں کمزور کر دی ہیں۔

منقول ہے مسجد کوفہ میں خطبہ کے دوران میں حضرت امیر علیہ السّلام نے دیکھا کہ حسینؑ کو پیاس ہے تو اپنے غلام قنبر کو حکم دیا پانی لاؤ۔ یہ آواز عباسؑ نے سن لی دوڑ کر گھر میں تشریف لائے اور ماں سے پانی کا جام طلب کیا کہ مجھے جلدی سے پانی دیجئے کیونکہ میرا آقا حسینؑ پیاسا ہے اور بابا نے قنبر کو پانی لانے کا حکم دیا ہے میں نہیں چاہتا کہ حسینؑ کا سقا میرے علاوہ کوئی اور ہو جائے پس قنبر سے پہلے پانی لا کر پیش کیا۔

اور محرم کی ساتویں کو جب خیام کے اکھیڑنے کا حکم ملا تو عباس نے کوفیوں کو للکار کر کہا کہ میری موجودگی میں خیام کو

نہیں اُٹھایا جاسکتا لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام کے فرمان کی تعمیل میں مجبور تھے۔ پس چاروناچار خیام کو دریا کے کنارہ کے الگ جا کر نصب کیا۔

کہتے ہیں جب امام حسین علیہ السلام حضرت عباس کی لاش پر پہنچے اور عباس کا سر گود میں رکھا۔ عباس کے منہ پر کان لگا کر سنا تو وہ عرض کر رہے تھے۔ اے مولا میری ایک آنکھ میں تیر لگا ہوا ہے اور دوسری آنکھ میں خون بھر چکا ہے۔ میرے منہ سے خون صاف کیجئے کیونکہ میرے ہاتھ نہیں ہیں تاکہ آپ کے چہرہ انور کی ایک دفعہ زیارت کر لوں، چنانچہ امام مظلوم نے اپنے دامن سے عباس کے منہ اور آنکھوں سے خون صاف کیا اور عباس نے اپنے آقا کی زیارت کر کے دوبارہ آنکھ بند کر لی اور عرض کی آقا میری لاش کو اٹھا کر خیام کی طرف نہ لے جائیے۔ وجہ دریافت کی تو عرض کی کہ میں تیری شہزادی سکینہ سے پانی کا وعدہ کر آیا تھا اب مجھے شرم آتی ہے کہ خالی کیسے جاؤں گا، نیز میری یہ حالت دیکھ کر بچے برداشت نہ کر سکیں گے۔ نیز میں نے عصمت مآب بیبیوں کی پردہ داری کی ضمانت لی ہوئی تھی اب وہ عالم بے چارگی میں مجھے دیکھیں گی تو بے حال ہوں گی۔ پس امام عالی مقام نے عباس کی لاش کو وہیں رکھ دیا۔ اور حضرت سجاد نے باعجاز امامت تیرھویں محرم کو تشریف لا کر بنی اسد کی مدد سے ان کو وہیں دفن کر دیا۔

ان میں سے بعض روایات کو میں نے کتب معتبرہ میں نہیں دیکھا لیکن میرا نہ دیکھنا نہ ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ ذاکرین و واعظین کی زبان پر ان روایات کو شہرت حاصل ہے اور حال کی مناسبت بھی ان کی مؤید ہے۔

بعض کتب مصائب میں ہے کہ حضرت عباس کا ایک فرزند مدینہ میں اپنی دادی امّ البنین کے پاس رہ گیا تھا جب بشیر بن جذلم نے مدینہ میں اسیران اہل بیتؑ کی جانب سے ان کی آمد کی خبر دی تو یہ بچہ بشیر کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اور اُس نے پوچھا کہ کیا میرے بابا بھی واپس آئے ہیں کیونکہ میری دادی کو ان کا سخت انتظار ہے جو اس وقت دیوار کے اس طرف کھڑی ہے۔ پس بشیر نے کہا کہ دادی سے کہو تیرے چاروں فرزند درجہ شہادت پر فائز ہو چکے ہیں۔ پس یہ مخدرہ ہر روز جنت البقیع میں جا کر گریہ فرماتی تھیں کہ لوگ سن کر بے تحاشا رو دیتے تھے اور اپنے بیٹوں کی بجائے بی بی کا گریہ امام حسینؑ کے لئے ہوتا تھا اور فرماتی تھیں میرے چار بیٹے مارے گئے۔ کاش حسینؑ بچ جاتا۔

۱۱۔ عباس اصغر ابن امیر المومنینؑ

مقام فرہاد میرزا سے منقول ہے کہ انہوں نے تذکرۃ الخواص سے نقل کیا ہے۔ جب سرہائے شہداء کو کوفہ میں لایا گیا تو قاسم بن اصبغ مجاشعی روایت کرتا ہے۔ میں نے ایک گھوڑے سوار کو دیکھا کہ اس کے گھوڑے کی گردن سے

ایک نوجوان کا سر لٹکا ہوا تھا جس کا چہرہ مبارک چودھویں کے چاند کی مانند تاباں تھا اور پیشانی نورانی سے سجود کے آثار نمایاں تھے۔ گھوڑا جب سر کو بلند کرتا تھا تو وہ سر مبارک گھوڑے کے گھٹنوں سے ٹکراتا تھا۔ اور جب گھوڑا سر نیچے کرتا تھا تو وہ سر مبارک زمین پر پہنچ جاتا تھا میں نے اس سوار کا نام پوچھا تو کہا گیا کہ یہ حرملہ بن کاہل ہے اور اس سر کے متعلق دریافت کیا تو بتایا گیا کہ یہ عباس بن علی کا سر ہے۔ اس وقت حرملہ کی شکل بھلی معلوم ہوتی تھی جب چند دنوں کے بعد میں نے حرملہ کو دوبارہ دیکھا تو نہایت بدشکل اور روسیاہ نظر آیا کہ پہچانا نہ گیا تو میں نے اس سے وجہ پوچھی کہ کربلا سے واپسی کے روز میں نے تجھے اچھی شکل سے دیکھا تھا لیکن آج تجھے نہایت بدصورت دیکھ رہا ہوں؟ تو اس نے رو کر جواب دیا کہ جب سے میں نے وہ سر اٹھایا ہے اس دن سے آج تک ہر رات خواب میں میرے پاس دو آدمی آتے ہیں اور مجھے گرفتار کر کے جہنم میں ڈال دیتے ہیں۔ تمام رات جلتا رہتا ہوں اور قبیلہ کے تمام لوگ میری تمام رات کی چیخ و پکار سنتے رہتے ہیں۔ لیکن میری فریاد رسی کوئی نہیں کر سکتا۔ پس وہ تا زیست اس عذاب میں مبتلا رہا (اس پر خدا کی لعنت ہو) اور پھر عذاب دائمی کی طرف منتقل ہو گیا۔ اُردو ترجمہ تذکرۃ الخواص میں یہ روایت باختلاف الفاظ موجود ہے صـ۳۳۶

مقاتل الطالبین مطبوعہ ایران صـ۳۴ سے منقول ہے۔ قاسم بن اصبغ کہتا ہے۔ میں نے قبیلہ دارم کے ایک شخص کو دیکھا جس کا منہ شب تار کی طرح سیاہ تھا حالانکہ اس سے قبل وہ ایک خوبصورت جوان تھا۔ میں نے اس سے دریافت کیا کہ تیری اچھی خاصی شکل منخ کیسے ہو گئی؟ تو اس نے جواب دیا کہ حسینؑ کی فوج میں ایک نوعمر جس کی ڈاڑھی ابھی نہیں آئی تھی اور اس کی پیشانی سے سجود کے آثار نمایاں تھے میں نے اس کو شہید کیا اس دن سے لے کر آج تک وہی جوان خواب میں مجھے ہر شب گرفتار کر لیتا ہے اور مجھے دوزخ میں دھکیل دیتا ہے۔ میں فریاد کرتا ہوں کہ سارا قبیلہ تمام شب میری آہ و فغاں کو سنتا رہتا ہے اور یہ سب کچھ اسی عذاب کا نتیجہ ہے جو تو دیکھ رہا ہے۔ وہ جوان جس کو میں نے قتل کیا تھا عباس بن علی تھا۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام کے عباس نامی دو فرزند تھے۔ ایک عباس اکبر جو حضرت ابوالفضل سقاء علمدار فوج حسینی تھے۔ ان کی عمر ۳۵ برس تھی اور دوسرے عباس اصغر جو غالباً ۱۹ برس کے تھے اور اس کی تائید متعدد کتب سے ملتی ہے چنانچہ کتاب العباس سید عبدالرزاق نجفی صـ۵۲ سے منقول ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام کے فرزند سولہ تھے (۱) حسنؑ (۲) حسینؑ (۳) محسن۔ ان کی والدہ جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا تھیں (۴) محمد بن حنفیہ۔ ان کی والدہ کا نام خولہ تھا (۵) عباس (۶) عبداللہ (۷) جعفر (۸) عثمان۔ ان کی والدہ ام البنین تھی (۹) عمر الاطرف (۱۰) عباس اصغر۔ ان کی والدہ کا نام صہبا تھا (۱۱) محمد اصغر۔ ان کی والدہ امامہ بنت ابی العاص تھیں (۱۲) یحییٰ (۱۳) عون۔ ان کی والدہ اسماء بنت عمیس تھیں (۱۴) عبیداللہ (۱۵) ابوبکر۔ ان کی والدہ لیلیٰ بنت مسعود تھیں (۱۶) محمد اوسط۔ ان کی والدہ ایک ام ولد تھی۔ اور

مقاتل الطالبین سے مروی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے ایک فرزند کا نام ابراہیم بھی تھا جس کی والدہ ایک ام ولد تھی۔

ناسخ التواریخ سے منقول ہے۔ بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ عباس بن علی شب عاشور شہید ہوئے لیکن اکثر علمائے تاریخ حضرت عباس کی شہادت روز عاشور ذکر کرتے ہیں تو وجہ یہ ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام کے دو فرزندوں کا نام عباس تھا ایک عباس اکبر اور دوسرا عباس اصغر۔ پس ممکن ہے کہ عباس اصغر شب عاشور پانی لینے کے لئے گئے ہوں اور درجہ شہادت پر فائز ہوئے ہوں۔ (واللہ اعلم)

۱۲۔ عبدالرحمٰن بن عقیل

زیارت ناحیہ مقدسہ اور زیارت رجبیہ میں اس پر سلام وارد ہے، اور اس کے قاتل پر لعنت بھی وارد ہے عبدالرحمٰن بن عقیل نے روز عاشور جہاد کیا اور سترہ ملاعین کو فی النار کیا عثمان بن خالد جہنی اور بشر بن خوط ہمدانی کے ہاتھوں درجہ شہادت پر فائز ہوا۔ جب مختار علیہ الرحمہ نے خروج کیا تو عبداللہ بن کامل کو حکم دیا کہ عبدالرحمٰن بن عقیل کے دونوں قاتلوں یعنی عثمان بن خالد اور بشر بن خوط کو گرفتار کر کے لاؤ۔ چنانچہ عبداللہ بن کامل عصر کے وقت قبیلہ ہمدان کی ایک مسجد میں پہنچا اور وہاں کے لوگوں کو کہا اگر تم ان دونوں کو گرفتار کر کے میرے پاس نہ لاؤ گے تو تم سب کو قتل کر دوں گا پس لوگ ان کی تلاش میں نکلے اور ... سے ان دونوں کو ڈھونڈ لائے جب کہ یہ کوفہ سے جزیرہ کی طرف فرار کرنا چاہتے تھے۔ پس عبداللہ بن کامل نے دونوں کو قتل کر دیا اور مختار کو مبارک کا پیغام بھیج دیا۔ مختار نے حکم بھیجا کہ ان دونوں کی نجس لاشوں کو نذر آتش کر دیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

۱۳۔ عبداللہ بن حسن اکبر

بحار الانوار جلد ۱۰ سے منقول ہے کہ حضرت قاسم کے بعد حضرت عبداللہ بن حسن اکبر میدان میں گئے اور رجز پڑھتے ہوئے جہاد کیا۔ پس چودہ ملاعین کو تہ تیغ کر کے ہانی بن ثبیت حضرمی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

۱۴۔ عبداللہ بن حسن اصغر

کفایۃ الطالب سے منقول ہے کہ اس کی والدہ رملہ بنت سلیل بن عبداللہ بجلی تھی۔ ابھی دائرہ بلوغ میں ان کا قدم نہیں آیا تھا۔ بہرکیف یہ شہزادہ دس گیارہ برس کے لگ بھگ ہی تھا۔ جب اپنے عم بزرگوار کو اپنے مقام پر نہ پایا تو خیمہ سے نکل کر جلدی سے میدان کی طرف دوڑا۔ جناب زینب عالیہ نے کوشش کی کہ اس کو واپس لے آئیں لیکن اس نے قسم کھائی کہ میں اپنے چچا بزرگوار سے ہرگز جدا نہ ہوں گا۔ پس وہ حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچا۔ اس طرف ابجر بن کعب یا حرملہ ملعون نے امام پاک کو شہید کرنے کے لئے تلوار بلند کی تو اس بچے نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے چچا کے اوپر ڈھال بنا لئے اور فرمایا! اے خبیث عورت کے بیٹے تم میرے چچا کو قتل کرتے ہو؟ لیکن اس ملعون نے کوئی پرواہ نہ کی اور تلوار چلا دی چنانچہ بچے کے دونوں ہاتھ جدا ہو گئے۔ بچے نے آواز دی جیسے کہ بچوں کا دستور ہے مصیبت کے وقت باپ سے پہلے ماں کو یاد کرتے

ہیں، اے مادرِ گرامی۔ میرے ہاتھ کٹ گئے ہیں، پس امام عالی مقام نے اس کو اپنی گود میں لیا اور اس کو بہلایا اور فرمایا بیٹے ابھی تم اپنے باپ کی گود میں جا سوؤ گے لیس کوئی غم نہ کرو۔ ابھی امام بچے کو بہلا رہے تھے کہ حرملہ نے ایک تیر مارا جو بچے کی گردن میں لگا اور بچہ اپنے چچا کی گود میں خاموش ہو گیا۔ جناب زینب عالیہ نے یہ حالت دیکھ کر نالہ و فغاں کیا اور تمام اہل بیت میں کہرام ماتم بپا ہوا۔

۱۵۔ عبداللہ رضیع بن حسین علیہ السلام

زیارت ناحیہ میں عبداللہ رضیع پر سلام وارد ہے۔ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ آیا عبداللہ رضیع وہی شہزادہ علی اصغر ہے یا وہ الگ الگ ہیں۔ ذخیرۃ الدارین سے منقول ہے کہ یہ عبداللہ رضیع آسی دن یعنی روز عاشورہ پیدا ہوا۔ اور امام حسینؑ نے اس کا نام عبداللہ رکھا۔ اس کی والدہ کا نام ام اسحاق بنت طلحہ بن تیمیہ تھا جو امام پاک کے ہمراہ تھیں۔ جب بچہ پیدا ہوا تو اسے امام کی خدمت میں لایا گیا۔ امام نے اسے گود میں لیا اور اپنی زبان مبارک بچے کے منہ میں دی اور اپنے لعاب دہن سے بچے کا منہ کھولا۔ ابھی اثنا میں عبداللہ بن عقبہ غنوی یا ہانی بن ثبیت حضرمی نے تیر مارا۔ اور بچہ کو باپ کے دامن میں شہید کر دیا۔ امام نے بچہ کا خون آسمان کی طرف پھینکا کہ ایک قطرہ بھی واپس نہ آیا۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اگر ایک قطرۂ خون بھی واپس زمین پر نازل ہوتا تو عذاب خدا نازل ہو جاتا۔

۱۶۔ عبداللہ اصغر بن عقیل

ذخیرۃ الدارین سے منقول ہے کہ یہ حضرت عقیل کا فرزند تھا اور اس کی والدہ ام ولد تھیں اور کربلا میں شہید ہوا۔ نیز رجال مامقانی سے بھی اس کا شہدائے کربلا میں سے ہونا منقول ہے

۱۷۔ عبداللہ بن علی بن ابی طالبؑ

یہ حضرت ام البنین کا لخت جگر ۲۵ برس کا نوجوان تھا۔ شیر کردگار کا شیر فرزند جب گھوڑے پر سوار ہوا اور میدان کا رخ کیا تو مرحبا کا رزار میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ ریاض الشہادہ شیخ محمد حسن قزوینی سے منقول ہے کہ باوجود تشنہ لبی کے اس بہادر نے فوج اشقیاء میں اپنے بابا کی جنگ کی یاد تازہ کی اور ایک حملہ میں ایک سو ستر ملاعین کو فی النار کیا اور آخر ہانی بن ثبیت حضرمی کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمایا۔

۱۸۔ عبداللہ بن مسلم بن عقیل

زیارت ناحیہ و رجبیہ میں اس پر سلام وارد ہے۔ نفس المہموم سے منقول ہے کہ جب امام حسینؑ کے تمام انصار شہید ہو گئے اور صرف بنی ہاشم یعنی عقیل و جعفر طیار کی اولاد و امام حسن و حسین کی اولاد اور حضرت امیر علیہ السلام کی اولاد بچ گئی۔ اور یہ وہ جوان تھے کہ ان کا ہر ایک اپنی نظیر آپ تھا۔ پس یہ سب ایک جگہ جمع ہوئے اور آمادہ جنگ ہو کر سب نے ایک دوسرے کو وداع کیا۔ امام عالی مقام یہ دل خراش و جگر سوز منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ کافی وقت تک ان ماہ رُخ

جوانوں کے چہروں کو دیکھتے رہے اور ایک گھنٹہ تک گریہ کیا پھر جانب آسمان منہ کر کے عرض کی اے پروردگار ہم تیرے نبی کی عترت ہیں، ہمیں وطن سے نکالا گیا اور حرم رسولؐ کی ہمسائیگی سے ہمیں محروم کیا گیا اور بنی امیہ نے ہم پر ظلم کیا۔ اے اللہ تو ہمارے درمیان فیصلہ فرما اور قوم ظالم پر ہماری نصرت فرما۔

بہر کیف حضرت امام حسین علیہ السلام سے عبداللہ بن مسلم بن عقیل نے جب اذن جہاد طلب کیا تو امام نے فرمایا اے عبداللہ تیرے بابا حضرت مسلم کو شہید ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گذرا اور تمہارے لئے مسلم کی شہادت کافی ہے۔ میں تم کو اجازت دیتا ہوں کہ بے شک اس مہلکہ سے جان بچا کر چلے جاؤ تو عبداللہ نے عرض کی اے آقا! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ میں ہرگز وہ شخص نہیں ہوں کہ زندگانی دنیا کو آخرت پر ترجیح دوں۔ بس میری قربانی آپ منظور فرمائیں۔ یہ محسن کہ مصدر کرم و منبع جود و سخا نے اسے اجازت دی اور وہ رجز پڑھتا ہوا میدانِ کارزار میں پہنچا۔

بروایت ابن شہر آشوب اُس نے تین حملے کئے اور مجموعی طور پر ۹۰ ملاعین کو فی النار کیا۔ اچانک عمرو بن صبیح صیداوی نے ایک تیر مارا۔ عبداللہ نے اپنے منہ کو بچانے کے لئے اپنا ہاتھ پیشانی کے سامنے کیا لیکن تیر اس زور سے لگا کہ عبداللہ کا ہاتھ پیشانی کے ساتھ اس نے سی دیا۔ عبداللہ نے ہاتھ چھڑانے کی ہر چند کوشش کی لیکن ہاتھ پیشانی سے جدا نہ ہو سکا۔ پھر ایک ملعون نے سینہ مبارک پر ایک نیزہ کا وار کیا کہ عبداللہ گھوڑے کی زین سے فرش زمین پر آئے۔ اور مرغ روح پاک نے سوئے جنت پرواز کی۔

ابو مخنف سے مروی ہے کہ زید بن ورقا جہنی کہتا ہے۔ میں نے کربلا میں ایک جوان کو تیر مارا کہ اس نے اپنا ہاتھ پیشانی پر رکھا تھا۔ تیر اس زور سے لگا کہ ہاتھ اس جوان کا پیشانی کے ساتھ پیوست ہو گیا۔ اس جوان نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی لیکن کارگر نہ ہوئی پھر کسی ظالم نے ایک دوسرا تیر اس جوان کو مارا کہ وہ جوان شہید ہو گیا اور وہ جوان عبداللہ بن مسلم بن عقیل تھا۔ میں اس جوان کی لاش پر پہنچا اور پوری قوت سے تیر کو اس کی پیشانی سے کھینچا لیکن تیر کا پھل ٹوٹ گیا جس کو میں نہ نکال سکا۔

حضرت مختار نے عبداللہ بن مسلم کے قاتل عمرو بن صبیح صیداوی کو تیر برسا کر قتل کروایا اور پھر اس کی لاش کو نذر آتش کر دیا۔

۱۹۔ عبید اللہ بن عبد اللہ بن جعفر طیارؓ

مقاتل الطالبین سے منقول ہے کہ اس کی ماں خوصا بنت حفص قبیلہ بکر بن وائل سے تھی اور بنا بر روایت مناقب اس کو بشر بن خوط نے شہید کیا۔

۲۰۔ عبید اللہ بن امیر المومنینؑ

زیارت رجبیہ میں عبید اللہ بن امیر المومنین پر سلام وارد ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ وہی ہیں جن کی کنیت ابوبکر تھی لیکن زیارت مذکورہ میں عبید اللہ کے بعد ابوبکر بن امیر المومنینؑ پر بھی علیحدہ سلام وارد ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ابوبکر کا

نام محمد تھا۔ واللہ اعلم۔

۲۱۔ عثمان بن امیر المومنینؑ

زیارت رجبیہ میں اس پر بھی سلام وارد ہے۔ اُمّ البنین کا لختِ جگر حضرت ابوالفضل عباس کا یک مادری بھائی تھا۔ واقعہ کربلا میں اس کی عمر ۲۱ برس تھی۔ عثمان بن مظعون صحابی رسولؐ کی وفات کے بعد حضرت امیرؑ نے اپنے فرزند کا نام عثمان انہی کی یاد میں رکھا تھا۔ مروی ہے کہ حضرت عباس نے اپنے بھائی عبداللہ اور جعفر کی شہادت کے بعد اپنے تیسرے بھائی عثمان کو جہاد کے لئے روانہ فرمایا۔ شیر خدا کے اس فرزند کی تفصیل جہاد نہیں مل سکی۔ صرف اسی قدر ہے کہ رجز پڑھتے ہوئے شانِ حیدری سے میدان میں جوہر شجاعت دکھائے اور خولی بن یزید اصبحی کے تیر سے زمین پر گرے۔ اور بنی دارم کے ایک شخص نے ان کا سر تن سے جدا کیا۔ مختار نے اس کے قاتل خولی ملعون کو زندہ آگ میں جلا دیا تھا۔

۲۲۔ علی بن عقیل

اس کی والدہ ایک ام ولد تھی اور کربلا میں وہ بھی ساتھ تھی۔ میدانِ جنگ میں ۳ سواروں اور ۱۸ پیادوں کو تہ تیغ کر کے عبداللہ بن قطنہ طائی کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش فرمایا۔

۲۳۔ علی اصغر

ان کی والدہ جناب رباب بنت امرء القیس بن عدی کلبی تھیں۔ تمام سے مروی ہے کہ امرء القیس بن عدی نصرانی تھا اور جب مسلمان ہوا تو اس وقت خلافت ثانیہ کا دور تھا۔ خلیفہ نے اس کو بنی قضاعہ کی سرداری کا عہدہ تفویض کیا۔ یہ عہدہ حاصل کرنے کے بعد جب مسجد نبوی سے نکلا تو حضرت امیر المومنینؑ اپنے دو نو شہزادوں سمیت اس کو جا ملے۔ رسمی تعارف کے بعد آپ نے امرء القیس سے خواستگاری کی تو اس نے عرض کی اے آقا میری تین لڑکیاں ہیں۔ ایک کا نام محیات ہے اس کا میں نے آپ سے نکاح کیا اور دوسری کا نام سلمیٰ ہے وہ حسن کو دیتا ہوں اور تیسری کا نام رباب ہے اور وہ میں نے حسین کو نکاح میں دی۔ بہر کیف رباب کا عقد حضرت حسینؑ کے ساتھ خلافت ثانیہ کے دور میں ہوا۔ جناب سکینہ خاتون اور حضرت علی اصغر اسی خاتون کے شکم پاک سے تھے۔ یہ خاتون امام عالی مقام کی بڑی وفادار تھی اور امام پاک بھی اس سے محبت بہت کرتے تھے۔ صمصام سے مروی ہے کہ جب اس خاتون نے ابن زیاد کے دربار میں اپنے مولا کا سر دیکھا تو ضبط نہ کر سکی، اور نامناسب مقام سے سر پاک کو اٹھا کر گود میں لے لیا اور سخت ماتم کیا۔

میں نے بعض کتب مراثی میں دیکھا ہے کہ شب یازدہم جب ام رباب کو ماتا کی بوسنے مجبور کیا تو میدان کی طرف چل پڑیں تاریکی شب نے دکھائی کچھ نہ دیتا تھا لیکن علی اصغر کا تصور دل پر تھا پس جب بھی کوئی جنبہ جگہ سامنے آئی اور پاؤں کو دھکا لگتا تو فوراً ہائے اصغر کر کے

بیٹھ جاتیں ۔ ممکن ہے یہ میرے اصغر کی قبر ہو۔

کامل ابن اثیر سے مروی ہے کہ جناب رباب جب شام کی قید سے رہا ہو کر بعد فاطمہ مدینہ میں واپس آئیں تو اشراف قریش نے خواستگاری کی لیکن اس وفادار خاتون نے جواب دیا کہ رسول اللہ کے رشتہ کے بعد کسی دوسرے سے اپنا رشتہ نہیں کرنا چاہتی ۔ پس غم واندوہ میں ایک سال گذارا اور تا زیست سایہ پر نہ بیٹھیں کمزوری و لاغری بدن پر غالب آگئی تھی نیز مروی ہے کہ ایک سال امام حسین کی قبر کی مجاوری کی ۔ نیز اکافی سے بھی مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا شہادت حسینؑ کے بعد اَقَامَتْ اِمْرَأَةٌ کَلْبِیَّةٌ عَلٰی قَبْرِ الْحُسَیْنِ سَنَةً کَامِلَةً یعنی کلبیہ عورت نے ایک سال برابر امام کی قبر کی مجاوری کی ۔ جناب رباب اس قدر روتی تھیں کہ قرب وجوار کی تمام عورتیں ان کے گریہ سے متاثر ہو کر روتی تھیں اور اس قدر روئیں کہ آنکھوں سے آنسو ختم ہو گئے ۔ ایک کنیز کو دیکھا کہ اس کی آنکھ میں آنسو موجود ہیں اس سے وجہ دریافت کی تو جواب دیا کہ میں ستو استعمال کرتی ہوں جس کی وجہ سے میری آنکھوں سے آنسو ختم نہیں ہوتے پس بی بی نے ستو تیار کرائے اور تمام کنیزوں اور قبیلہ کی عورتوں میں تقسیم کئے ۔ اور فرمایا میں چاہتی ہوں کہ مجھ میں امام حسینؑ کے ماتم میں رونے کی زیادہ سے زیادہ قوت پیدا ہو۔

ایک دن کسی نے پہاڑی پرندہ کا گوشت بھونا ہوا ہدیہ کے طور جناب رباب کے پیش کیا تو بی بی نے جواب دیا کہ یہ غذا ان لوگوں کی ہے جو عروسی منا رہے ہوں ، ہم لوگ ماتم دار ہیں اس قسم کی غذائیں ہمیں زیبا نہیں ۔ پس جو شخص لایا اس کو وہ غذا واپس کر دی گئی پس وہ شخص فوراً غائب ہو گیا معلوم نہ ہوا کہ جانب آسمان پرواز کر گیا ہے یا زمین میں چلا گیا ہے۔

سبط ابن جوزی سے تذکرۃ الخواص میں منقول ہے عَاشَتْ بَعْدَ الْحُسَیْنِ سَنَةً ثُمَّ مَاتَتْ کَمَدًا وَلَمْ تَسْتَظِلَّ بَعْدَ الْحُسَیْنِ بِسَقْفٍ یعنی جناب رباب امام حسینؑ کے بعد ایک سال زندہ رہیں اور غم واندوہ کی حالت میں ان کا انتقال ہوا اور حسینؑ کے بعد کبھی سایہ پر نہ بیٹھیں مشہور ذاکرین میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے تا زیست ٹھنڈا پانی بھی نہ پیا۔

روایات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں پہنچنے کے بعد ایک سال زندہ رہیں لیکن یہ تعین نہیں کیا جا سکتا کہ مدینہ میں کچھ دن رہ کر پھر امام پاک کی قبر پر تشریف لے گئیں اور ایک سال وہیں غم کی حالت میں رہ کر انتقال فرمایا یا شام سے واپسی پر ایک سال قبر حسین کی مجاوری کی اور پھر مدینہ میں تشریف لائیں نیز یہ بھی ممکن ہے کہ تمام مدت زندگی بعد از سفر شام ایک سال ہو جو قید کے بعد مدینہ میں گذاری اور یہ وقت کی ماتمداری کو مجاورت قبر حسینؑ سے تعبیر کیا گیا ہو۔

شہادت شہزادہ علی اصغر

میں اس شہادت کو سید العلماء و استاد الفضلا علامہ مولانا سید محمد باقر شاہ صاحب قبلہ مدظلہ العالی کی مجالس المرضیہ سے نقل کرتا ہوں ۔

تذکرہ سبط ابن جوزی میں ہشام کلبی سے مروی ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ نے دیکھا کہ لوگ میرے قتل پر آمادہ ہیں تو قرآن مجید کو کھول کر سر پر رکھا اور باآواز بلند ندا دی کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے اور میں تمہارے رسول کا نواسہ ہوں ۔ بتاؤ میرے خون کو کیوں جائز سمجھتے ہو؟ اتنے میں آپ نے اپنے شیر خوار کی آواز سنی جو شدت تشنگی سے رو رہا تھا۔ پس اس کو ہاتھوں پر اٹھایا اور فرمایا اے قوم اگر تم لوگ مجھے قابل رحم نہیں سمجھتے تو اس بچہ پر تو رحم کرو ۔ کیا عرض کروں کہ اس کا جواب کیا ملا ۔ جو ایک شقی ازلی نے چلّہ کمان سے تیر رہا کیا اور بچہ باپ کی گود میں شہید ہو گیا ۔ امام نے رو دیا اور بارگاہ خداوندی

میں عرض کی میرے اور اس قوم کے درمیان تو ہی فیصلہ کرنا جنہوں نے ہمیں دعوت دی اور پھر ہماری نصرت سے دست بردار ہو کر ہمارے قتل کے درپے ہو گئے۔ ہاتف غیبی کی ایک ندا آئی۔ دَعْهُ يَا حُسَيْنُ فَإِنَّ لَهُ مُرْضِعَةً فِي الْجَنَّةِ اے حسینؑ فکر نہ کرو، اس بچے کے لئے جنت میں ایک دایہ مقرر ہے (نفس المہموم ص۱۹۵) ممکن ہے اس دایہ سے مراد کوئی حور ہو یا شاید اس سے مراد جناب خاتونِ جنت ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے جناب زینب خاتون سے بچہ طلب فرمایا تھا کہ مجھے شیر خوار لا دیجئے تاکہ میں اس سے وداع کر لوں لیکن جب دیکھا کہ پیاس سے اس کے لب خشک ہیں اور رو رہا ہے تو پانی طلب کرنے کی خاطر ہاتھوں پہ اٹھا کر میدان میں لے آئے اور شیر خوار کے لئے پانی طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اے قوم تم لوگوں نے میرے جوان بھائی، بیٹے اور انصار کو شہید کر ڈالا ہے۔ اب اس بچے کے سوا میرے پاس اور کوئی باقی نہیں رہا کم از کم اس کو تو پانی پلا دو۔ اگر میرے اوپر تم رحم نہیں کرتے تو اس بچہ پر رحم کرو۔ لیکن امام عالی مقام کی اس تقریر کا ان سنگدلوں پر کیا اثر ہوا؟ اتنا ہی عرض کرتا ہوں کہ ایک تیر جفا گلوئے نازنین کی طرف آیا جس کے صدمہ سے بچہ باپ کی گود میں ہمک ہمک کر ہمیشہ کی نیند سو گیا۔

کتاب محرق القلوب ص۱۴۹ پر ہے کہ حرملہ بن کاہل اسدی نے تیر مارا جو علی اصغرؑ کی گردن سے گذر کر امام حسینؑ کے بازو میں پیوست ہو گیا۔ حضرت نے وہ تیر زور سے کھینچا اور حلق علی اصغر سے بہنے والا خون اپنے چلو میں لے کر آسمان کی طرف پھینکا۔ بچے نے پر ارمان نگاہ اپنے باپ کے چہرے پر دوڑائی اور ایک تبسم کر کے آنکھیں بند کر لیں۔ امام نے سرد آہ کھینچی کہ زمین میں زلزلہ آ گیا۔ پس خیام کا رخ فرمایا اور قریب پہنچ کر اہل حرم کو صدا دی کہ یہ لو علی اصغر حوض کوثر سے سیراب ہو چکا ہے۔ جونہی بیبیوں نے آواز سنی، سراسیمہ دوڑ کر آئیں۔ حضرت نے وہ بچہ ماں کی گود میں دیا۔

اس میں شک نہیں کہ اس دنیاوی پانی کے بدلے میں امام حسینؑ کو چار قسم کے پانی عطا ہوئے (۱) کوثر، کہ حسینؑ کے عزادار اس کو پی کر مسرور ہوں گے۔ (۲) آب حیات۔ جس کو عزاداروں کی آنسو سے ملایا جاتا ہے اور اس کی شیرینی میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ بھی حسینؑ کے ماتمداروں کے لئے جنت میں ہو گا۔ (۳) تمام مومنوں کی آنسو کا پانی کیونکہ حضرت حسینؑ قتیل العبرہ ہیں (۴) ہر سرد پانی۔ کیونکہ جب بھی کوئی مومن پانی پیتا ہے تو اپنے آقا و مولا کی تشنہ لبی کو یاد کرتا ہے۔ نیز مستحب بھی ہے کہ جب بھی انسان سرد پانی پیئے تو امام حسینؑ پر سلام و درود اور اس کے قاتلوں پر لعنت بھیجے۔ ایسا کیوں نہ ہو جب کہ دین خدا کی حفاظت کے لئے آپ کو پانی کے چار قسموں کے حقوق سے محروم کر دیا گیا۔ آپ کا پہلا حق تو وہی ہے جو تمام بنی نوع انسان کو پانی کے استعمال کے لئے بالعموم حاصل ہے۔

دوسرا حق۔ ذی روح ہونے کی حیثیت سے پانی کے استعمال کا حق حاصل ہے کیونکہ ہر ذی روح کی زندگی

کا دارومدار پانی پر ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی مملوک حیوان پیاس کی شدت سے مر رہا ہو اور پانی میسر آتا ہو تو نمازِ خدا کے لئے تیمم کر لیا جائے اور اس حیوان کی زندگی کو بچانے کے لئے پانی اس کو پلا دیا جائے۔

تیسرا حق بالخصوص اہلِ کوفہ پر تھا کہ آپ نے کئی مرتبہ پیاس سے جاں بلب ہونے کی حالت میں ان کو سیراب فرمایا تھا ایک دفعہ قحط سالی میں امام حسینؑ کی دعا سے بارانِ رحمت کا نزول ہوا تھا۔ دوسری مرتبہ جنگِ صفین میں جب فوجِ شام نے پانی پر قبضہ کیا تو امام حسینؑ نے باعجازِ امامت ان کو سیراب کیا تھا اور تیسری مرتبہ لشکرِ حر کو سیراب فرمایا تھا۔ ان ہر سہ حقوق کے باوجود آپ کو دریائے فرات کے کنارے پر معہ اصحاب و اہل بیت پیاسا شہید کر دیا گیا۔

چوتھا حق بخصوصی یہ بھی تھا کہ دریائے فرات بالخصوص جناب بتولِ معظمہ کے حق مہر میں داخل تھا۔

امام عالی مقام پر پیاس کی شدت حد درجہ کو پہنچی ہوئی تھی لیکن چار اعضاء مبارکہ پیاس سے سخت طور پر متاثر تھے۔ (۱) لب ہائے مبارک بالکل خشک تھے۔ (۲) جگر کباب ہو رہا تھا (۳) زبان خشک تھی (۴) چشم اطہر کے سامنے سماں تاریک تھا (ملخص از خصائص)

جناب سکینہ خاتون جب بعد از شہادت بابا کی لاش پر پہنچیں تو فرماتی ہیں گلوئے بریدہ سے آپ یہ فرما رہے تھے۔

(۱) شِيعَتِي مَا إِنْ شَرِبْتُمْ مَاءَ عَذْبٍ فَاذْكُرُونِي	اے میرے شیعو جب سرد پانی پینا تو مجھے یاد کرنا۔
(۲) أَوْ سَمِعْتُمْ بِغَرِيبٍ أَوْ شَهِيدٍ فَانْدُبُونِي	یا اگر کسی مسافر یا شہید کا ذکر سننا تو میرے اوپر آنسو بہا لینا۔
(۳) وَأَنَا السِّبْطُ الَّذِي بِغَيْرِ جُرْمٍ قَتَلُونِي	میں وہ سبط ہوں کہ مجھے انہوں نے بغیر جرم کے قتل کیا ہے۔
(۴) وَبِجُرْدِ الْخَيْلِ بَعْدَ الْقَتْلِ عَمْدًا سَحَقُونِي	اور قتل کے بعد گھوڑے کے سموں سے مجھے پامال کیا ہے۔
(۵) وَيْلَهُمْ قَدْ جَرَحُوا قَلْبَ الرَّسُولِ الثَّقَلَيْنِ	ان پر ویل ہو کہ انہوں نے رسول الثقلین کے دل کو زخمی کیا ہے۔
(۶) يَا لَرُزْءٍ وَمُصَابٍ هَدَّ أَرْكَانَ الْحَجُونِ	کتنی زبردست مصیبت ہے جس نے ارکان عالم کو منہدم کر ڈالا ہے۔
(۷) لَيْتَكُمْ فِي يَوْمِ عَاشُورَا جَمِيعًا تَنْظُرُونِي	کاش یوم عاشور تم سب مجھے دیکھتے ہوتے۔
(۸) كَيْفَ أَسْتَسْقِي لِطِفْلِي فَأَبَوْا أَنْ يَرْحَمُونِي	کہ میں کس طرح اپنے بچے کے لئے پانی مانگ رہا تھا اور وہ رحم نہ کرتے تھے
(۹) وَسَقَوْهُ سَهْمَ بَغْيٍ عِوَضَ الْمَاءِ الْمَعِينِ	اور پانی کے بدلے میں اس کو انہوں نے تیر جفا کا پانی پلایا۔
(۱۰) فَالْعَنُوهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ شِيعَتِي فِي كُلِّ حِينِ	اے میرے شیعو اختیار رکھو ہر وقت ان پر لعنت بھیجو۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے شیر خوار شہزادے کا خون چلو پر لیا۔ اور آپ نے آسمان کی طرف پھینکا کہ ایک قطرہ واپس نہ آیا رخالباً وہ ملائکہ کرام نے اپنے پاس محفوظ کر لیا ہے کہ بروز محشر اسے بطور شہادت کے پیش کیا جا سکے احتجاج میں

ہے کہ پس آپ گھوڑے سے اُترے اور خون آلود نازنین کو سپردِ خاک فرمایا۔ مروی ہے کہ نوکِ تلوار سے قبر کھودی، اور نمازِ جنازہ ادا فرمائی پھر دفن کیا۔ لیکن یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تمام شہدا میں اس شہید کے ساتھ یہ نرالا سلوک کیوں ہوا؟ تو اس کے کئی وجوہ ہو سکتے ہیں۔ (۱) شاید یہ وجہ ہو کہ باقی شہیدوں میں سے کسی کے لئے اس قدر وقت نہ مل سکا ہو (۲) شاید یہ گوارا نہ تھا کہ اس نازنین کا سر بھی تن سے جدا ہو کر نوکِ نیزہ پر آسکے (۳) شاید تین روز تک ریگِ گرم پر بچے کا رہنا ناگوار ہو۔ (۴) ممکن ہے گھوڑوں کے سموں میں پامال ہونے سے حفاظت کے لئے ایسا کیا ہو (۵) ممکن ہے شہزادہ کی خورد سالی و پیاس کی شدت اور مظلومیت سے تیرِ جفا کا نشانہ بننا ایسے روح فرسا واقعات تھے جن کے پیشِ نظر معصوم کی لاش کو دیکھنے کی تاب برداشت نہ ہو (۶) شاید دوسری لاشوں کی طرح اس لاش کا دوبارہ اٹھنا منظورِ خاطر نہ ہو۔ اور میں عرض کرتا ہوں شاید یہ وجہ بھی ہو اس بچہ کی دردرسیدہ ماں جب کل مقتل میں آئے گی تو شاید بچہ کی معصومیت و مظلومیت اور پھر جسمِ نازک کا گرم زمین پر رہنا برداشت نہ کر سکے اور نیز اس کی یتیم بہنیں اور پھوپھیاں بھی ضبط نہ کرسکیں گی۔ پس امام نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ اس کی لاش کو سپردِ خاک کیا جائے لیکن کہتے ہیں کہ ظالموں نے نوکہائے نیزہ سے بچہ کی مدفون لاش کو تلاش کر لیا اور سرِ نازنین کو تن سے جدا کر کے نوکِ نیزہ پر پیاسی بہنوں اور پھوپھیوں کے سامنے سوار کیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

۲۴۔ شہزادہ علی اکبر

شہزادہ علی اکبر کی والدہ اُمّ لیلیٰ دخترِ ابو مرہ ابن عروہ ابن مسعود ثقفی تھیں اور جناب اُمّ لیلیٰ کی والدہ ابوسفیان کی لڑکی اور معاویہ کی بہن تھی جس کا نام میمونہ تھا۔

واقعہ کربلا میں شہزادہ علی اکبر کی عمر شریف کس قدر تھی، اس میں مورخین کے اقوال بہت مختلف ہیں۔ ۱۸، ۱۹، ۲۰-۲۳-۲۵-۲۸ برس کے اقوال موجود ہیں۔ ابن ادریس سے سرائر میں منقول ہے کہ شہزادہ کی ولادت تیسری خلافت کے دور میں ہوئی لیکن سنہ ولادت انہوں نے ذکر نہیں فرمایا۔ اور حدائق الوردیہ سے منقول ہے کہ ۳۳ھ کی حدود میں شہزادہ کی ولادت ہوئی۔ شیخ عباس قمی اعلی اللہ مقامہ کے متعلق منسوب ہے کہ وہ ۲۵ برس کے قول کی تائید فرماتے ہیں۔ نیز علامہ نوری سے ہدیۃ الزائر میں بھی یہی قول منقول ہے۔

آقا شیخ ذبیح محلاتی نے کافی علمائے کرام کی تصریحات نقل کی ہیں کہ شہزادہ علی اکبر کا تولد تیسری خلافت کے آخری زمانہ میں ہوا ہے۔ انہی اختلافات کے پیشِ نظر اس امر میں بھی اختلاف ہے کہ آیا شہزادہ علی اکبر عمر میں امام علی زین العابدین علیہ السلام سے بڑے تھے یا چھوٹے؟ مذکورہ بالا تصریحات منقولہ کی روشنی میں صاف واضح ہوتا ہے کہ وہ حضرت

امام علی زین العابدینؑ سے بڑے تھے اور ان کا لقب علی اکبر بھی اسی امر کا شاہد ہے۔ نیز شیخ مذکور نے بہت سے مورخین کی تصریحات اس بارے میں بھی نقل کی ہیں کہ امام زین العابدین علیہ السلام علی اصغر تھے اور انہی سے امام حسین علیہ السلام کی نسل کا سلسلہ جاری ہوا۔

شیخ مذکور فرماتے ہیں کہ حضرت امیر علیہ السلام کی یادگار کے لئے امام حسینؑ نے اپنے فرزندوں کا نام علی رکھا تھا۔ اور امام زین العابدین کو علی اصغر ہی کہا جاتا تھا لیکن جب جناب رباب کے شکم مبارک سے شہزادہ علی اصغر کا تولد ہوا تو امام زین العابدینؑ کو علی اوسط کہا جانے لگا۔ شہزادہ علی اکبر کی کنیت ابوالحسن ہے۔ جیسا کہ شہزادہ کی زیارت کے الفاظ اس امر کے شاہد ہیں اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ شاید شہزادہ کا کوئی فرزند پیدا ہوا ہو جس کا نام حسن رکھا گیا ہو۔ واللہ علم تاریخ اس تفصیل سے خاموش ہے۔ ہمارے ان ذاکرین کی زبان پر مشہور ہے کہ علی اکبر کی عمر ۱۸ برس تھی۔

بنی ہاشم میں سے پہلا شہید شہزادہ علی اکبر تھا یا کوئی اور ہوا اس میں علماء تاریخ میں اختلاف ہے لیکن زیارت ناحیہ مقدسہ کے ظاہر سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ شہزادہ علی اکبر ہی پہلا شہید تھا۔ نیز اخبار طوال اور کامل ابن اثیر سے بھی یہی منقول ہے۔

شہزادہ علی اکبر کے شمائل و اخلاق

حضرت سید الشہداء نے جب اس نوجوان کو میدان کی طرف بھیجا تو بارگاہ رب العزت میں عرض کی۔ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ عَلٰى هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ اِنَّهٗ قَدْ بَرَزَ اِلَيْهِمْ غُلَامٌ اَشْبَهُ النَّاسِ خَلْقًا وَخُلُقًا وَمَنْطِقًا بِرَسُوْلِكَ وَكُنَّا اِذَا اشْتَقْنَا اِلٰى لِقَاءِ نَبِيِّكَ نَظَرْنَا اِلَيْهِ۔ الخ۔ اے اللہ تو اس قوم پر گواہ رہ۔ تحقیق ان کی طرف اب وہ جوان گیا ہے جو تمام لوگوں کی بہ نسبت شکل و صورت، عادات و کردار اور لہجہ و گفتار میں تیرے رسولؐ سے زیادہ مشابہت رکھتا تھا اور ہم جب بھی تیرے نبی کے دیدار کا شوق کرتے تھے تو اس کو دیکھ لیا کرتے تھے۔ معصوم کے یہ کلمات صرف جذباتی اور مبالغہ آمیز نہیں تھے بلکہ آپ حقیقت و واقعیت کی ترجمانی فرما رہے تھے۔ اب اندازہ فرمایئے کہ جو شہزادہ سراپا آئینہ رسالت ہو، اس کے شمائل و اخلاق کی حد بندی کون کر سکتا ہے۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیہ کے متعلق جو مورخین نے ضبط کیا ہے یہ کہ چہرہ انور مثل چودھویں کے چاند کے درخشاں تھا۔ قد میانہ، بالوں میں درمیانہ قسم کی پیچیدگی، پیشانی کشادہ، ابرو باریک، ناک قدرے بلند و باریک کہ اس سے نور ساطع تھا۔ زبان شیریں، بیان مناسب و دل کش۔ لب یاقوتی، دانت موتیوں کی طرح چمکدار، اعضائے جسم معتدل و خوشنما، سینہ و شکم برابر، شانے کشادہ، ہڈی مضبوط، سینہ و شکم بالوں سے خالی، بند دست دراز، ہتھیلی چوڑی و نرم اور پورے کا پورا جسم اطہر معطر و معنبر تھا کہ جس گلی و کوچہ سے گذر فرماتے تھے دو دن تک لوگ عنبر و کستوری کی سی خوشبو

محسوس کرتے تھے۔

حسن یوسف دم عیسٰے ید بیضا داری　　آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

یہ مختصر سے شمائل آں حضرت کے بیان کئے گئے ہیں جو ایک بحر ذخار کی بہ نسبت ایک قطرہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور حضرت سید الشہدا علیہ السلام کی تشبیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شہزادہ علی اکبر میں یہ سب خصوصیات موجود تھیں ورنہ امام حسین علیہ السلام نہ فرماتے کیونکہ مبالغہ آمیز کلام جس کو حقیقت سے کہیں دور کا واسطہ ہو شان عصمت کے منافی ہے۔

حسن وجمال کا یہ عالم تھا کہ جب مدینہ کی گلیوں میں قدم رنجہ فرماتے تو لوگ گھروں کے دروازوں اور چھتوں پر کھڑے ہو کر زیارت کے لئے ایک دوسرے سے سبقت کرتے تھے۔

اخلاق محمدی

جناب رسالت مآب کے اخلاق حمیدہ میں سے چند ایک بطور تبرک یہاں سپرد قرطاس کئے جاتے ہیں۔

(۱) آپ متکبرین کی طرح زمین پر پاؤں کھینچ کر نہیں چلتے تھے (۲) آپ کی رفتار جلال ووقار کا آئینہ تھی۔ (۳) کسی سے ہمکلام ہوتے وقت اس کو ترچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے بلکہ پورے جسم کو اس کی طرف موڑ کر اس سے خطاب کرتے تھے۔ (۴) عام حالات میں بھی نظر نیچی رکھتے تھے (۵) کسی سے ملاقات کرتے ہوئے سلام میں سبقت فرماتے تھے (۶) ہمیشہ تفکر کرتے تھے (۷) بلا ضرورت بات نہ کرتے تھے (۸) آپ کا بیان مختصر پر مغز اور جامع ہوا کرتا تھا (۹) مزاج میں سختی ودرشتی نہ تھی (۱۰) کسی کو حقیر نہ سمجھتے تھے (۱۱) چھوٹی سی نعمت کو بھی بڑا سمجھتے تھے (۱۲) کسی نعمت کی مذمت نہ کرتے تھے (۱۳) کسی دنیاوی مفاد کے فوت ہونے سے غم وغصہ نہ کرتے تھے (۱۴) جب اشارہ کرتے تھے تو ہاتھ سے کرتے تھے نہ کہ آنکھ سے (۱۵) آپ کا ہنسنا تبسم تک محدود تھا (۱۶) آپ کے نزدیک کسی شخص کی ترجیح کا معیار اس کا علم وفضل ہوا کرتا تھا (۱۷) ہر قوم کے کریم کی عزت کرتے تھے (۱۸) لوگوں سے ان کی غلط گوئی وبے جا کلامی کا مواخذہ نہ کرتے تھے (۱۹) لوگوں سے نفرت کی بجائے رواداری وخوشروئی سے پیش آتے تھے (۲۰) آپ کا ہر کام افراط وتفریط سے خالی ہوتا تھا (۲۱) آپ کے نزدیک بزرگی کا معیار ہمدردی اور احسان تھا (۲۲) بیٹھنے میں اپنے لئے کوئی خاص جگہ مخصوص نہ فرماتے تھے بلکہ لوگوں کو اس سے منع فرماتے تھے (۲۳) تمام لوگوں سے برتاؤ اس قسم کا تھا کہ ہر شخص اپنے تئیں حضور کا مرکز توجہ سمجھتا تھا (۲۴) بڑوں کی عزت کرتے تھے اور چھوٹوں کو رحم وکرم کی نگاہ سے دیکھتے تھے (۲۶) کوئی شخص آپ کی ہم نشینی سے ملول خاطر نہ ہوتا تھا (۲۸) کسی کو جھڑکتے نہ تھے (۲۹) آواز کو بلند نہ کرتے تھے (۳۰) کسی کی عیب جوئی نہ کرتے تھے بلکہ

لوگوں کو بھی اس سے منع فرماتے تھے۔ خداوند کریم نے اخلاقِ رسالت کو صرف ایک ہی جملہ میں بیان کر دیا ہے۔ اِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیۡم۔

اور امام حسین علیہ السلام کی تشبیہ کے پیش نظر جناب شہزادہ علی اکبر اخلاقِ پیغمبر کا آئینہ دار تھا زیارت رجبیہ میں شہزادہ علی اکبر کو ان افراد میں سے شمار کیا گیا ہے جو آیت تطہیر کے مصداق ہیں۔ اور اس سے آپ کی عصمت ثابت ہوتی ہے۔ نیز حضرت سید الشہداء کا شہزادہ کو جناب رسالت مآب سے بدرجہ اتم مشابہ قرار دینا بھی شہزادہ علی اکبر کی عصمت پر دلالت کرتا ہے ورنہ غیر معصوم کی معصوم سے تشبیہ غیر معقول ہے۔ اسی لئے تو بعض علماء کی تصریح موجود ہے کہ یہ شہزادہ زیورِ عصمت و طہارت سے آراستہ تھا۔

پس جو فرزند صفاتِ کمالیہ میں نظیر نہ رکھتا ہو اور صورت و سیرت و رفتار و گفتار و کردار بلکہ تمام حرکات و سکنات میں شبیہ پیغمبر ہو۔ اس سے جناب سید الشہداء کو کس درجہ محبت تھی اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ مدینۃ المعاجز سے منقول ہے کثیر بن شاذان کہتا ہے میں امام حسینؑ کی خدمت میں موجود تھا کہ آپ کے بڑے شہزادہ جناب علی اکبر نے بے موسم انگور طلب فرمائے تو امام نے ستونِ مسجد کی طرف ہاتھ مبارک بڑھایا اور انگور و بادام لے کر شہزادہ کے پیش کئے اور فرمایا کہ اللہ کے پاس اولیاء اللہ کے لئے اس سے بھی زیادہ نعمات موجود ہیں۔ لیکن ہائے کیا کہوں جب زخموں سے چور ہو کر شدتِ گرما میں باپ سے پانی کا گھونٹ طلب کیا تو امام مظلوم اپنے نوجوان بیٹے کی خواہش پوری نہ کر سکے۔

جب قافلہ اہل بیت قصر بنی مقاتل سے آگے بڑھا تو راستہ میں امام عالی مقام کو کچھ اونگھ سی آ گئی پس آسمان کی طرف نظر اٹھا کر انا للہ الخ اور الحمد للہ الخ کو زبان پر جاری فرمایا۔ شہزادہ علی اکبر گھوڑے کو تیز کر کے خدمتِ اقدس میں پہنچا اور عرض کی بابا جان! انا للہ اور الحمد للہ پڑھنے کا کیا مطلب ہے؟ تو فرمایا اے نورِ چشم! میں نے عالمِ خواب میں ایک اسپ سوار کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ یہ قافلہ جا رہا ہے اور موت ان کے دوش بدوش ہے تو علی اکبر نے عرض کی۔ بابا جان کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ امام نے فرمایا اے فرزند بخدا ہم ہی حق پر ہیں تو شہزادہ نے نہایت جرأت سے عرض کی۔ اے پدر بزرگوار! اگر ہم ہی حق پر ہیں تو موت و شہادت سے ہمیں ذرہ بھر بھی خطرہ نہیں ہے۔ امام مظلوم شہزادے کے اس جرأت مندانہ جواب سے نہایت خوش ہوئے۔ (طبری)

شہادت شہزادہ علی اکبر

صبح عاشور جب شہزادہ علی اکبر نے دیکھا کہ باپ تنہا ہے اور قربانی کے بغیر چارہ نہیں حاضر خدمت ہو کر

طالب اذنِ جہاد ہوا۔ پس امام عالی مقام نے اجازت دی ثُمَّ نَظَرَ اِلَیْهِ نَظَرَ آئِسٍ مِنْهُ وَ اَرْخٰی عَیْنَیْهِ وَبَکٰی (از ملہوف) امام مظلوم نے اپنے نوجوان فرزند کو سر سے پاؤں تک ایک مرتبہ مایوسانہ نگاہوں سے دیکھا اور پھر بہت روئے۔ پس اپنے دستِ حق پرست سے اپنے نوجوان فرزند کو آلاتِ جنگ سے آراستہ فرمایا۔ اپنے ہاتھوں زرہ پہنائی، خود لگایا اور حضرت علیؑ کا چمڑے کا کمربند علی اکبر کی کمر میں باندھا اور پھر جناب رسالت مآب کے خصوصی راہوار عقاب پر سوار کیا اور روانہ فرمایا۔ اندازہ کیجئے جس نوجوان کے حسن کا یہ عالم ہو کہ جب مدینہ کی گلیوں میں سیر و تفریح کے لئے نکلتے تھے تو مدینہ کے زن و مرد حسین کے اس نوجوان شہزادہ کی زیارت کے لئے بے تاب نظر آتے تھے نہ معلوم مظلوم باپ نے کس طرح اجازت دی ہوگی۔ بے شک یہ حسینؑ ہی کا کام تھا۔ جب آخری وداع کے لئے خیمہ گاہ کی طرف آئے تو بہنوں پھوپھیوں اور دیگر اہل حرم میں سے اُنثیٰ مستورات نے شہزادے علی اکبر کا احاطہ کر لیا۔ اور سب بیبیاں پروانہ وار اس مشعلِ نورِ ہدایت کے گرد جمع ہوئیں یہ وہ دل خراش منظر تھا جس نے عالم کے ارکان لرزا دیئے۔ پس اہل حرم سے وداع کیا اور میدانِ کارزار کی طرف متوجہ ہوئے۔

امام عالی مقام نے رو رو کر بارگاہِ ربّ العزت میں ان کلمات کا ہدیہ پیش کیا۔ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ عَلٰی هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ اَنَّهٗ قَدْ بَرَزَ اِلَیْهِمْ غُلَامٌ اَشْبَهُ النَّاسِ خَلْقًا وَّ خُلُقًا وَّ مَنْطِقًا بِرَسُوْلِكَ وَ كُنَّا اِذَا اشْتَقْنَا اِلٰی لِقَاءِ نَبِیِّكَ نَظَرْنَا اِلَیْهِ الخ۔ اے پروردگار اس قوم پر گواہ رہنا کہ اب ان کی جانب وہ شہزادہ جا رہا ہے جو صورت، سیرت اور کردار و گفتار میں تیرے رسولؐ کے مشابہ تھا اور ہم جب تیرے نبی کی زیارت کی خواہش کرتے تھے تو اس کو دیکھ کر مطمئن ہو جاتے تھے۔ پس ابن سعد کو آواز دے کر فرمایا اے ملعون خدا تیرے رحم کو قطع کرے جس طرح تو نے میرا رحم قطع کیا۔

بے شک یہ منظر دل خراش بیان سے باہر ہے قلم میں تاب کہاں کہ امام حسینؑ کے اس وقت کے احساسات کی ترجمانی کر سکے۔ نیز جناب زینب علیا کو جو شہزادہ علی اکبر سے خصوصی محبت تھی کیونکہ یہ شہزادہ جناب زینب علیا کا پروردہ و ناز تھا۔ جب بی بی نے دیکھا ہوگا کہ شہزادہ موت پر کمربستہ ہے تو ان کے احساسات کا کیا عالم ہوگا یہ لطائق تحریر میں نہیں سمویا جا سکتا۔ شہزادہ نے میدان میں یہ رجز پڑھا۔

اَنَا عَلِیُّ بْنُ الْحُسَیْنِ ابْنِ عَلِیٍّ	میں حسین بن علی کا فرزند علی ہوں
مِنْ عُصْبَةٍ جَدُّ اَبِیْهِمُ النَّبِیُّ	اس جماعت سے جن کے باپ کا نانا نبی ہے
وَاللّٰهِ لَا یَحْكُمُ فِیْنَا ابْنُ الدَّعِیِّ	خدا کی قسم ہم میں حرامزادے کا بیٹا حاکم نہیں ہو سکتا۔

أَطْعَنُكُمْ بِالرُّمْحِ حَتّٰى يَنْثَنِي — میں نیزہ زنی کروں گا یہاں تک کہ نیزہ ٹوٹ جائے

أَضْرِبُكُمْ بِالسَّيْفِ أَحْمِي عَنْ أَبِي — اور باپ کی حمایت میں تمہیں تلوار کا مزہ چکھاؤں گا۔

ضَرْبَ غُلَامٍ هَاشِمِيٍّ عَلَوِيٍّ — جس طرح کہ ہاشمی اور علوی نوجوان تلوار زنی کیا کرتے ہیں

نَحْنُ وَبَيْتِ اللّٰهِ أَوْلٰى بِالنَّبِيِّ — ہم خدا کے گھر کی قسم نبی کے زیادہ قریبی ہیں

رجز پڑھتے ہی اشقیاء پر حملہ آور ہوئے اور صولتِ حیدری کا وہ مظاہرہ کیا کہ لشکرِ مخالف سے اَلْحَذَر اَلْحَذَر اور اَلْفِرَار اَلْفِرَار کی آوازیں بلند ہوئیں۔ سر اور بازو ہوا میں اُڑتے نظر آتے تھے۔ قوتِ یداللّٰہی کے اس ماہِ تابانِ وارث کے ہاتھ کی جنبش سوار و رجوار ہر دو کو زمین پر ڈھیر کر دیتی تھی، میمنہ کو میسرہ پر اور میسرہ کو میمنہ پر اس طرح مار کر دشمنوں کے حواس باختہ ہو گئے۔ چنانچہ علامہ مجلسی سے جلاء العیون میں مروی ہے کہ برجِ عصمت کے اس خورشیدِ تاباں نے جب افقِ میدان سے طلوع کیا اور میدانِ کارزار کو اپنے پرشکوہ جمال سے منور کیا تو اس نیّرِ آسمانِ جلال و جمال کے نورانی پرتو سے دشمنانِ دین کی آنکھیں خیرگی محسوس کرنے لگیں اور انہیں محوِ حیرت کر کے انگشت بدندان کر دیا۔ جب آپ نے مبارز طلبی کی تو کسی میں آگے بڑھنے کی ہمت نہ تھی تو شیرِ بیشۂ شجاعت نے تیغِ شرربار کو نیام سے باہر کیا اور بجلی کی طرح قلبِ لشکر پر حملہ آور ہوئے اور باوجود خستہ تنی اور تشنہ لبی کے ایک سو بیس آزمودہ کارانِ حرب و ضرب کو تہِ تیغ کر ڈالا زخموں سے چور ہو کر عنانِ اسپ خیام کی طرف موڑی اور اپنے پدرِ بزرگوار کی خدمت میں عرض گذار ہوئے۔

باباجان! پیاس سے جاں بلب ہوں اوزارِ جنگ کی گرانی اور پھر سورج کی تمازت تشنگی کی شدت میں اضافہ کا باعث ہیں۔ کیا ہو سکتا ہے کہ مجھے ایک گھونٹ پانی مل جائے تاکہ جسمانی قوت کو مضبوط کر کے دشمنانِ دین سے جہاد کر سکوں۔ اپنے نازنین نوجوان اور ماہِ تاباں فرزند کے جگر سوز کلمات سُن کر حسینؑ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا۔ بیٹا تیرے نانا، تیرے دادا اور تیرے باپ پر یہ امر سخت گراں ہے کہ تجھ سا نوجوان فرزند پانی طلب کرے اور وہ تجھے پیاسا دیکھتے ہوئے کچھ نہ دے سکیں اور تو فریاد کرے اور وہ فریاد رسی نہ کر سکیں۔ پھر فرمایا۔ بیٹا اپنی خشک زبان میرے تشنہ دہان میں رکھو اور میری زبان کو چوسو پھر اپنی انگوٹھی اُتار کر دی کہ اس کو منہ میں رکھو اور دشمنانِ دین سے جہاد کرنے کے لئے واپس میدان میں پلٹ جاؤ۔ اُمید ہے آج شام سے پہلے تجھے اپنے دادا اپنے دستِ مبارک سے سیراب کریں گے کہ پھر کبھی پیاس محسوس نہ کرو گے۔

پس شہزادہ نے دوبارہ شیرِ غضبناک کی طرح آن رو با صفت انسانوں پر تیغِ براں سے حملہ کیا اور اس حملہ میں باوجود کمال تشنگی کے اسی آدمیوں کو واصلِ النار پہنچایا۔

روضۃ الصفا سے منقول ہے کہ شہزادہ علی اکبر نے اسی طرح پے در پے بارہ حملے کئے، اور ہر دفعہ اپنے دادا شیرِ خدا کی طرح تھکان و کوفت محسوس کئے بغیر تازہ دم ہو کر حملہ آور ہوتا تھا کہ ہر طرف کشتوں کے پشتے نظر آتے تھے۔ اچانک مُرّہ بن منقذ عبدی ملعون نے کمین گاہ سے نکل کر پشت کی طرف سے شہزادے کے سر پر تلوار کا وار کیا کہ شہزادہ کو تابِ ضبط نہ رہی اور اپنے دونوں ہاتھ عقابِ گھوڑے کی گردن میں حمائل کر دئے۔ پھر ہر طرف سے تلواریں اس طرح برسیں کہ جسمِ اطہر پاش پاش ہو گیا۔

حضرت حسینؑ کی پوری توجہ میدان کی طرف تھی ان کو آرام نہیں تھا۔ کرسی چھوڑ کر قدم مبارک خیمہ کے اندر رکھتے تھے پھر باہر آجاتے تھے اور اپنے جوان فرزند کی آواز کے منتظر تھے، محبتِ پدری سے متاثر ہو کر کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن دردِ اولاد کا صدمہ گلوگیر ہو جاتا تھا۔ اُدھر جناب زینب علیہا سلام اللہ علیہا کو بے چین دیکھتے پس خاموشی سی چھائی ہوئی تھی کہ اچانک علی اکبر کی آواز کان میں پہنچی یَا اَبَتَاہُ عَلَیْکَ مِنِّی السَّلَامُ ھٰذَا جَدِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ قَدْ سَقَانِیْ بِکَاسِہِ الْاَوْفٰی شَرْبَۃً لَا اَظْمَاُ بَعْدَھَا اَبَدًا وَھُوَ یَقُوْلُ اَلْعَجَلُ الْعَجَلُ فَاِنَّ لَکَ کَاسًا مَذْخُوْرَۃً حَتّٰی تَشْرَبَھَا السَّاعَۃَ ۔ بابا جان، میرا سلام ہو، میرے نانا نے مجھے جامِ شربت پلا دیا کہ اب کبھی پیاسا نہ ہوں گا اور وہ فرماتے ہیں بیٹا جلدی آجاؤ تمہارے لئے جامِ شربت موجود ہے کہ ابھی پیو گے۔ اور مقتل ابو مخنف میں ہے۔ شہزادہ زین راہوار سے فرشِ زمین پر گرا اور فوراً سنبھل کر بیٹھ گیا اور آواز دی یَا اَبَتَاہُ عَلَیْکَ مِنِّی السَّلَامُ فَھٰذَا جَدِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَاَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَھٰذِہٖ جَدَّتِیْ فَاطِمَۃُ الزَّھْرَاءُ وَخَدِیْجَۃُ الْکُبْرٰی وَھُمْ یَقُوْلُوْنَ لَکَ اَلْعَجَلَ اَلْعَجَلَ وَھُمْ مُشْتَاقُوْنَ اِلَیْکَ ۔ الخ۔ بابا جان، میرا سلام ہو۔ یہ دیکھئے میرے نانا رسولِ خدا میرے دادا امیر المومنینؑ اور میری دادی جناب فاطمہ زہرا اور خدیجۃ الکبریٰؑ سب موجود ہیں اور آپ کو جلدی آنے کی دعوت دے رہے ہیں اور آپ کی آمد کے مشتاق ہیں۔

یعنی شہزادے نے اپنے باپ کو کیا ہوا وعدہ یاد دلایا کہ آپ نے فرمایا تھا تجھے نانا جان ابھی سیراب کریں گے تو انہوں نے مجھے سیراب کر دیا ہے اور آپ کے لئے جامِ شربت ہاتھوں میں لئے انتظار کر رہے ہیں۔

اپنے فرزندِ دلبند کی آواز سنتے ہی حسینؑ نے میدان کا رخ کیا اور مروی ہے کہ حسینؑ نے سات مرتبہ نعرۂ بلند کیا اور بلند آواز سے روئے اور علی اکبر کی شہادت سے پہلے بلند آواز سے حسینؑ کا رونا کسی نے نہ سنا تھا۔ کیوں نہ ہو، اپنی تمام آرزوئیں اور امیدیں اب آنکھوں کے سامنے خون میں غلطاں تھیں۔ پس جوان بیٹے کے سر کو گود میں رکھا اور نعرۂ غم بلند کیا اور احساساتِ پدری کو ظاہر فرمایا۔ پھر علی اکبر کے سر کو سینے سے لگایا۔ پھر منہ پر منہ رکھ کر فرمایا۔ بیٹا اب دنیا کے

رنج و غم سے تم کو آزادی ملی لیکن تیرا باپ تو اب تنہا و بے کس رہ گیا ہے۔ اچھا میں بھی عنقریب آرہا ہوں۔ بیٹا تیرے بعد دنیا اور دنیا کی زندگی پر خاک ہو۔ خدا ان لوگوں کو ہلاک کرے جنہوں نے تجھے ناحق قتل کیا۔ اور رسولؐ کی ہتک حرمت پر جرأت کا ہاتھ اٹھایا۔ عَلَى الدُّنْيَا بَعْدَكَ الْعَفَا۔ منتخب میں ہے کہ شہزادہ علی اکبر نے پشمینہ پہنا ہوا تھا اور عمامہ گلابی رنگ کا تھا جس کے دو کنارے بطور تحت الحنک کے سینہ پر لٹکے ہوئے تھے اور بعض روایات میں ہے کہ شہزادہ علی اکبر کو حلق پر ایک تیر لگا جو پار ہو گیا۔

بحار میں ہے کہ جناب زینب علیہا سلام اللہ علیہا خیمہ سے روتی ہوئی نکلیں اور جب حسینؑ پہنچے تو بہن کو واپس خیمہ میں لائے۔ پس علی اکبر کی لاش کو اٹھا کر خیمہ گاہ کے سامنے لائے اور بنی ہاشم کے چند بچوں نے جوان کی لاش اٹھانے میں امام کا ساتھ دیا۔ حسین علیہ السلام خیمہ میں داخل ہوئے تو بایوسانہ انداز میں ادھر اُدھر دیکھتے تھے اور دردمند دل سے آہ حسرت کا دھواں اُبھرتا تھا۔ آنکھوں میں آنسوؤں کے ضبط کی طاقت نہ تھی۔ جونہی جناب سکینہ خاتون نے اپنے بابا کی یہ دگرگون حالت دیکھی تو دامن سے لپٹ کر عرض کرنے لگی۔ بابا جان! آپ کی ادھر اُدھر مایوسانہ نگاہیں مجھے پریشان کر رہی ہیں تبلایئے میرے بھائی علی اکبر کہاں ہیں؟ اُس وقت گلوگیر آواز سے پُر درد لہجہ میں ارشاد فرمایا۔ بیٹی! علی اکبر شہید ہو گیا ہے یہ سنتے ہی جناب سکینہ خاتون نے رونا شروع کر دیا اور تمام خیام میں کہرام ماتم بپا ہوا۔

ایک ایرانی شاعر نے علی اکبر کے آخری استغاثہ کو یوں نظم کیا ہے۔

بابا بیا کہ تیغ جفا ساخت کارِ من — برگے پچیدہ گشت خزاں نو بہارِ من

تا بر تنم بود رمقے بر سرم بیا — بنگر بوقت مرگ بر احوال زارِ من

از تیغ ظلم رشتہ عمرم ز ہم گسیخت — لیلا بگو دگر نہ کشد انتظارِ من

خیمہ گاہ سے روانگی کے وقت جب اہل حرم کو شہزادہ علی اکبر نے آخری سلام کیا تو تمام اہل حرم اس نیّر برج جمال کے ارد گرد جمع ہوئیں اور جس انداز سے انہوں نے شہزادہ کو رخصت کیا ہو گا وہ اندرونِ پردہ کی بات ہے۔ مناسب حال یہی ہے کہ بہنوں نے اپنے اندازِ محبت سے وداع کیا ہو گا اور پھوپھیوں نے ضرور چہرہ انور کو بوسہ دیا ہو گا اور ماں نے اپنی محبت کی مناسبت سے پیار کیا ہو گا۔ بعض روایات میں میں نے دیکھا ہے کہ جب شہزادہ علی اکبر خیمے سے برآمد ہوئے تو تین مرتبہ پردہ اُٹھا اور پھر گرا گویا شہزادہ کو تین مرتبہ خیمہ سے نکلتے ہوئے واپس جانا پڑا۔ خدا معلوم بیبیوں کو اس فخر یوسف کی جدائی گوارا نہیں تھی لہٰذا بار بار خواہش دیدار میں شہزادہ کو واپس گلے سے لگاتی ہوں گی اور پیار کرتی ہوں گی۔ جو جوان مرنے کے لئے جا رہا ہو اس کی بہنیں یا پھوپھیاں یا ماں کیسے گوارا کر سکتی ہیں کہ وہ فوراً چلا جائے۔ بہرکیف محبت کے ارمان

پورے نہیں ہوتے۔ آخر شہزادہ باہر آیا اور بعض راوی کہتے ہیں کہ اس وقت خیام اہل بیت میں ماتم اور آہ و فغاں کا شور بپا تھا اور خیامِ عصمت سے گرد و غبار اس قدر اٹھا کہ کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ شاید شہزادہ نے بزبانِ حال کہا ہو جیسا کہ فارسی شاعر کہتا ہے۔

نگریہ گفت کہ اہل حرم خدا حافظ — بلاکشانِ دیارِ بلا خدا حافظ
زمن غبارِ ملالے اگر بدل دارید — مرا حلال کنید از کرم خدا حافظ
چہ این شنید برون شد ز خیمہ گاہ لیلا — بنالہ گفت عزیز دلم خدا ہمراہ
مرا بفرقت خود می کنی کباب امروز — امید واری فردائی من خدا ہمراہ

راہِ شام میں جناب لیلیٰ کی زبانِ حال سے ایک شاعر ایرانی نے کہا ہے۔

وائے بر من کہ جفا باید ز کوفہ تا بشام — ہمرہی با قاتل بیرحم بدخو بیت کنم
واس تو در رہ برو بر تا بچہل منزل دریغ — خصم نگذارد و می تا یک نظر سویت کنم

بوقت روانگی از مقتل جناب لیلیٰ کی زبانی یہ مرثیہ کسی شاعر نے نظم کیا ہے۔

افغان رعد بر فلک این پاکہ در خروش — لیلائے داغ دیدہ سر نعش اکبر است
آہ از دمے کہ کرد بنعش پسر خطاب — کے مُرد رح پاک از چہ ترا خاک بستر است
گفتم عصائے پیری من باشی لے جوان — غافل ازاں کہ با تو اجل در برابر است
ہر عضو را کہ بینت لے پارہ پارہ تن — جائے سنان و نیزہ و شمشیر و خنجر است
اے نور دیدہ دیدہ کشا محکم بہ بند — مارا براہِ شام کہ غیر از تو رہبر است

لاشِ علی اکبر پر پہنچ کر حضرت حسین علیہ السلام نے علی اکبر کو بزبانِ حال یوں خطاب فرمایا ہے۔

کو کدامی سنگ دل بشگافت فرق انورت را
کرد آماج خدنگ و ناوکِ کیں پیکرت را
بر درید ندا ز چہ پہلوئے زگل نازک ترت را
لے ہمائے اوج رفعت کے شکستہ شہپرت را
خیز بیں در انتظارت آں سکینہ خواہرت را
عمہا گرفتہ دورِ داغ دیدہ مادرت را

اگرچہ روایاتِ معتبرہ میں جناب لیلیٰ کی کربلا میں موجودگی نہیں ملتی لیکن کتب مراثی میں بعض مقامات پر اس کا ذکر آتا ہے۔ اور علامہ سید علی نقی مدظلہ کی کتاب (شہید انسانیت) میں بھی موجود ہے۔ واللہ اعلم

۲۵۔ شہزادہ عمر بن حسن بن علی

ارشادِ مفید میں ہے کہ امام حسن علیہ السلام کے تین فرزند کربلا میں شہید ہوئے۔ عمر، قاسم اور عبداللہ اور یہ تینوں ایک ماں کے شکم سے تھے۔ لیکن صاحب ناسخ التواریخ نے پانچ شمار کئے ہیں۔ احمد، قاسم، عبداللہ اکبر، عبداللہ اصغر اور ابوبکر۔ اور وہ لکھتا ہے کہ عمر بن حسن میدان کربلا میں موجود تھا لیکن شرفِ شہادت سے فیض یاب نہ ہو سکا بلکہ اہلِ حرم کے ہمراہ یزید کی اسیری میں مبتلائے مصیبت رہا۔ اور علامہ مجلسی نے اولادِ امام حسنؑ میں سے یحییٰ بن حسن کو بھی شہدائے کربلا میں درج کیا ہے۔

۲۶۔ عمر بن علی بن ابی طالبؑ

ان کے شہدائے کربلا میں درج ہونے میں اختلاف ہے لیکن بہت سے علمائے تاریخ مثلاً ابن شہر آشوب ابو مخنف، علامہ مجلسی، ماماقانی، شیخ عباس قمی اور صاحب ناسخ نے ان کو شہدائے کربلا میں سے شمار کیا ہے۔ جیسا کہ مناقب، بحار اور نفس المہموم میں ہے ان کی والدہ ماجدہ صہبا تغلبیہ تھیں۔ جن کی کنیت اُم حبیبہ تھی اور حضرت مسلم بن عقیل کی زوجہ رقیہ کی والدہ بھی صہبا تغلبیہ تھیں۔ عمر بن علی اور رقیہ بنت علی دونوں توأم (جوڑے) پیدا ہوئے تھے۔ مدینہ سے اپنی بہن رقیہ اور دو نوجوانوں محمد و عبداللہ کو ساتھ لے کر امام عالی مقام کے ہمراہ سفر کیا اور بروز عاشورا ابوبکر بن علی کی شہادت کے بعد میدان کارزار میں رجز پڑھتے ہوئے گئے۔ پہلے پہل حضرت عبداللہ بن علیؑ جو جناب ام البنین کا چھوٹا شہزادہ تھا کے قاتل زجر بن بدر کو تہ تیغ کیا اور پھر نہایت دلیری سے لشکرِ اعدا میں گھس کر دادِ شجاعت دی اور بہت سے ملاعین کو فی النار کر کے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

عمر بن علی نہایت فصیح و بلیغ عفیف النفس اور سخی انسان تھے۔ جن لوگوں نے ان کے متعلق یہ ذکر کیا ہے کہ وہ مدینہ میں رہ گئے تھے اور امام حسینؑ کے قتل کے بعد انہوں نے خوشی کا اظہار کیا تھا اور پھر ابن زبیر کی بیعت کر لی تھی۔ یہ لوگ بنی اُمیّہ کے کاسہ لیس تھے اور اہلِ بیت کے وقار پر ہر قسم کے ناروا حملے کرنا ان کا شیوہ تھا۔ بہر کیف یہ سب خاندانِ رسالت کے دشمن عناصر کی قلمی و لسانی سرگرمیوں کا نتیجہ ہے۔ اور بنی اُمیّہ کی خانہ زاد تاریخ کی بے حقیقت

اور بے سروپا جھوٹ کی داستان ہے جو خاندانِ عصمت کے دامن کو داغدار ثابت کرنے کے لئے تراشی گئی ہے یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے حضرت ابوطالب کو کافر کہا۔ اور انہی لوگوں نے محمد بن حنفیہ پر ادعائے امامت کا الزام تراشا۔ بہر کیف خاندانِ اہل بیت کا دامن اس قسم کے نازیبا دھبوں سے پاک ہے اور حقیقتِ حال کو خدا بہتر جانتا ہے۔

۲۷۔ عون بن جعفر طیارؑ

عمدۃ الطالب میں ہے کہ حضرت جعفر طیارؑ کے دو فرزند عون اور محمد اصغر حضرت امام حسینؑ کے ہمراہ کربلا میں شہید ہوئے۔ ان کی والدہ ماجدہ اسماء بنت عمیس تھی۔ عون کی ولادت حبشہ میں ہوئی تھی جب حضرت جعفر طیار وہاں مکہ سے ہجرت کر کے تشریف لے گئے تھے۔ اور جب جعفر طیارؑ کی حبشہ سے واپسی ہوئی تو عون کو اپنے ہمراہ خیبر میں لے گئے تھے اور جعفر طیارؑ کی شہادت کے بعد عون ہمیشہ اپنے چچا بزرگوار حضرت علیؑ کے ہمرکاب رہا۔

اصابہ میں عبداللہ بن جعفر سے مروی ہے کہ جب ہمارے والد جنگ موتہ میں مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے تو حضرت رسالت مآبؐ ہمارے گھر بنفس نفیس تشریف لائے اور ہماری والدہ سے دریافت کیا کہ جعفر کے بچے کہاں ہیں تو ہماری ماں نے ہم کو بارگاہ اقدس میں حاضر کیا۔ اس وقت ہم چھوٹے تھے۔ پس آپ نے فرمایا کہ محمد میرے چچا حضرت ابوطالبؑ کی شبیہ ہے اور عون سیرت و صورت میں حضرت جعفر کی شبیہ ہے۔

عمدۃ الطالب میں حضرت عبداللہ بن جعفر سے منقول ہے کہ جب جناب رسالت مآبؐ نے ہمارے والد کی شہادت کی خبر سنائی تو ہماری ماں نے گریہ کیا اور حضورؐ بھی روئے اور زینب صغریٰ جن کی کنیت ام کلثوم تھی اس کا عقد حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے عون سے کیا تھا (ان کی اولاد کا کہیں ذکر نہیں ملتا)

مامقانی نے ذکر کیا ہے کہ عون مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کربلا تک امام حسینؑ کے ہمرکاب تھا اور اس کی زوجہ جناب اُم کلثوم بھی ان کے ہمراہ تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسلم کی شہادت کے بعد حضرت عون بن جعفر طیار میدان میں گئے اور رجز پڑھتے ہوئے نہایت جرأت مندانہ لڑائی کی یہاں تک کہ تیس سوار اور اٹھارہ پیادوں کو اپنی تیغ بے دریغ سے واصل جہنم کیا اور درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر ۵۶ یا ۵۷ برس تھی۔

۲۸۔ عون بن عبداللہ بن جعفر

زیارت ناحیۂ مقدسہ میں حضرت حجت علیہ السلام نے ان پر ان لفظوں میں سلام بھیجا ہے۔ السلام علی

عون بن عبداللہ بن جعفر الطیار فی الجنان حلیف الایمان ومنازل الاقران الناصر للرحمٰن التالی للمثانی والقرآن لعن اللہ قاتلہ عبداللہ بن قطنۃ الطائی النبہانی۔

یہ حضرت زینب خاتون کے فرزند ہیں۔ حضرت عبداللہ نے اپنے دونوں بیٹوں عون ومحمد کو حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں روانہ کیا تھا اور وصیت کی تھی کہ حضرت امام حسینؑ کی نوکری میں رہنا اور راہِ خدا میں ان کی خاطر اپنا سر قربان کرنے سے دریغ نہ کرنا۔ بروز عاشورا اپنے بھائی محمد بن عبداللہ کے بعد میدانِ کارزار میں آئے اور تین سواروں اور آٹھ پیادوں کو تہ تیغ کر کے مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کی تلوار سے تین سوار اور اٹھارہ پیادے واصل جہنم ہوئے۔ کہتے ہیں جب عون ومحمد کی شہادت کی خبر مدینہ میں پہنچی تو مدینہ کے لوگ حضرت عبداللہ کے پاس تعزیت کے لئے جمع ہوئے۔ آپ کا ایک غلام ابو سلاسل نامی موجود تھا اس نے اپنے آقا کی دلجوئی کے لئے امام حسینؑ کے شانِ اقدس میں گستاخی کرتے ہوئے کہا کہ (ہمیں یہ درد امام حسینؑ کی وجہ سے پہنچا ہے) حضرت عبداللہ غلام کی بکواس سن کر غصہ میں آگئے اور اپنے پاؤں سے نعلین نکال کر اس کے سر اور منہ کو مارا اور فرمایا اے لئنام عورت کے بیٹے تو حسینؑ کے حق میں یہ گستاخی کرتا ہے حالانکہ خدا کی قسم اگر میں خود موجود ہوتا تو اپنا سر بھی قربان کرتا پھر حاضرین مجلس کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ شہادت حسینؑ کے بارے میں اگر میں خود قربان نہیں ہو سکا تو میں اپنے دو عزیز فرزند قربانی کے لئے پیش کر چکا ہوں۔

۲۹۔ عون بن عقیل

سبط بن جوزی نے تذکرہ میں ان کو شہدائے کربلا میں شمار کیا ہے۔

۳۰۔ عون بن علی بن ابی طالبؑ

یہ بزرگوار جناب اسماء بنت عمیس کے شکم اطہر سے تھے۔ جب انہوں نے امام عالی مقام سے رخصت جنگ طلب کی تو آپ کی آنکھوں سے سیلاب اشک رواں ہوا۔ اور فرمایا بھائی جان۔ کیا آپ بھی مرنے کے لئے تیار ہیں؟ تو عون نے جواب میں عرض کی آقا میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ غریب و تنہا ہیں۔ اور کوئی یار و مددگار نہیں ہے اس لئے مجھے ضرور اجازت فرمایئے تاکہ میں آپ کے قدموں میں اپنا سر قربان کروں۔ پس اجازت ملی اور رجز پڑھتے ہوئے میدان میں پہنچے۔

گھوڑوں کے ہنہنانے اور ان کے ٹاپوں کی آواز بلند ہوئی تو میں نے دیکھا کہ خیمہ گاہ سے ایک بچہ باہر دوڑا۔ اس کے کانوں میں دو گوشوارے بھی تھے اور وہ امام حسینؑ کی اولاد میں سے تھا۔ وہ خیمہ کی چوب کو پکڑے ہوئے ڈر کے مارے کانپ رہا تھا جس طرح ہوا کے نرم جھونکوں سے نئی کونپل کانپتی ہے۔ اور اس کے کانپنے سے اس کے دونوں گوشوارے کانوں میں حرکت کر رہے تھے۔ اس نے ایک قمیص اور چھوٹی سی شلوار پہنی ہوئی تھی اور نہایت خوفزدہ ہو کر دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔ اس حالت میں لشکر عمر سعد سے ایک ملعون نے گھوڑا دوڑایا اور اس بچہ کے قریب جا کر گھوڑے سے اترا اور اس بے گناہ کو تلوار سے شہید کر دیا۔ درحقیقت یہی راوی ہانی بن ثبیت ہی اس بچّہ کا قاتل تھا لوگوں کی ملامت کے ڈر سے اس نے اپنا نام ظاہر نہ کیا۔

۳۲۔ شہزادہ قاسم بن الحسن علیہ السّلام

ان کی والدہ ماجدہ کا نام رملہ تھا اور امام حسن علیہ السّلام کی شہادت کے وقت ان کی عمر تقریباً تین چار برس تھی اور پھر امام حسین علیہ السلام کے زیر سایہ انہوں نے تربیت پائی۔ کتب معتبرہ میں کہیں ان کی شادی کا ذکر موجود نہیں اور جناب فاطمہ بنت حسینؑ جو کربلا میں موجود تھیں وہ حضرت حسن مثنٰی کی زوجہ تھیں اور ان کا شوہر حسن مثنٰی خود بنفسِ نفیس میدانِ کربلا میں موجود تھا اور امام حسینؑ کی دوسری شہزادی فاطمہ نامی کربلا میں موجود نہ تھی۔ لہٰذا حضرت قاسم کی شادی کا افسانہ محض غلط اور بے بنیاد ہے۔

نیز امام حسن علیہ السلام کے جوان عمر شہزادے جب موجود تھے تو نابالغ شہزادہ کے ساتھ جوان شہزادی کا عقد کرنا امام عالی مقام کی شان سے نہایت بعید ہے۔

امام زین العابدین علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جب دسویں کی رات اپنے اہل و اصحاب کو جمع کر کے امام مظلوم نے ارشاد فرمایا اے میرے اہل و اصحاب اپنے اونٹوں کو تیار کرلو اور اپنی جان کو بچا کر یہاں سے چلے جاؤ کیونکہ یہ لوگ صرف مجھ ہی کو قتل کرنا چاہتے ہیں اور جب میں قتل ہو جاؤں گا تو تمہیں کوئی بھی تکلیف نہ دے گا اور میں اپنی بیعت تمہاری گردنوں سے اٹھا لیتا ہوں۔ یہ سننا تھا کہ تمام حاضرین نے بیک آواز عرض کی اے ہمارے سیّد و آقا ہم ہرگز آپ کے قدموں سے جدا نہ ہوں گے۔ لوگ کہیں گے کہ انہوں نے اپنے امام و پیشوا کو تنہا چھوڑ دیا ہے۔ نیز بروز محشر خدا کے سامنے کیا عذر پیش کریں گے۔ بس ہم تو آپ کے قدموں میں ہی شہید ہوں گے۔ پس آپ نے فرمایا کہ سن لو کل میں اور تم سب لوگ یہاں مارے جائیں گے۔ ان میں سے کوئی بھی نہ بچ سکے گا تو تمام نے یہ سن کر عرض کی ہم اللہ کا شکر کرتے

نہایت خوبصورت اور شکیل ہونے کے علاوہ انہوں نے شجاعت اور فن سپہ گری اپنے باپ علی بن ابی طالب سے ورثہ میں پائی تھی۔ امام نے فرمایا۔ بھائی جان! اکیلا اس لشکرِ گراں کے ساتھ مقابلہ مشکل ہے۔ مبارز طلبی کے طریقہ سے جنگ کیجئے گا تو عون نے نہایت دلیری سے عرض کی۔ آقا جس کو جانبازی کا عشق ہو وہ تھوڑے یا بہت لشکر کی پرواہ نہیں کیا کرتا۔ پس گھوڑے پر سوار ہوا اور قلب لشکر میں جا پہنچا اور دائیں بائیں حملہ کر کے بہت سے ملاعین کو تہ تیغ کر ڈالا۔ میمنہ اور میسرہ سے دو ہزار فوج نے ان کا احاطہ کر لیا تھا لیکن نہایت جرأت و بے باکی سے فوجوں کے ہجوم کو منتشر کر دیا اور ایک مرتبہ امام عالی مقام کی زیارت کے لئے خدمتِ اقدس میں پہنچا۔ امام نے اپنے نوجوان بھائی کے سر اور چہرہ کو بوسہ دیا اور ہاتھوں کو بھی چوما پھر شاباش بھائی کہہ کر فرمایا کہ تو نے بہت لڑائی کی ہے اور کافی زخم کھائے ہیں۔ اب تھوڑا سا آرام کر لو تو عون نے عرض کی میں حضرت آپ کی دوبارہ زیارت کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ اب مراد پوری ہوئی ہے اور لڑائی سے کنارہ کرنا یا موت سے ڈرنا میں مناسب نہیں سمجھتا۔ اگرچہ پیاس کی شدت ہے لیکن آپ اجازت دیں تا کہ اپنی جان کو فدا کروں۔ پس امام نے حکم دیا کہ عون کا گھوڑا زخموں سے خستہ ہو چکا ہے لہٰذا ان کو دوسرا گھوڑا تبدیل کر کے دیا جائے پس عون دوسرے گھوڑے پر سوار ہو کر میدانِ کارزار میں پہنچے

صالح بن سیار نامی ایک شخص جو عمر بن سعد کی فوج میں تھا اس نے زمانِ خلافتِ امیر المومنینؑ میں شراب نوشی کی تھی تو حضرت علیؑ نے عون کو اس پر حد جاری کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس ملعون کے دل میں وہ کینۂ دیرینہ بھڑک اٹھا گھوڑے کو جولان دے کر تلوار آتش بار کو میان سے نکال کر سامنے آیا اور بدکلامی کرنے لگا۔ حضرت عون نے ایک ہی نیزہ کے وار سے اس کی بکواس کو بند کر دیا اور اُسے دارالبوار بھیج دیا۔ اس کا بھائی بدر بن سیار اپنے مردہ بھائی کے جوشِ انتقام میں آگے بڑھا تو عون نے اس کو بھی بھائی کے پیچھے خازنِ جہنم کے حوالہ کر دیا۔ اتنے میں خالد بن طلحہ نے کمین گاہ سے نکل کر عون کے سر پر تلوار سے حملہ کیا اور حضرت عون بِسْمِ اللّٰہِ وَ بِاللّٰہِ وَ عَلٰی مِلَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ کے کلمات زبان پر جاری کرتے ہوئے فردوس بریں کی طرف چل دیے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے جناب اسماء بنت عمیس کے شکم سے دو لڑکے پیدا ہوئے تھے ایک کا نام یحییٰ تھا جو خورد سالی میں اپنے باپ کی عین حیات فوت ہو گئے تھے اور دوسرا یہی عون تھا جو میدانِ کربلا میں درجہ شہادت پر فائز ہوا۔

۳۱ - ایک خورد سال بچہ

ہانی بن ثبیت حضرمی بیان کرتا ہے کہ میں بروز عاشورا ابن سعد کی فوج میں تھا اور گھوڑے پر سوار تھا جب

ہی کہ ہمیں آپ کی رکاب فخر انتساب میں شرفِ شہادت پر فائز ہونے کا موقعہ مل رہا ہے اور اس سے زیادہ خوش قسمتی اور کیا ہو سکتی ہے؟ حضرت امام حسین نے ان کو جزائے خیر کہی۔

استنے میں شہزادہ قاسم نے عرض کی اے آقا! کیا میں بھی شہید ہوں گا؟ تو آپ نے فرمایا بیٹا! تم موت کو کس طرح جانتے ہو؟ تو شہزادے نے نہایت دلیری سے جواب دیا آقا! موت کو شہد سے بھی شیریں تر سمجھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تیرا چچا تجھ پر قربان ہو۔ ہاں اے نورِ چشم تو بھی درجۂ شہادت پر فائز ہوگا بلکہ میرا شیر خوار عبداللہ بھی شہید ہوگا۔

غیور شہزادے نے جب شیر خوار کی شہادت کی خبر سُنی تو بے تاب ہو گئے اور عرض کرنے لگے آقا! کیا یہ ظالم ہمارے خیموں میں گھس آئیں گے اور بچوں کو شہید کریں گے۔ امام نے فرمایا نہیں اے نورِ چشم! جب پیاس کی شدت ہوگی۔ خیمہ میں پانی دستیاب نہ ہوگا تو میں بچہ کو اپنے ہاتھ پر اٹھاؤں گا اور میرے ہاتھوں پر ہی وہ کسی ظالم کے تیر کا نشانہ بن جائے گا اور اس کے بعد پھر میری شہادت کی باری آئے گی۔ حضرت سجاد فرماتے ہیں کہ جب آپ نے یہ تقریر فرمائی تو ذریت رسولؐ میں آوازِ گریہ بلند ہوئی۔

صبح سویرے حضرت قاسم آلاتِ حرب و ضرب سے آراستہ ہو کر خدمتِ امام میں حاضر ہوا جب امام کی نظر شہزادہ پر پڑی کہ موت کے لئے تیاری کر کے آیا ہے تو آگے بڑھ کر اپنے دونو بازو شہزادے کی گردن میں حمائل کر دیئے پس دونو چچا بھتیجا رو رو کر وہیں حالتِ غش میں خاک پر لیٹ گئے تھوڑی دیر بعد شہزادے نے نہایت عجز و زاری سے اذنِ جہاد طلب کیا لیکن امام نے تلقینِ صبر فرمائی۔ پھر شہزادے نے رو رو کر امام کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسے دینے شروع کر دیئے۔ حتّٰے کہ امام نے رُخصت دے دی۔

امام عالی مقام نے شہزادہ کا گریبان چاک کر دیا اور عمامہ کے کنارہ کو چیر کر دونو طرف سے شہزادہ کا تحت الحنک درست کیا اور کفنی پہنا دی پھر تلوار کو شہزادہ کی کمر سے باندھ کر رخصت فرمایا اور شہزادہ چشمِ گریاں میدان کی طرف بڑھا۔

منتخب میں ہے کہ جب امام کے اصحاب راہِ خدا میں کام آ چکے اور امام حسنؑ کی اولاد کی باری آئی تو امام نے آواز بلند کی۔ وَاغُرْبَتَاہُ وَاعُطْشَاہُ اور پھر استغاثہ کی صدا بلند کی وَاقِلَّۃَ نَاصِرَاہُ اَمَا مِنْ مُجِیْرٍ یُجِیْرُنَا اَمَا مِنْ نَاصِرٍ یَنْصُرُنَا۔ استنے میں خیموں سے دو لڑکے برآمد ہوئے جن کی چاند سی شکلیں تھیں ایک کا نام احمد اور دوسرے کا نام قاسم یہ دونو امام حسنؑ کے شہزادے تھے۔ اس وقت قاسم کی عمر چودہ برس تھی۔ امام نے فرمایا بیٹا! کیا خود چل کر موت کی طرف جاتے ہو؟ تو شہزادے نے عرض کی یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ دشمنوں میں یکہ و تنہا ہوں کوئی یار و یاور نہ ہو اور ہم چپ بیٹھے رہیں۔ ہماری جانیں آپ پر نثار ہوں اور ہماری روحیں آپ کی روح کا فدیہ ہوں۔

شیر کردگار یعنی جگر بیشہ شجاعت کا شیر بن کر للکارتا ہوا اور اپنے چچا نامدار کی غربت و عطش سے متاثر ہو کر روتا ہوا میدانِ کارزار میں نکلا اور دادِ شجاعت دینے کے لئے نہایت جرأت و دلیری سے فوج اشقیاء میں جا پہنچا اور یہ رجز پڑھا۔

إِنْ تُنْكِرُونِي فَأَنَا ابْنُ الْحَسَنِ — سِبْطُ النَّبِيِّ الْمُصْطَفَى وَالْمُؤْتَمَنِ

اگر تم مجھے نہیں جانتے تو میں امام حسنؑ کا فرزند ہوں جو نبی مصطفےٰؐ و امین کے نواسے تھے

هٰذَا حُسَيْنٌ كَالْأَسِيرِ الْمُرْتَهَنِ — بَيْنَ أُنَاسٍ لَا سُقُوا صَوْبَ الْمُزْنِ

یہ حسینؑ اب فوجِ اعداء میں گھرا ہوا ہے۔ ایسے لوگ رحمت کی بارش سے سیراب نہ ہوں

اس وقت شہزادہ نے عمر سعد کو آواز دے کر پکارا۔ اے پسر سعد تو خدا اور روزِ جزا کا ڈر نہیں رکھتا کہ آلِ رسولؐ اس جنگل میں تشنہ لب ہیں۔ خدا تم کو جزائے خیر نہ دے۔ پس تیز آندھی کی طرح لشکرِ اعداء پر تلوار شرربار سے حملہ آور ہوا۔ اور باوجود خورد سالی کے ایک ہی حملہ میں ۳۵ ملاعین کو دارالبوار پہنچایا۔

شرح شافیہ میں ہے کہ ایک جبار حضرت قاسمؑ کے مقابلہ میں نکلا جو ایک ہزار مرد کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ لیکن شیرِ خدا کے پوتے نے ضربِ ید اللّٰہی کا نقشہ کھینچتے ہوئے ایک ہی حملہ میں اس کا کام تمام کر دیا اور پیکرِ جلالِ ہاشمی خورشیدِ تاباں بن کر افواجِ ظلمت کی گھناؤنی تاریکی کو شمشیرِ آبدار کی شیروں کی چمک دمک سے ہٹاتا گیا اور آگے بڑھتا گیا۔ بعض روایات میں ہے کہ ستر انسان نما درندوں کو واصلِ جہنم کر کے دم لیا اور اثنائے جنگ میں یہ اشعار پڑھے۔

إِنِّي أَنَا الْقَاسِمُ مِنْ نَسْلِ عَلِيٍّ — میں قاسم ہوں علی کی اولاد سے ہوں

نَحْنُ وَبَيْتِ اللّٰهِ أَوْلٰى بِالنَّبِيِّ — بیت اللہ کی قسم ہم نبیؐ کے زیادہ قریبی ہیں

مِنْ شِمْرٍ ذِي الْجَوْشَنِ أَوِ ابْنِ الدَّعِيِّ — شمر ذی الجوشن اور حرامزادے کے مقابلے میں

اور بروایت منتخب ازرق اور اس کے چاروں بیٹوں کو اور عمر سعد کی فوج کے علمبردار کو بھی اسی حملہ میں فی النار کیا کثرتِ حرب و ضرب سے طبیعت میں خستگی پیدا ہوئی اور پیاس کی شدت نے مجبور کیا۔ ایک دفعہ عنانِ اسپ کو خیمہ کی طرف موڑا اور امام عالی مقام کی خدمت میں پہنچ کر عرض کی۔ العطش العطش۔ اے عم بزرگوار اگر پانی کا ایک گھونٹ مل جاتا تو بہت اچھا تھا۔ اس وقت امام حسین علیہ السلام نے شہزادہ کو صبر کی تلقین فرمائی اور بروایت مدینۃ المعاجز شہزادہ کے منہ میں اپنی انگشتری دی۔ شہزادہ قاسم کہتا ہے کہ جب میرے چچا نے میرے منہ میں انگشتری رکھی تو ایسا معلوم ہوا کہ پانی کا چشمہ جاری ہو گیا۔ پس واپس ہو کر دوبارہ مصروفِ جہاد ہوئے۔ مصیح الاحزان میں ہے کہ شہزادہ

پر اس مرتبہ پتھر برسانے شروع کر دیے گئے۔

حمید بن مسلم کا کہنا ہے کہ عمرو بن سعد ازدی ملعون نے قسم کھائی کہ میں اس شہزادہ کو قتل کروں گا۔ پس گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھا اور شہزادے کے سر مبارک پر تلوار کا حملہ کیا کہ شہزادہ گھوڑے پر سنبھل نہ سکا۔ اس وقت اپنے چچا کو آواز دی۔ یا عمّاہ اَدْرِکْنِیْ۔ اے چچا میری خبر لیجیے۔ اس وقت شہزادے کے جسم اطہر میں ۲۵ تیر پیوست تھے۔ امام نے جب اپنے بھتیجے کی آواز سنی تو گھوڑے کو دوڑا کر فوراً پہنچے اور شیر غضبناک کی طرح حملہ کر کے صفوں کو منتشر کیا۔ اور شہزادے کے قاتل عمرو بن سعد ازدی کو ایک تلوار ماری جس سے وہ گر پڑا اور گھوڑوں کے سموں کے نیچے کچل کر جہنم پہنچا۔ اسی دوران میں شہزادہ قاسم کا جسم اطہر بھی پامال ہو گیا۔

حمید بن مسلم کہتا ہے کہ جب لڑائی ختم ہوئی اور فوجوں کی بھیڑ منتشر ہوئی تو میں نے دیکھا امام حسینؑ شہزادہ کے سرہانے کھڑے تھے اور شہزادہ زمین پر ایڑیاں رگڑ رہا تھا اور امام فرما رہے تھے۔ بیٹا! میرے اوپر بہت شاق گذر رہا ہے کہ تو نے مجھے مدد کے لئے بُلایا اور میں بر وقت نہ پہنچ سکا۔

پس قاسم کی لاش کو اٹھایا اور سینے سے لگایا پھر خیمہ گاہ کی طرف روانہ ہوئے کہ قاسم کے قدم زمین پر خط دے رہے تھے۔ اور امام نے شہزادے کو علی اکبر کے پہلو میں لا کر سُلایا اور اہل بیت عصمت کو صبر کی تلقین فرمائی۔

از قلم ناصر الدین شاہ قاچار

چو اعدا دید قاسم را کہ در گردن کفن دارد — بگفتند از رہ تحسین عجب وجہ حسن دارد
ز نعشش چوں پرتو افگن شد در آں وادی فلک گفتا — خوشا حال زمیں را کو مہے در پیرہن دارد
لبش افسردہ ہمچوں گل ز سوز تشنگی اما! — تو گوئی چشمۂ کوثر دریں شیریں دہن دارد
کشیدہ تیغ خوں افشاں ز ابرو در صف ہیجا — تو گوئی ذوالفقار اندر کف خود بوالحسن دارد
چناں آشوب افگندے در آں صحرا ز خونریزی — پس از حیدر نہ در خاطر دگر چرخ کہن دارد
چہ بے انصاف کوشد آں جفا جویان آہن دل — چہ جائے نیزہ و خنجر در آں سیمیں بدن دارد
مرادر یاب شاہا ز روئے مرحمت اکنوں — کہ مرغ روح شوق دیدن یا بم حسن دارد

۳۳۔ قاسم بن محمدؑ بن جعفر الطیارؑ

یہ قاسم حضرت جعفر طیارؑ کا پوتا ہے اور امام حسین علیہ السّلام نے اپنی بھانجی ام کلثوم صغرا جو جناب زینب خاتون سلام اللہ علیہا کی شہزادی تھی کا عقد اس قاسم کے ساتھ کیا تھا یہ قاسم اپنی زوجہ ام کلثوم کے ہمراہ واقعہ کربلا میں اپنے آقا و مولا امام حسینؑ کے ہمرکاب تھا۔ عون بن جعفر کی شہادت کے بعد میدان میں گیا اور اسی سواروں اور بارہ پیادوں کو تہ تیغ کر کے جام شہادت نوش کیا۔

۳۴۔ محمدؑ بن ابی سعید بن عقیل

حمید بن مسلم کا بیان ہے کہ شہادت امام حسینؑ کے بعد جب فوج بد نہاد نے تاراجی خیام کا ارادہ کیا اور عورتوں میں شور ماتم بپا ہوا تو ایک لڑکا ترساں و لرزاں باہر نکلا اور ڈر کے مارے دائیں بائیں دیکھتا تھا اتنے میں ایک ملعون نے تلوار سے اس کو شہید کر ڈالا میں نے دریافت کیا کہ یہ بچہ کون ہے؟ تو کہا گیا یہ محمد بن ابی سعید بن عقیل ہے یہ بچہ سات برس سے بڑا نہیں تھا۔

۳۵۔ محمدؑ اوسط بن امیر المومنینؑ

زیارت ناحیہ مقدسہ میں اس پر سلام وارد ہے۔ جہاں تک تاریخی حقائق سے نقاب کشائی کے بعد نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام کے تین فرزند تھے جن کا نام نامی محمد تھا۔ ایک محمد اکبر جس کو محمد بن حنفیہ کہا جاتا ہے دوسرا محمد اصغر جس کی ماں ایک امّ ولد تھی اور تیسرا محمد اوسط جس کی ماں امامہ بنت ابی العاص تھی اور اس امامہ کی والدہ جناب زینب ربیبہ رسولِ خدا تھی اور حضرت علی علیہ السلام نے جناب بتول معظمہ کی وفات کے بعد پہلے پہل اسی امامہ سے شادی کی تھی۔ کیونکہ بی بی نے وصیّت کی تھی کہ امامہ کے ساتھ شادی کرنا پس یہ محمد پہلے اپنے بھائی امام حسنؑ کے ہمرکاب رہا اور ان کی شہادت کے بعد امام حسینؑ کی خدمت میں رہا۔ حتیٰ کہ میدانِ کربلا میں درجہ شہادت پر فائز ہوا

۳۶۔ محمدؑ بن عباس بن امیر المومنینؑ

ابن شہر آشوب سے مروی ہے کہ حضرت ابو الفضل عباس کا ایک فرزند محمد نامی تھا جو واقعہ کربلا میں شہید ہوا۔

محمد کے علاوہ حضرت ابوالفضل عباس کے چار لڑکے بیان کئے گئے ہیں (۱) عبیداللہ (۲) الفضل (۳) حسن (۴) قاسم اور آپکی ایک لڑکی بھی ہے جس کا نام معلوم نہیں ہو سکا اور حضرت عباس کی اولاد کا سلسلہ عبیداللہ کی صلب سے ہے۔

۳۷- محمدؒ بن عبداللہؓ بن جعفر

زیارت ناحیہ رجبیہ میں ان پر سلام وارد ہے انکی والدہ کا نام خوصاؑ بنت حفص تھا بروایت ابن شہر آشوب دس ملاعین کو فی النار کرکے درجہ شہادت پر فائز ہوئے ان کے قاتل کا نام عامر بن نہشل تیمی ہے۔

حضرت عبداللہ نے اپنے دو فرزند امام حسینؑ کی خدمت میں روانہ کئے تھے عون اور محمد۔ عون جناب زینب کا فرزند تھا لیکن محمد جناب زینب کا فرزند نہیں تھا۔ لہٰذا ان دونوں کو جناب زینب کا فرزند کہنا تاریخی نقطۂ نظر سے درست نہیں ہے نیز میدان کربلا میں ان کا کم سن ہونا بھی کہیں ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ دونوں شہزادے غالباً جوان تھے جیسا کہ آثار سے ظاہر ہوتا ہے۔

۳۸- محمدؒ بن مسلم بن عقیل

اس کی عمر ۱۲ یا ۱۳ برس تھی۔ واقعہ کربلا میں شہید ہوا۔ زیارت ناحیہ میں ان پر سلام وارد ہے یہ اس محمد کے علاوہ ہے جو کوفہ میں اپنے بھائی ابراہیم کے ساتھ ایک سال قید رہ کر شہید ہوا۔

۳۹- موسٰے بن عقیل

جعفر بن عقیل کی شہادت کے بعد یہ شیر غضبناک کی طرح میدان کارزار میں آئے اور تیس ملاعین کو تہ تیغ کرکے درجۂ رفیعہ شہادت پر فائز ہوئے۔

۴۰- یحییٰ بن حسن بن علیؑ

علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں یحییٰ بن حسن کو شہدائے کربلا میں لکھا ہے۔ تفصیل معلوم نہیں

تیسرا باب

امام حسینؑ کے وہ انصار جو امام پاک کی نصرت میں کربلا سے پہلے یا بعد میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے

۱۔ سلیمان ابن ابی رزین

زیارت ناحیہ مقدسہ میں اس پر بھی سلام وارد ہے۔ حضرت امام حسینؑ کی ایک کنیز تھی جس کو آپنے ایک ہزار درہم پر خریدا تھا اور یہ کنیز امام پاک کے حرم محترم جناب ام اسحٰق کی خدمت کرتی تھی اسکا نام کبشہ تھا آپنے ابو رزین نامی ایک شخص کے ساتھ اس کی شادی کردی اور اس سے یہی سلیمان پیدا ہوا۔ اور یہ حضرت امام حسینؑ کا غلام رہا۔ اس غلام کی شہادت بصرہ میں ہوئی تفصیل اسکی اس طرح ہے کہ مسلم بن عقیل کے جواب آنے پر جب امام مظلوم نے مکہ سے سفر عراق کا قصد فرمایا تو بصرہ کے معززین کو ایک گرامی نامہ تحریر کیا جس کا مضمون یہ تھا۔

حق سبحانہ نے جناب محمد مصطفےٰ کو نبوت و رسالت کے لئے چنا تاکہ لوگوں کو نصیحت کریں۔ چنانچہ انہوں نے اپنا فریضہ ادا کیا اور آخرکار دنیا سے رخصت ہوگئے پھر لوگوں نے ہم اہلبیت کو نظر انداز کرکے ہمارا حق ہم سے چھین لیا۔ اور ہم فتنہ و فساد سے گریز کرتے ہوئے خاموش رہے اب میں تم کو اس خط کے ذریعے سے خدا اور رسول کی طرف دعوت دیتا ہوں کیونکہ شریعت برباد ہوگئی ہے اور سنّتِ رسول تباہ ہو چکی ہے اگر تم لوگ میری دعوت کو قبول کرو اور میری اطاعت کرو تو میں تم کو گمراہی سے بچا کر راہ راست پر گامزن کروں گا۔

یہ خط اپنے غلام سلیمان کے سپرد فرمایا اور اُسے بصرہ روانہ کیا اور بہت جلد بصرہ پہنچنے کا فرمان دیا چنانچہ سلیمان حسب فرمان بہت جلد مسافت طے کرکے بصرہ میں پہنچا اور بصرہ کے اکابر مثلاً احنف بن قیس منذر بن جارود اور یزید ابن مسعود نہشلی وغیرہ کو امام پاک کا خط پہنچایا چنانچہ یہ لوگ آپکے مکتوب گرامی کا مضمون پڑھ کر بہت خوش ہوئے یزید بن مسعود نے بنی تمیم بنی حنظلہ اور بنی سعد کو جمع کرکے دریافت کیا کہ تم لوگوں میں میری اطاعت کا جذبہ کس

حد تک ہے اور تم مجھے کیا کچھ سمجھتے ہو ؟ تو سب لوگوں نے یہ جواب دیا کہ آپ ہمارے سردار اور رئیس ہیں۔ اور آپ ہمارے فخر و شرف کا محور اور عزت و سرفرازی کا مرکز ہیں۔ ہم سب آپ کے تابع فرمان ہیں۔ جو حکم ہو بجا لانے کو تیار ہیں۔ پس یزید بن مسعود نے کہا کہ تم کو جمع کرنے کی غرض و غایت یہ ہے کہ ایک امر عظیم میں تم سے مشورہ اور مدد چاہتا ہوں۔ تو سب نے جواب دیا کہ ہم آپ کے حکم کی اطاعت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں گے آپ جو چاہیں بے تکلف ارشاد فرمائیں۔ ہم تابعدار ہیں۔ پس یزید بن مسعود نے ان کو نصرتِ امام کی دعوت دی تو سب نے لبیک کہہ کر نصرت کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد یزید نے امام کو اپنی وفاداری کا خط لکھا۔ اور ان لوگوں کو تیار کر کے روانگی کا ارادہ کیا۔ لیکن ان کو تیاری میں کچھ دیر لگ گئی۔ اور روانگی سے قبل اطلاع پہنچ گئی کہ امام شہید کر دیے گئے ہیں چنانچہ یہ لوگ وہاں رہ گئے اور سوگواری میں مصروف ہو گئے۔

منذر بن جارود نے جب امام کا خط پڑھا تو اس کو شک ہوا کہ مبادا یہ خط لانے والا ابن زیاد کا جاسوس نہ ہو۔ اور اسی منذر کی لڑکی بحریہ عبیداللہ بن زیاد کے نکاح میں بھی تھی پس اس نے خط لیکر حضرت کے قاصد کو ابن زیاد کے پیش کر دیا۔ ابن زیاد نے سلیمان سے ان لوگوں کے نام دریافت کئے جن کو لکھا گیا تھا تو سلیمان نے بتا دئے پھر ابن زیاد نے ان تمام لوگوں کو جمع کیا اور یہ تقریر کی۔

> تم لوگ زیاد کے نڈر اور بے باک ہونے سے واقف ہو۔ اور اس کی خون ریزی کی داستانیں بھی سُن چکے ہو۔ میں اُسی درخت کا ثمر اور اُسی باپ کا پسر ہوں۔ خبردار اپنے آپ کو تباہی سے بچاؤ اور اس کے بعد قتل و غارت وغیرہ کی سخت سے سخت تر دھمکیاں دیکر ان کو مرعوب کیا۔ اور سلیمان کو سولی پر لٹکانے کا حکم دیا۔ چنانچہ یہ مظلوم سولی پر لٹکا دیا گیا اور قافلہ شہداء کا پیش رو بن کر جنت پہنچا۔

۲۔ عباس بن جعدہ

یہ شخص حضرت امیر علیہ السلام کے شیعوں میں سے تھا اور خود مسلم کی بیعت کرنے کے بعد لوگوں سے امیر مسلم کے لئے بیعت لیا کرتا تھا۔

جب ہانی گرفتار ہوا۔ اور ابن زیاد نے اُس پر تشدد کیا تو اُس وقت حضرت مسلم نے دار الامارہ پر چڑھائی کی اور عباس بن جعدہ کو ایک چوتھائی فوج کا سالار مقرر کیا پھر واقعات بدل گئے اور حالات نے پلٹا کھایا۔ لوگوں نے

حضرت مسلم کا ساتھ چھوڑ دیا اور بالآخر حضرت مسلم شہید ہو گئے تو محمد بن اشعث نے عباس بن جعدہ کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے پیش کیا ابن زیاد نے دریافت کیا کہ حضرت مسلم نے تم کو ایک چوتھائی کا علمدار بنایا تھا تو عباس نے ہاں میں جواب دیا پس اس ملعون نے اس کے قتل کا حکم دیدیا۔ اور عباس اس طریقہ سے درجہ شہادت پر فائز ہوا۔ غالباً یہ عباس بن جعدہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا بھانجا ہے۔ کیونکہ جناب ام ہانی بنت ابی طالب خواہر امیر المومنین کا عقد جعدہ بن ہبیرہ مخزومی سے تھا۔ اس کا ایک لڑکا عبداللہ ہے جو مختار کے خاص الخاص مقربین سے تھا اور دوسرا غالباً یہی عباس ہے جو کوفہ میں شہید ہوا۔

۳۔ عبدالاعلیٰ ابن یزید کلبی

حضرت امیر علیہ السلام کے مشاہیر شیعہ میں سے تھا۔ شجاع شہسوار اور قاری قرآن تھا حضرت مسلم کے کوفہ میں آنے کے بعد ان کا دست و بازو تھا۔ اور حضرت مسلم کی شہادت کے بعد گرفتار ہو کر ابن زیاد کے پیش ہوا اور اس نابکار کے حکم سے قتل ہو کر درجۂ شہادت پر فائز ہوا۔

۴۔ عبداللہ بن حارث صحابی

اس کو صحبتِ رسولؐ کا شرف حاصل تھا۔ اور واقعہ صفین میں حضرت امیر علیہ السلام کے ہمرکاب رہا۔ کوفہ میں حضرت مسلم کے لئے لوگوں سے بیعت لیا کرتا تھا۔ اور حضرت مسلم کی شہادت کے بعد ابن زیاد کے دربار میں گرفتار ہو کر پیش ہوا۔ اور اس ملعون نے اس کو قتل کرنیکا حکم دیدیا۔ اور مامقانی سے منقول ہے کہ یہ شہدائے کربلا میں داخل ہے چنانچہ زیارت ناحیہ مقدسہ میں اس پر بھی سلام وارد ہے۔

۵۔ عبداللہ بن عفیف ازدی صحابی

یہ شخص کوفہ کا رہنے والا ہے اس کو صحابیتِ رسولؐ کا شرف بھی حاصل ہے حضرت امیر علیہ السلام کے خاص شیعوں میں تھا۔ جنگ جمل و صفین میں حضرت شاہ ولایت کے ہمرکاب رہا۔ اسکی ایک آنکھ جنگ جمل میں دشمن کے تیر سے ختم ہو گئی تھی اور دوسری آنکھ جنگ صفین میں راہ خدا میں کام آ گئی تھی۔ زہد و عبادت میں ممتاز تھا۔ نابینا ہونیکے بعد ہمیشہ مسجد کوفہ میں مشغولِ عبادت رہتا تھا۔ دن کو روزہ اور رات کو نماز اس کا دستور تھا حضرت سید الشہداء

کی شہادت کے بعد جب ابن زیاد مسجد کوفہ میں منبر پر آیا اور بنی امیہ کی تعریف میں رطب اللسان ہوا اور جناب تھا
اہلبیت عصمت کو ناسزا الفاظ سے یاد کیا تو عبداللہ بن عفیف سے تاب ضبط نہ رہی فوراً بول اٹھا اور فرمایا تو جھوٹا تیرا
باپ جھوٹا اور تجھے حکومت سپرد کرنیوالا اور اس کا باپ جھوٹا۔ اے پسر مرجانہ اولاد پیغمبر کو بگیناہ قتل کرتے ہو اور پھر
مسلمانوں کی اسٹیج پر قبضہ جما کر اس قسم کے بکواس کرتے ہو۔ ابن زیاد یہ کلمات سُن کر برافروختہ ہوا اور دریافت کیا کہ یہ کون
ہے جو مجھے ایسی باتیں کہتا ہے؟ عبداللہ بن عفیف نے جواب دیا وہ میں ہوں اے دشمن خدا۔ اے کذاب بن کذاب
تو نے ایسی ذریت کو قتل کیا جن کے حق میں آیت تطہیر اتری اور باوجود اس کے تو مسلمان ہونیکا دعویدار بھی ہے۔ فریاد
خدایا کہاں گئی مہاجرین و انصار کی اولاد جو اس سرکش لعین بن لعین سے انتقام نہیں لیتی۔؟

بروایت ابی مخنف یہ سن رسیدہ بزرگ تھا۔ اس کو صحابیت کا شرف حاصل تھا اور آنکھوں سے نابینا تھا
کہنے لگا خدا تیرے منہ کو توڑے تیرے باپ دادے پر خدا کی لعنت ہو۔ اور خدا تجھے ذلیل و خوار کرے اور دوزخ تیرا
ٹھکانہ ہو کیا امام حسینؑ کے قتل پر اکتفا نہیں کرتا پھر ان کو سر منبر سب بھی کرتا ہے؟ حالانکہ میں نے اپنے کانوں جناب
رسالت مآبؐ سے سنا ہے کہ جس نے علیؑ کو سب کیا اُس نے گویا مجھے سب کیا اور جس نے مجھے سب کیا تو اُس نے اللہ کو سب
کیا۔ اور خدا ایسے شخص کو اُلٹے منہ جہنم میں داخل کریگا۔ کیا تو علیؑ اور اولاد علیؑ کو سب کرتا ہے؟ پس ابن زیاد نے اسکے
قتل کا حکم دیا۔ لیکن اس کی قوم نے اس کو بچا لیا۔ اور اس کو اپنے گھر پہنچایا۔ جب رات ہوئی تو ابن زیاد نے خولی طون
کو بلایا اور پانچسو سوار ہمراہ دے کر عبداللہ کے قتل کا حکم دیا۔

عبداللہ بن عفیف کی ایک لڑکی تھی جب اس نے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سُنی تو باپ کو اطلاع دی کہ
دشمن آگئے ہیں تو عبداللہ نے اپنی بیٹی سے کہا کہ مجھے تلوار دے دو اور خود علیحدہ ہو جاؤ اور مجھے بتاتے رہنا کہ دشمن کس
طرف ہے۔ پس خود ایک تنگ مقام پر کھڑا ہو گیا اور دائیں بائیں تلوار چلانے لگ گیا۔ اور باوجود نابینا ہونے کے
پچاس سواروں کو فی النار کیا۔

آخر کار زخموں کی کثرت سے نڈھال ہو گیا تو انہوں نے اسکو گرفتار کر کے ابن زیاد کے پیش کیا۔ ابن زیاد نے
دیکھ کر کہا۔ اللہ کا شکر ہے جس نے تجھے آنکھوں کا اندھا کیا تو فوراً عبداللہ نے جواب دیا کہ خدا کا شکر ہے جس نے تجھے دل
کا اندھا کیا۔ ابن زیاد نے کہا میں تجھے بُرے طریقہ سے قتل نہ کروں تو خدا مجھے موت دیدے۔ ابن عفیف نے کہا۔
میری آنکھیں راہ خدا میں جہاد کرتے ہوئے بند ہو گئیں اور میں نے خدا سے دُعا مانگی کہ مجھے بدترین انسان کے ہاتھوں
شرف شہادت عطا فرمائے اور میں سمجھتا ہوں کہ روئے زمین پر تجھ سے زیادہ بُرا انسان کوئی نہیں ہے۔ دوسری روایت میں

ہے کہ جب ابن زیاد نے مسجد میں ابن عفیف کی گرفتاری کا حکم دیا تو فوج و پولیس اس کی گرفتاری کے لئے بڑھی لیکن خاندان کے لوگوں نے عبداللہ بن عفیف کو بچا کر گھر پہنچا دیا۔ ابن زیاد نے اس کے گھر سے اسکو گرفتار کر لانیکا حکم دیا تو پھر قبیلہ ازد نے ابن عفیف کی مدد کی اور ابن زیاد کی فوج ان کا مقابلہ نہ کر سکی۔ آخر کار محمد بن اشعث کو قبیلہ مضر کے دلکے جوانوں کے ساتھ بھیجا قبیلہ ازد اور قبیلہ مضر کے درمیان خوب جھڑپ ہوئی۔ کافی تعداد میں لوگ مارے گئے آخر کار بنی ازد مقابلہ کی تاب نہ لا سکے اور محمد بن اشعث نے ابن عفیف کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ عبداللہ کی لڑکی نے باپ کو دشمن کے محاصرہ کی اطلاع دی۔ تو عبداللہ نے لڑکی سے کہا مجھے تلوار دیدو اور بتعریف ہو کر علیحدہ بیٹھ جاؤ میں دشمن سے خود نپٹ لونگا پس جس طرف سے دشمن آتے تھے لڑکی باپ کو بتاتی تھی اور عبداللہ تلوار کی جنبش سے اس کا کام تمام کر دیتا تھا اور عبداللہ کی لڑکی بار بار یہ کہتی تھی کہ کاش آج میں مرد ہوتی تو دشمنان اہل بیت سے جہاد کرتی لیکن عبداللہ باوجود نابینائی کے خوب پامردی اور شجاعت سے ان کا مقابلہ کرتا تھا اور بروایتے پچاس سوار اور تیئیس پیادے واصل جہنم کئے اور آخر کار گرفتار ہو کر ابن زیاد کے پیش ہوا۔ ابن زیاد نے جونہی ابن عفیف کو دیکھا کہنے لگا خدا کا شکر ہے جس نے تجھے ذلیل کیا۔ عبداللہ نے کہا اے دشمن خدا میں کیوں ذلیل ہوا ہوں۔ خدا کی قسم اگر میری آنکھیں ہوتیں تو تیرے اوپر جہاں کو تاریک کر دیتا۔ ابن زیاد چونکہ جانتا تھا کہ شیعہ علی ہے۔ پس اس کے قتل کا بہانہ بنانے کے لئے سوال کر دیا۔ تو عثمان کو کیسے جانتا ہے جو ابن عفیف اسکی اس سازش کو بھانپ گیا فوراً جواب دیا کہ عثمان اور اس کے قاتلین کے درمیان تو خود خدا فیصلہ کریگا تو مجھ سے عثمان کے بارے میں کیوں سوال کرتا ہے ہاں اگر مجھ سے کچھ پوچھنا ہے تو اپنے اور اپنے باپ کے متعلق پوچھ۔ یزید اور اس کے باپ کے متعلق دریافت کر تاکہ میں تجھ کو حقیقت حال سے آگاہ کروں۔

عبداللہ بن عفیف نے ابن زیاد کو بوقت خطاب عبید اور ابن مرجانہ کہہ کر پکارا جس کی وجہ شیخ ذبیح محلاتی یہ لکھتے ہیں کہ عبیداللہ کا باپ زیاد ایک زنا زادہ تھا اور علاوہ بریں غلام کے نطفے سے پیدا ہوا تھا لہٰذا حرامزادہ غلام تھا۔ اور اس بنا پر عبیداللہ بن زیاد بھی غلام ہوا۔ اور مرجانہ ابن زیاد کی ماں تھی اور وہ بھی زانیہ تھی (اس لئے اس کی توہین کے لئے اس کو ابن مرجانہ کہہ کر بلایا)

ابن زیاد نے کہا اب میں تجھ سے مزید کچھ نہیں پوچھتا اور تیرے لئے سزائے موت کا حکم دیتا ہوں۔ ابن عفیف نے نہایت دلیری سے جواب دیا کہ تیرے پیدا ہونے سے بھی پیشتر میں نے خدا سے دعا طلب کی تھی کہ مجھے ملعون ترین انسان کے ہاتھوں شہادت نصیب ہو چونکہ میری آنکھیں جنگ جمل و صفین میں راہ خدا میں کام آگئیں تو میں فیض شہادت سے محروم ہونے پر غمگین تھا آج مجھے یقین ہوا کہ میری دعا مقبول ہے۔ اس کے بعد فی البدیہ

ایک قصیدہ پڑھا جس میں بنی امیہ کی مذمت اور اہل بیت عصمت کی تعریف اہل کوفہ کی نکوہی اور امام حسینؑ کے قتل کے بعد لوگوں کو انتقام کی دعوت پر مشتمل تھا جس میں ۲۹ اشعار تھے۔ ابن زیاد نہایت خاموشی سے قصیدہ سنتا رہا۔ اور اختتام پر اس کے قتل کا حکم جاری کیا پس یہ صحابی رسولؐ اس طرح شہید ہوا اور اسکے جسم کو سولی پر لٹکا دیا گیا۔ پھر حکم دیا کہ اسکی لڑکی صفیہ کو قید کر دیا جائے چنانچہ وہ قید ہو گئی۔ شیخ ذبیح فرماتے ہیں میں نے ریاحین الشریعہ میں ذکر کیا ہے کہ یہ لڑکی قید میں رہی اور سلیمان بن صرد خزاعی کے مشورہ سے ایک شخص طارق نامی نے اس لڑکی کو قید سے نکال لیا اور قادسیہ کی طرف فرار کر کے قبیلہ خزاعہ میں جا پہنچا اور واقعہ عین الوردہ اور شہادت توابین کے بعد سلیمان بن صرد خزاعی کے لڑکے محمد نے اس لڑکی صفیہؓ سے نکاح کیا اور اس سے ۶ لڑکے اور ۳ لڑکیاں پیدا ہوئیں جو سب کے سب شجاع و بہادر تھے اور حضرت علیؑ کے شیعہ تھے۔

۶۔ عبداللہ بن یقطر

امام حسین علیہ السلام کے اصحاب میں سے اس کا شمار ہے اور زیارت رجبیہ میں اس پر سلام بھی وارد ہے۔ یقطر جناب رسالت مآبؐ کا خادم تھا اور اس کی زوجہ میمونہ حضرت امیرالمومنینؑ کے گھر میں رہتی تھی۔ جب حضرت امام حسین علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان سے تین دن بعد عبداللہ بن یقطر پیدا ہوا۔ اسی وجہ سے عبداللہ کو امام حسینؑ کا رضیع کہا جاتا ہے کیونکہ بدستور عرب ایک ہفتہ کے اندر اندر دو پیدا ہونیوالے بچوں کو ایکدوسرے کا رضیع کہا جاتا تھا نیز عبداللہ کی ماں امام حسینؑ کی حاضنہ تھی یعنی گود میں بٹھاتی اور بہلاتی تھی جسطرح کہ ام قیس جناب امام حسنؑ کی حاضنہ تھی حالانکہ شہزادوں نے اس کا دودھ نہیں پیا تھا۔ اسی وجہ سے ان کی اولاد کو امام حسنؑ اور امام حسینؑ کا رضاعی بھائی کہا جاتا ہے اور صحیح روایت میں ہے کہ امام حسینؑ نے سوائے جناب فاطمہؑ کے کسی عورت کا دودھ نہیں پیا تھا۔

جب حضرت مسلمؑ نے کوفہ میں پہنچ کر امام عالیمقام کو وہاں کے مقامی حالات کی خبر دی تو آپ نے ۸ ذی الحجہ کو مکہ سے روانگی اختیار کی اور مقام بطن حاجز (جس کو بطن الرمہ بھی کہتے ہیں) میں پہنچ کر اہل کوفہ کو خط لکھا کہ مجھے حضرت مسلمؑ نے حالات کی اطلاع دی کہ تم ہماری نصرت کے لئے تیار ہو۔ لہذا میں ۸ ذی الحجہ کو مکہ سے روانہ ہوا ہوں جب ہی میرا خط پہنچے تو تم خوب ہوشیار ہو جاؤ اور میں فوراً پہنچنے والا ہوں۔ پس یہ خط بند کر کے عبداللہ بن یقطر کے حوالہ کیا۔ اور اسے جلدی پہنچنے کی تاکید فرمائی۔

اس وقت ابن زیاد بصرہ سے روانہ ہو کر کوفہ میں پہنچ چکا تھا اور کوفہ کی طرف آنیوالے راستوں پر اس نے

ناکہ بندی کر دی تھی۔ حجاز کی جانب سے کوفہ جانے والے راستوں پر حصین بن نمیر تعینات تھا جب عبداللہ بن یقطر قادسیہ میں پہنچے تو حصین بن نمیر کے گماشتوں نے اُسے پکڑ لیا اور حصین کے پیش کیا۔ حصین نے اس کی تلاشی کا حکم دیا چنانچہ عبداللہ بن یقطر نے یہ حکم سن کر امام پاک کے خط کو جیب سے نکال کر اُسے پرزہ پرزہ کر دیا۔ پس حصین نے اس کی مشکیں باندھ کر ابن زیاد کے پاس بھیج دیا اور صورتِ حال کی خبر بھی پہنچا دی۔

ابن زیاد نے پوچھا تو کون ہے ؟ عبداللہ بن یقطر نے بے دھڑک جواب دیا میں علی اور حسین کا شیعہ ہوں۔ ابن زیاد نے پوچھا تو نے خط کیوں پھاڑ دیا ہے ؟ عبداللہ نے نہایت دلیری سے جواب دیا کہ تجھ سے اپنا راز مخفی رکھنے کے لئے خط کو میں نے پھاڑ دیا ہے۔ ابن زیاد نے پوچھا وہ خط کس نے لکھا تھا اور کن کن لوگوں کی طرف لکھا تھا۔ عبداللہ نے کہا وہ خط حسینؑ نے اہلِ کوفہ کی ایک جماعت کو لکھا تھا۔ ابن زیاد نے کہا اُن لوگوں کے نام کیا ہیں ؟ عبداللہ نے کہا میں نہ ان کو پہچانتا ہوں اور نہ ان کے نام جانتا ہوں۔ ابن زیاد نے کہا تجھے ان کے نام بتانے پڑیں گے۔ نیز امام حسینؑ اور اس کے بھائی و باپ پر سب بھی کرنا پڑے گا ورنہ تیرا سر تن سے جُدا کر دوں گا اور تجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا تو عبداللہ نے کہا میں ان لوگوں کے نام تو نہیں بتاؤں گا البتہ جن لوگوں پر لعنت کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان پر لعنت بر سرِ منبر کرنے کو تیار ہوں۔

پس ابن زیاد نے عبداللہ بن یقطر کو منبر پر آنے کی اجازت دی اور وہ فوراً منبر پر آیا۔ خدا کی حمد و ثنا بیان کی [illegible] و سلام بھیجا۔ اس کے بعد علی اور اولادِ علی پر سلام و درود بھیجا۔ پس ابن زیاد اور اس کے باپ پر لعنت کی [illegible] میں سے ایک ایک کا نام لے کر سب پر لعنت بھیجی اور آخر میں کہا اے اہلِ کوفہ میں حسینؑ کی طرف سے قاصد بن کر آیا ہوں وہ اس وقت بطن الرمہ میں تھے تم فوراً ان کی اعانت کے لئے پہنچنے کی کوشش کرو۔ پس ابن زیاد کے حکم سے عبداللہ کو بالاخانہ پر لے گئے اور وہاں سے اس کو نیچے گرا دیا گیا کہ جسم کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں ابھی کچھ رمق جان باقی تھی کہ عبدالملک بن عمیر جو اس وقت کوفہ کا قاضی و فقیہ تھا نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا اور وہ جان جانِ آفریں کو دے کر درجۂ شہادت پر فائز ہو کر بہشتِ بریں میں جا پہنچا۔

شیخ مفید سے مروی ہے کہ قبیلہ اسد کے دو شخص عبداللہ اور منذر حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر امام حسینؑ کے پیچھے پیچھے جلد روانہ ہوئے تاکہ بدلتے ہوئے حالات کا جائزہ لیں یہ شخص مقام زرود میں آپ کے قافلہ سے جا ملے۔ اسی اثنا میں کوفہ سے آتا ہوا ایک شخص دکھائی دیا۔ امام عالی مقام اس کی انتظار میں ٹھہر گئے۔ تاکہ کوفہ کے تازہ حالات معلوم کریں لیکن اس شخص نے امام حسینؑ کو پہچان کر کنارہ کر لیا اور امام بھی اس کی پرواہ کرتے ہوئے آگے روانہ ہو

گئے۔ یہ دونوں اسدی فوراً دوڑ کر اس کو مل گئے اور اس سے کوفہ کے حالات دریافت کئے۔ اُس نے اپنا نام بکر اور قبیلہ اسد بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ ہم بھی اسدی ہیں لہٰذا صحیح واقعات ہمیں بیان کرو۔ اس نے جواب دیا کہ کوفہ سے کوچ کرنے سے قبل میں نے ہانی اور مسلم کو مقتول دیکھا ہے اور میں نے دیکھا ہے کہ ان دونوں شہیدوں کے پاؤں میں رسیاں ڈال کر کوفہ کے بازاروں میں پھرایا جا رہا تھا۔ یہ خبر سن کر دونوں اسدی جلدی سے امام علیہ السلام کے پاس پہنچے جب کہ آپ منزلِ زبالہ میں فروکش ہو چکے تھے۔ پس عرض گذار ہوئے کہ حضور! ہم ایک خبر لائے ہیں۔ اگر ارشاد ہو تو لوگوں کے روبرو سنائیں ورنہ تنہائی میں گوش گذار کریں۔ آپ نے فرمایا میری جماعت سے میرا کوئی راز پوشیدہ نہیں ہے۔ بے شک بیان کرو۔ تو انہوں نے عرض کی کہ وہ سوار جو کوفہ سے آرہا تھا اور دیدہ دانستہ آپ سے کنارہ کش ہو کر چلا گیا تھا ہم نے اُس سے کوفہ کے تازہ حالات دریافت کئے ہیں اس نے بتایا ہے کہ مسلم و ہانی دونوں قتل کئے جا چکے ہیں۔ یہ سنتے ہی امام نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور فرمایا خدا مسلم پر رحم کرے کہ وہ اللہ کی رضا و سلامتی و خوشنودی ونعمات میں پہنچ گیا ہے پس اس نے اپنا فریضہ ادا کر دیا اور ہم پر باقی ہے۔ ان دونوں شخصوں نے کوفہ کے بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر امام کو پیش قدمی سے باز رہنے کی دعوت دی۔ امام نے اولادِ مسلم کو بلا کر صورتِ حالات بیان کرنے کے بعد مشورہ پوچھا تو انہوں نے جواب دیا ہم ہرگز واپس نہ جائیں گے جب تک مسلم کا بدلہ نہ لیں یا خود جامِ شہادت نوش نہ کر لیں۔ ان دونوں شخصوں نے دیکھا کہ امام اپنے ارادہ سے باز نہ آئیں گے تو انہوں نے وداع کیا اور چلے گئے۔ امام پاک ہانی و مسلم و عبداللہ کی خبرِ شہادت سن کر بہت غمزدہ ہوئے اور اپنے صحابہ کو جمع کر کے ان کو واقعات سے روشناس کرایا اور کوفہ والوں کی بے وفائی کا ذکر کیا اور فرمایا کہ تم میں سے جو شخص ابھی جانا چاہے بے شک جا سکتا ہے چنانچہ حضرت کے لشکر سے بہت سے آدمی منتشر ہو گئے اور باقی وہی رہے جو کربلا میں ساتھ آئے۔

۷۔ عبیداللہ بن عمرو الکندی

یہ شخص نامی گرامی بہادر شہسوار اور مردِ میدان تھا۔ اور شیعیانِ امیر المومنین علیہ السلام میں ممتاز فرد تھا۔ جنگ جمل و صفین و نہروان میں شاہِ ولایت کے ہمرکاب رہا۔ کوفہ میں حضرت مسلم کی طرف سے لوگوں کی بیعت لیا کرتا تھا۔ حضرت مسلم نے قبیلہ کندہ و ربیعہ کی فوج کا اس کو سپہ سالار مقرر فرمایا تھا۔ جب حضرت مسلم شہید ہو گئے تو حصین بن نمیر نے اس کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے حوالے کیا۔ ابن زیاد نے اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ چنانچہ یہ بزرگوار درجۂ شہادت پر فائز ہوا۔

۸۔ عمارہ بن صلخب ازدی

شیعان کوفہ میں نہایت معروف و مشہور آدمی تھا۔ حضرت مسلم کی گرفتاری کے وقت محمد بن اشعث نے بنی عمارہ کے محلہ میں چکر لگایا تو عمارہ بن صلخب ہتھیار لگا کر گھر سے نکل رہا تھا۔ چنانچہ اس کو فوراً گرفتار کر کے ابن زیاد کے پیش کیا گیا۔ اور اس ملعون کے حکم سے اس کو قید خانہ میں بھیج دیا گیا۔ جب حضرت مسلم کو شہید کر دیا گیا تو اس کی باری آئی۔ پس ابن زیاد نے اس کے قتل کا حکم دیا اور یہ شہید ہو گیا۔

۹۔ قیس بن مسہر صیداوی

یہ شخص امام حسین علیہ السلام کا خاص شیدائی تھا اور شجاعت و دلاوری شرافت اور بزرگی میں اپنی نظیر آپ تھا معاویہ کی موت کے بعد جب شیعانِ کوفہ کا سلیمان بن صرد خزاعی کے گھر میں اجتماع ہوا اور صلاح و مشورہ کے بعد امام کو دعوتی خطوط لکھے گئے تو وہاں سے مکہ کی طرف خط لانے والوں میں ایک یہ بھی تھا۔ پس امام نے جب حضرت مسلم کو کوفہ روانہ فرمایا تو قیس بن مسہر ساتھ روانہ ہوا۔ اور راستہ میں جب حضرت مسلم کے دو ساتھی پیاس کی شدت سے مر گئے اور امام کو اطلاعی خط بھیجا تو وہ خط لانے والا بھی یہی قیس تھا اور امام نے واپسی جواب بھی قیس کے حوالہ کیا چنانچہ آخر کار قیس امیر مسلم کے ہمراہ کوفہ میں پہنچا اور حضرت مسلم نے کوفہ کے فوری اور ہنگامی حالات کے ماتحت جو امام کو اپنی طرف سے دعوت نامہ لکھا وہ بھی قیس کے حوالہ کیا گیا چنانچہ قیس مکہ میں دوبارہ حضرت مسلم کا خط لایا اور امام عالمقام کے ہمرکاب ہو کر کوفہ کی طرف چلا۔ جب آپ مقام حاجز میں پہنچے تو اہل کوفہ کو اپنی آمد کی اطلاع کا خط لکھا اور قیس کو ہی اس خط کے پہنچانے پر مامور فرمایا۔ راستہ میں اس کو حصین بن نمیر نے گرفتار کر لیا۔ باقی تفصیل وہی ہے جو عبداللہ بن یقطر کے حال میں گذر چکی ہے۔

صاحب ناسخ کا کہنا ہے کہ امام حسین نے مکہ سے کربلا تک جاتے ہوئے دو مرتبہ اہل کوفہ کو خط لکھے۔ پہلا خط عبداللہ بن یقطر کے حوالے کیا اور دوسرا قیس بن مسہر کے سپرد فرمایا۔ آخر جب قیس کی موت کی خبر امام تک پہنچی تو آپ بہت غم زدہ ہوئے اور اپنے شیعوں کے لئے درگاہِ قاضی الحاجات میں دعا فرمائی۔

۱۰۔۱۱۔ محمدؐ بن کثیر اور اُس کا فرزند

جب حضرت مسلمؑ کی نصرت سے اہلِ کوفہ نے منہ پھیر لیا اور بیعت توڑ دی تو تاریکیٔ شب میں حضرت مسلمؑ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور شہر سے نکل جانے کا ارادہ فرمایا لیکن صحیح راستہ معلوم نہ ہو سکا۔ سعید بن احنف نامی ایک شخص سے ملاقات ہوئی۔ اس نے آپ کی پریشانی کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ اہلِ کوفہ نے بے وفائی کی ہے۔ اب میں کوفہ سے باہر کوئی جائے امن تلاش کرتا ہوں تاکہ میرے سچے وفادار میرے پاس وہاں جمع ہوں۔ سعید نے عرض کی کہ حضور کوفہ کے تمام دروازے بند کر دیئے گئے اور پہرے بٹھا دیئے گئے ہیں آپ کسی دروازہ سے بھی باہر نہیں جا سکتے۔ آپ میرے ساتھ چلیں تاکہ میں ایک امن کی جگہ پر آپ کو پہنچا دوں۔ چنانچہ وہ حضرت مسلمؑ کو محمد بن کثیر کے گھر کے دروازہ پر لایا اور آواز دے کر کہا کہ یہ مسلم بن عقیل میرے ساتھ ہیں ان کو اپنے گھر لے جاؤ۔ محمد بن کثیر فوراً گھر سے باہر آیا اور حضرت مسلمؑ کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دیا اور آپ کی تشریف آوری سے بہت خوشنود ہوا۔ اور اپنے گھر کے ایک خفیہ کمرہ میں ان کو جگہ دی۔ جس کا رستہ کسی کو معلوم نہ ہو سکے اور وہیں آپ کی خورد و نوش کا سامان مہیا کیا۔ ابن زیاد کی خفیہ پولیس نے بھی سراغ لگا لیا اور ابن زیاد کو اطلاع دے دی۔ چنانچہ اس ملعون نے اپنے بیٹے خالد کو فوج کثیر دے کر حضرت مسلمؑ کی گرفتاری کے لئے روانہ کیا۔ محمد بن کثیر کے گھر کا محاصرہ کیا گیا۔ حضرت مسلمؑ کے مکان کا تو کسی کو علم نہ ہو سکا۔ لیکن محمد بن کثیر اور اس کے بیٹے کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس لائے۔ ادھر سلیمان بن صرد خزاعی اور مختار بن ابی عبیدہ ثقفی اور دیگر اشرافِ کوفہ نے اس واقعہ سے اطلاع پا کر باہم مشورہ کیا کہ کل صبح سویرے فوج جمع کر کے ابن زیاد کے دارالامارہ پر حملہ کر کے محمد بن کثیر اور اس کے فرزند کو رہائی دلائی جائے اور پھر امام عالی مقامؑ کی خدمت میں پہنچنے کی کوشش کی جائے۔ پس راتوں رات انہوں نے قبائلِ عرب کو اطلاع بھیج کر تیار کر لیا اور صبح ہوتے ہی لڑائی کا منصوبہ بنا لیا گیا۔ ادھر تقدیر کا فیصلہ یہ ہوا کہ صبح کی سفیدی نمودار ہونے سے قبل عامر بن طفیل شام سے دس ہزار فوج لے کر ابن زیاد کی امداد کے لئے پہنچ گیا جس سے ابن زیاد کے حوصلے بڑھ گئے۔

سورج طلوع ہوا تو ابن زیاد نے محمد بن کثیر کو طلب کر کے اس کو خوب گالیاں دیں۔ محمد بن کثیر نے کہا۔ اے ابن زیاد بیہودہ گوئی اور فحش کلامی چھوڑیئے یہ بے وقوفی کی باتیں تیرے لئے نادرست ہیں۔ میں تجھے اور تیرے حسب نسب کو خوب پہچانتا ہوں۔ تیرے باپ کو جھوٹی گواہیوں سے ابوسفیان کا بیٹا بنایا گیا۔ تو خود زنا کی پیداوار ہے اور تیرا باپ بھی زنا زادہ تھا اور یہی وجہ ہے کہ تو اس فتنۂ عظیم کا مرتکب ہو رہا ہے۔ ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ باہر

سے جنگ کے طبل بجنے لگ گئے اور لوگوں کی ہاؤ ہو کی آوازیں بلند ہوئیں۔ چالیس ہزار جنگ آور بہادروں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا تھا اور فوج در فوج ان کی مدد کے لئے جمع ہو رہی تھی۔

ابن زیاد ان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے محمد بن کثیر کو کہنے لگا کہ مسلم بن عقیل میرے حوالہ کر دو ورنہ تمہارا سر اڑا دوں گا۔ محمد بن کثیر نے جواب دیا یہ بات تیری قدرت سے باہر ہے۔ پھر ابن زیاد نے کہا تجھے ابن عقیل کی جان عزیز ہے یا اپنی؟ تو محمد بن کثیر نے جواب دیا ابن عقیل کا خود اللہ محافظ و ناصر ہے اور میرے پاس تیس ہزار مرد جنگی موجود ہیں جو اس وقت بھی دارالامارہ کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں۔ ابن زیاد کے سامنے ایک دوات پڑی تھی۔ اٹھا کر غصہ سے محمد بن کثیر کی پیشانی پر زور سے ماری کہ محمد بن کثیر کی ڈاڑھی خون سے تر ہو گئی۔ پس فوراً تلوار کھینچ کر ابن زیاد کی طرف بڑھا لیکن اس کے حاشیہ نشینوں نے درمیان میں آ کر بچا لیا البتہ اس کا غلام معقل جو نانی سے ایک چوٹ کھا چکا تھا وہ سامنے آ گیا تو محمد بن کثیر کی تلوار نے اس کو دو ٹکڑے کر کے واصل جہنم کیا۔ ابن زیاد نے محمد بن کثیر کی جب یہ جرأت دیکھی تو فوراً اس کے قتل کا حکم دیا۔ محمد بن کثیر بھی تلوار لے کر مقابلہ کے لئے ڈٹ گیا اور دو ملعونوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔ اتنے میں محمد کا پاؤں پھسلا اور گر پڑا۔ پس سپاہیوں نے اس کو گرفتار کر لیا۔ محمد بن کثیر کے فرزند نے جب یہ دیکھا تو تلوار کھینچ کر لڑتے ہوئے دارالامارہ کے دروازہ کا رخ کیا اور دروازہ تک پہنچتے ہوئے بیس ملاعین کو دارالبوار پہنچایا۔ اتنے میں پیچھے سے ایک غلام نے نیزہ کا وار کیا اور وہ وہیں شہید ہو گیا۔

دروازہ سے باہر اہل کوفہ اور شامی فوج کے درمیان سخت جھڑپ ہو رہی تھی۔ تیر و تلوار کی لڑائی جاری تھی۔ ابن زیاد نے حکم دیا کہ کوفہ والے محمد بن کثیر اور اس کے بیٹے کے لئے لڑ رہے ہیں۔ ان دونو کے سر کاٹ کر باہر پھینک دو تاکہ وہ لوگ جنگ بند کر دیں۔ چنانچہ ان دونو کے سر کاٹ کر باہر پھینک دیئے گئے۔ لیکن جنگ پھر بھی نہ رکی۔ اور غروب شمس تک جاری رہی۔ شام کے وقت تمام لوگ واپس چلے گئے اور شور و غل کی آوازیں خاموش ہوئیں لیکن چونکہ ڈر تھا کہ کہیں دشمن مسجد میں چھپے ہوئے نہ ہوں اس لئے ابن زیاد مغرب کی نماز کے لئے مسجد میں نہ آیا اور اپنے مخصوص عملے کو حکم دیا کہ وہ مسجد کے کونہ کونہ کو دیکھیں شاید مسلم اپنی فوج کے ساتھ کہیں چھپا ہوا نہ ہو اور اچانک حملہ نہ کر دے چنانچہ چراغ و مشعل روشن کئے گئے اور مسجد کے ہر گوشہ کو خوب جھانک کر دیکھا گیا اور ابن زیاد کو خبر دی گئی کہ اب کوئی بھی مسجد میں موجود نہیں پس مسجد کا وہ دروازہ جو دارالامارہ کی طرف تھا کھولا گیا اور ابن زیاد اپنے مخصوص دستے کے ساتھ مسجد میں آیا اور شہر میں اعلان کیا کہ تمام لوگ عشاء کی نماز کے لئے مسجد میں جمع ہوں ورنہ مخالفت کرنے والے کا جان و مال مباح سمجھا جائے گا۔ پس تھوڑی ہی دیر میں مسجد پر ہو گئی نماز عشاء کے بعد ابن زیاد ملعون منبر

پر گیا اور کہنے لگا۔ دیکھو حضرت مسلم نے کس قدر فتنہ برپا کر دیا ہے۔ پس جس شخص کے گھر میں مسلم ہو وہ ہمیں فوراً اطلاع دے ورنہ اس کا جان و مال مباح سمجھا جائے گا اور جو شخص مسلم کو گرفتار کر کے ہمارے حوالے کرے گا اس کو انعام دیا جائے گا۔ پھر حکم دیا کہ کوفہ کے تمام دروازے بند کئے جائیں اور پہرہ دار پولیس ہر دروازہ پر متعین کی جائے۔ اور حصین بن نمیر کو ساری پولیس کا افسر اعلیٰ مقرر کیا گیا اور عمرو بن حریث کو جنگی فوج کا کمانڈر مقرر کر دیا گیا۔

ادھر محمد بن کثیر اور اس کے فرزند کے قتل کی خبر حضرت مسلم کو پہنچی تو وہ نصف شب کو وہاں سے گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔

(۱۴) حضرت مسلم بن عقیل

ان کی والدہ ماجدہ بقول ابن قتیبہ دینوری در معارف ایرانی النسل تھی۔ حضرت عقیل کی تمام اولاد میں جناب مسلم شجاع ترین انسان تھے۔ مناقب ابن شہر آشوب سے منقول ہے کہ جنگ صفین کے موقعہ پر ماہ صفر ۳۷ھ میں حضرت امیر علیہ السلام نے جب اپنی فوج کی ترتیب دی تو میمنہ پر امام حسنؑ، امام حسینؑ، عبداللہ بن جعفر اور مسلم بن عقیل کو مقرر فرمایا تھا اور میسرہ پر محمد بن حنفیہ محمد بن ابی بکر اور ہاشم بن عتبہ مرقال کو تعینات کیا اور قلب لشکر عبداللہ بن عباس، عباس بن ربیعہ، مالک اشتر اور اشعث کے حوالے کیا اور مقدمۃ لشکر سعید بن قیس ہمدانی، بدیل بن ورقا خزاعی رفاعہ بن شداد بجلی اور عدی بن حاتم کے سپرد فرمایا اور کمین گاہ پر عمار یاسر عمرو بن حمق خزاعی۔ عامر بن واثلہ کنانی اور قبیصہ بن جابر اسدی کو نامزد کیا۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت مسلم جنگ صفین کے موقعہ پر آزمودہ کار جنگی سپاہی تھا ورنہ حضرت امیر جنگ صفین جیسے سخت مقام میں ان کو ذمہ داری کا عہدہ نہ تفویض فرماتے۔ اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عقیل کی اولاد میں سب سے بڑا حضرت مسلم تھا۔ نیز حضرت مسلم کو امام حسن علیہ السلام کے اصحاب خاصہ میں سے بھی شمار کیا گیا ہے۔

حضرت مسلم کا فرزند عبداللہ کا ذکر صفحہ ۱۱۳ پر گذر چکا ہے کہ واقعہ کربلا میں نہایت دلیری و بے باکی سے آزمودہ کاران حرب و ضرب سے لڑا اور ۹۰ ملاعین کو قتل کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مسلم سن رسیدہ بزرگ تھے اور فتوح الشام سے معلوم ہوتا ہے، بوقت شہادت حضرت مسلم کی عمر ساٹھ برس سے کم نہ تھی بنا بریں یہ کہنا کہ حضرت عقیل کو معاویہ نے ایک کنیز خرید کر کے دی تھی جس سے حضرت مسلم پیدا ہوئے اور بوقت

شہادت وہ بالکل نوجوان تھے بالکل غلط اور سراسر بے بنیاد ہے۔

حضرت مسلم کی زوجہ جناب رقیہ خاتون بنت امیرالمومنین تھی اور رقیہ کی والدہ اُمّ حبیبہ تغلبیہ تھی۔ رقیہ کے شکم سے حضرت مسلم کا ایک فرزند تھا جس کا نام عبداللہ تھا جو میدان کربلا میں شہید ہوا، نیز ان کا ایک فرزند محمد نامی جس کی والدہ اُمّ ولد تھی وہ بھی کربلا میں شہید ہوا۔ اور ان کے دو فرزند محمد و ابراہیم جو کوفہ میں شہید ہوئے وہ جناب رقیہ کے علاوہ کسی دوسری بیوی کے شکم سے تھے۔ نیز آپ کی ایک شہزادی تھی جو کربلا، کوفہ و شام کے مصائب میں جناب زینب علیا کی شریک رہی۔ بنابریں حضرت مسلم کی نسل واقعہ کربلا میں ختم ہو گئی۔

جب امام حسین علیہ السلام کے پاس مکہ میں کوفیوں کے پے در پے خطوط و دعوت نامے پہنچے حتیٰ کہ تین سو قاصد اور ۱۲ ہزار خطوط تک نوبت پہنچ گئی تو امام عالی مقام نے ان کو جواب لکھا کہ تمہارے خطوط پہنچے لہٰذا اپنے معتمد اور چچا زاد مسلم بن عقیل کو تمہاری طرف بھیج رہا ہوں، اگر انہوں نے تمہارے حالات و واقعات سے تمہارے تحریری مضامین کی تصدیق کی اور مجھے اطلاع دی تو میں فوراً پہنچ جاؤں گا۔ پس حضرت مسلم کو بلایا اور ان کو اپنی خصوصی ہدایات سے نوازا۔ اور کوفہ کی طرف روانہ فرمایا چنانچہ آپ ۱۵ رمضان مبارک کو مکہ سے روانہ ہو گئے۔

آخری بار جب امام کے وداع کے لئے حاضر ہوئے تو غمگین تھے امام نے وجہ پوچھی تو عرض کی اے فرزند رسولؐ مجھے ڈر ہے کہ شاید اس کے بعد آپ کے جمال بے مثال کا دیدار نصیب نہ ہو۔ اس لئے دوبارہ بغرض زیارت حاضر ہوا ہوں۔ پس سامنے آکر حضرت کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا اور سخت گریہ کیا۔ امام نے رو رو کر ان کو سینہ سے لگا لیا اور رخصت فرمایا۔ چنانچہ حضرت مسلم روتے ہوئے روانہ ہوئے۔ بمطابق روایت ناسخ اسی عالم حزن میں رات کے وقت وارد مدینہ ہوئے، روضہ رسولؐ میں چند رکعت نماز ادا فرمائی، رشتہ داروں اور دوستوں سے ایک بار ملاقات کی اور وہاں سے اپنے دونوں فرزندوں محمد و ابراہیم کو ساتھ لیا اور بنی قیس کے دو آدمی ہمراہ لئے تا کہ وہ غیر معروف راستہ سے کوفہ لے جائیں چنانچہ وہ دونوں راہ سے بھٹک گئے اور بالآخر تشنگی سے مر گئے۔ حضرت مسلمؑ نے امام پاک کو اس صورت حال سے بھی آگاہ کیا تو امام نے جواب میں لکھا کہ تجھے جو حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل کرو۔ طے منازل کے بعد ۵ شوال نصف شب کو داخل کوفہ ہوئے اور مختار کے گھر میں قیام فرمایا۔

کوفہ والوں کو اطلاع ہوئی تو گروہ گروہ ہو کر آنے لگ گئے۔ حضرت مسلمؑ نے امام حسین علیہ السلام کا خط ان کو سنایا تو لوگوں نے خوشی خوشی بیعت شروع کر دی۔ یہاں تک کہ ۱۸ ہزار نے بیعت کی اور وفاداری کا

عہد کیا۔ عابس بن شبیب اور حبیب بن مظاہر نے کھڑے ہو کر پُرجوش تقریریں کیں اور لوگوں کو عہد کی وفا کی تلقین فرمائی۔ بروایت ابی مخنف بیعت کرنے والوں کی تعداد جب اسّی ہزار تک پہنچی تو امام پاک کو حضرت مسلم نے خط لکھا کہ تمام کوفہ والے ہمارے ساتھ ہیں اور یزید کے اعمال سے سخت متنفر ہیں اور مجھے انہوں نے اپنی وفاداری کا یقین دلایا ہے۔

نعمان بن بشیر جو یزید کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا لوگوں نے اس کو امر واقعہ کی اطلاع دی تو اس نے اعلانِ عام کر کے مسجد جامع میں منبر پر ایک خطبہ پڑھا اور لوگوں کو یزید کی وفاداری پر آمادہ کیا اور فتنہ و فساد سے بچنے کی تلقین کی۔

بنی اُمیّہ کا ایک کاسہ لیس جس کا نام عبداللہ بن مسلم حضرمی لکھا ہے نے کھڑے ہو کر کہا اے نعمان، اس قسم کی بزدلانہ باتوں سے انتظام درست نہیں ہوا کرتا۔ جرأت و دلیری کا مظاہرہ کرو تو نعمان نے جواب دیا میں ظالموں سے نہیں ہونا چاہتا یہ کہہ کر منبر سے اُترا تو عبداللہ بن مسلم نے خفیہ طور پر یزید کو اطلاع دے دی اور حالات حاضرہ کی سب رپورٹ اس کو لکھ بھیجی اور لکھا کہ نعمان بن بشیر بزدل آدمی ہے۔ اگر کوفہ کی ضرورت ہے تو کسی سخت ترین انسان کو اس جگہ کی حکومت دو۔ اور یزید کو اسی مضمون کا خط عمر بن سعد اور عمارہ بن عقبہ وغیرہ نے بھی لکھا۔

معاویہ کا ایک سرجون رومی غلام تھا جس کو اپنی وفاداری کے پیش نظر معاویہ نے عہدہ وزارت دے دیا تھا اور اس کی موت کے بعد یزید نے بھی اس کی وزارت کو برقرار رکھا۔ چنانچہ ہر اہم معاملہ میں اس سے مشورہ طلب کیا کرتا تھا جب اہلِ کوفہ کے خطوط پہنچے تو یزید نے سرجون غلام سے رائے طلب کی یہ جانتا تھا کہ ابن زیاد کے سوا کوئی دوسرا آدمی اہلِ عراق پر قابو نہ پا سکے گا لیکن یزید چونکہ ابن زیاد سے ناراض تھا۔ اس لئے اس کا نام لینا بھی مناسب نہ سمجھا، اس لئے انداز کلام کو بدلتے ہوئے کہنے لگا۔ اے یزید! اگر معاویہ زندہ ہو جائے اور اس معاملہ میں تجھے کچھ کہنا چاہے تو کیا اس کی بات تو قبول کرے گا؟ یزید نے جواب دیا کیوں نہیں تو سرجون نے جیب سے ایک خط نکالا کہ یہ معاویہ کی طرف سے عہد نامہ ہے کہ حکومت ابن زیاد کو دی جائے لہٰذا تجھے باپ کے فرمودہ پر عمل کرنا چاہیئے۔

یزید کو غلام کی بات پسند آئی اور فوراً ابن زیاد کو ایک خط لکھا جس میں کوفہ کے حالات کا تذکرہ کیا اور کہا تو فوراً کوفہ پہنچ کر حضرت مسلم کو قتل کر دے یا وہیں سے اس کو باہر نکال دے اور خط کو مسلم بن عمرو باہلی کے حوالہ کر کے روانہ کیا۔ پھر فوراً دوسرا خط لکھا جس میں بہت جلد ابن زیاد کو کوفہ پہنچنے کی دعوت دی اور کوفہ و بصرہ دونوں کی حکومت اس کے سپرد کی اور لکھا کہ علی کی اولاد میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑو اور مسلم کا سر قلم کر کے مجھے بھیج دو۔ جب یہ خطوط پہنچے

تو ابن زیاد کو بصرہ و کوفہ کی حکومت کی بڑی خوشی ہوئی۔ جامع مسجد بصرہ میں تمام لوگوں کو جمع ہونے کا حکم دیا اور بالآخر منبر پر یہ تقریر کی۔

کہ مجھے یزید نے بصرہ و کوفہ دونوں کی حکومت دے دی ہے اب ہنگامی حالات کے تحت مجھے فوراً کوفہ جانا ہے اور یہاں اپنا قائم مقام اپنے بھائی عثمان بن زیاد کو مقرر کرتا ہوں اس کی اطاعت کرنا تمہارا فرض ہوگا۔ اگر میں نے سنا کہ کسی نے اس کی مخالفت کی ہے تو اس کے سارے خاندان کو تہ تیغ کرنے سے دریغ نہ کروں گا۔

پس دوسرے روز اپنے خصوصی عملے کے ساتھ بصرہ سے روانگی اختیار کی۔ اس کے مخصوصین میں مسلم بن عمرو باہلی شریک بن اعور حارثی اور منذر بن جارود تھے۔ سیاہ عمامہ باندھا۔ تلوار حمائل کی۔ تیر کمان بازو سے لٹکایا۔ تازیانہ ہاتھ میں لیا اور سوار ہو کر روانہ ہوا۔ اور بہت جلد اس سفر کو طے کر کے کوفہ میں بروز جمعہ پہنچا۔ اور اس ملعون نے امام حسین علیہ السلام کا حلیہ بنایا ہوا تھا۔ کوفہ سے باہر تھوڑا سا آرام کیا۔ ادھر لوگوں کو اطلاع پہنچ گئی کہ شہر سے باہر کوئی قافلہ آیا ہوا ہے غالباً وہ حضرت حسینؑ ہی ہوں گے۔

غروب شمس کے دو گھنٹے بعد تاریکی میں داخل شہر ہوا۔ دائیں بائیں اور سامنے سے لوگوں کو چلنے کا حکم دیا۔ تاکہ قریب آ کر کوئی پہچان نہ لے۔ لوگوں کو چونکہ گمان تھا کہ یہ حسین ہیں لہٰذا کوفہ کے زن و مرد فرزند رسول کہہ کر سلام دیتے تھے اور یہ ملعون سوائے جواب سلام کے اور کچھ نہ کہتا تھا لوگوں نے یہ بھی کہا مرحبا اے فرزند رسول ہماری چالیس ہزار تلواریں آپ کے ساتھ ہیں اور یہ ملعون دل ہی دل میں کڑھتا تھا لیکن بولتا نہیں تھا۔ جب دارالامارہ کے دروازہ پر پہنچے۔ اور نعمان بن بشیر کو اطلاع ملی تو اس نے دروازہ بند کر لیا اوپر سے جھانک کر کہنے لگا۔ اے فرزند رسولؐ دارالامارہ میں گھسنے سے گریز کیجئے میں آپ کے خون میں ہاتھ نہیں ڈالنا چاہتا لوگوں نے باہر سے شور مچایا کہ اے نعمان فرزند رسول کے لئے دروازہ کھول دو اور اس کو فحش گالیاں بھی دیں۔ اتنے میں ابن زیاد نے منہ سے نقاب اٹھایا اور نعمان سے بات کی تب نعمان کو یقین ہوا کہ یہ ابن زیاد ہے۔ پس دروازہ کھولا جب لوگوں نے آواز پہچانی تو ایک دوسرے کو کہنے لگے یہ ابن مرجانہ ہے پس اس کو اور یزید کو گالیاں دیتے ہوئے واپس چلے گئے۔

صبح سویرے لوگوں کو مسجد میں جمع ہونے کا حکم دیا گیا اور ابن زیاد نے تقریر کی کہ مجھے یزید نے کوفہ کی حکومت سپرد کی ہے۔ یاد رکھو میں اطاعت گذار کے لئے پدر مہربان کی طرح ہوں گا اور نافرمان کے لئے میری تلوار و تازیانہ موجود ہے۔ لوگو ڈرو اور مسلم بن عقیل کو بھی اطلاع دے دو کہ وہ شہر کو چھوڑ کر چلے جائیں۔ پھر اپنے مخصوص اطاعت گذاروں کو حکم دیا کہ جو بھی یزید کی اطاعت سے باہر جائے اس کو قتل کرو اور سولی پر لٹکاؤ۔ لوگوں

کو سخت دھمکیاں دے کر ان کو بیعتِ یزید پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کرو۔ اور یہ بھی اعلان کیا گیا کہ ابھی یزید کی طرف سے فوج پہنچنے والی ہے جو مخالفت کرنے والوں کے جان و مال کو مباح کر دے گی اور ان کی عورتوں کو قید کرے گی۔ پس لوگ اس وحشتناک تہدید سے سہم گئے اور امام حسینؑ کی بیعت پر نادم ہو کر گھروں کو چلے گئے۔

ادھر حضرت مسلم نے مختار کے گھر میں رہنا خلافِ مصلحت سمجھا اور وہاں سے خفیہ طور پر ہانی کے گھر چلے گئے۔ ہانی کو بڑی خوشی ہوئی۔ لوگ خفیہ آکر بیعت کرتے رہے۔ ابن زیاد ہانی کو اپنے ہاں بلاتا رہا لیکن ہانی نے اپنی بیماری کا عذر پیش کیا۔ اور حضرت مسلم سے عرض کی کہ ابن زیاد میری بیمار پرسی کے لئے ضرور آئے گا۔ آپ پردہ کے اندر بیٹھ جائیں جب میں کلاہ سر سے اتاروں تو فوراً نکل کر اس کو قتل کر دیں۔ ادھر لوگوں نے ابن زیاد کو ہانی کی بیماری کی اطلاع دی اور ہانی نے خود بھی پیغام بھیجا کہ میں سخت بیمار ہوں۔ ابن زیاد نے خبر بھیجی کہ میں نماز عشاء کے بعد آؤں گا چنانچہ اپنے غلام کے ہمراہ وہ ہانی کے گھر پہنچا۔ احوال پرسی کے بعد ہانی نے اپنا عمامہ سر سے اتارا لیکن حضرت مسلم باہر نہ آئے پھر چند اشعار پڑھے تاکہ حضرت مسلم کو اپنا عہد یاد آجائے اور اس ملعون کو قتل کر دے ابن زیاد کو ہانی کے شعروں پر شک گذرا لیکن لوگوں نے کہا شدتِ مرض کی وجہ سے اس کو ہذیان ہے۔ آخر ابن زیاد اٹھ کر چلا گیا۔

یہ واقعہ ناسخ نے ہانی کا لکھا ہے لیکن بعض مؤرخین اس کو شریک بن اعور کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

۱۳۔ شریک بن اعور

یہ شخص حضرت علی کا خاص شیعہ تھا۔ ایک دفعہ معاویہ کے پاس گیا تو معاویہ نے دیکھتے ہی کہا تو شریک ہے حالانکہ اللہ کا کوئی شریک نہیں اور تیرا باپ اعور (یک چشم) تھا حالانکہ آنکھوں والا اعور (یک چشم) سے اچھا ہوا کرتا ہے اور نیز تو بدصورت ہے اور خوبصورت بدصورت سے بہتر ہے۔ پس شریک نے جواب میں کہا کہ تو معاویہ ہے اور معاویہ بھونکنے والی کتیا کو کہتے ہیں۔ اور تو صخر کا بیٹا ہے حالانکہ سہل صخر سے بہتر ہے اور تو حرب کا بیٹا ہے حالانکہ صلح لڑائی سے بہتر ہے۔ اور تو اُمیّہ کا بیٹا ہے حالانکہ اُمیّہ امۃ کی تصغیر ہے جس کا معنی ہے لونڈیا پھر تو مومنوں کا امیر کیسے بن گیا۔ اور یہ اشعار کہتا ہوا باہر اٹھ کر چلا گیا۔

فَلَا تَبْسُطْ عَلَيْنَا يَا ابْنَ هِنْدٍ　　لِسَانَكَ إِنْ بَلَغْتَ ذُرَى الْأَمَانِيْ

اے ہند کے بیٹے اگر تجھے اقتدار ملا ہے　　تو اپنی زبان پر کنٹرول رکھو

وَإِنْ تَكُ لِلشَّقَاءِ لَنَا أَمِيْرًا　　فَإِنَّا لَا نُقِرُّ عَلَى الْهَوَانِ

اور ہماری بد بختی کہ تو ہمارا حاکم ہے لیکن ہم ذلیل رہنا قطعاً گوارا نہ کریں گے

وان تك من امية فى ذراها فانا نى ذرى عبد المدان

اگر تو بنی امیہ میں ہونے کا فخر کرے تو ہم کو عبد المدان میں سے ہونے کا فخر حاصل ہے۔

شریک ابن اعور بصرہ میں ابن زیاد کا خاص آدمی تھا اور بصرہ سے بوقت روانگی یہ ابن زیاد کے ساتھ چلا۔ اور ابن زیاد کو اس کے شیعہ ہونے کا بھی یقین تھا۔ لیکن پھر بھی وہ اس کو بہت چاہتا تھا۔ بصرہ سے چل کر راستہ میں اس نے اپنے تئیں عمداً گھوڑے سے گرا دیا تاکہ ابن زیاد اس طرف مشغول ہو جائے۔ اور ادھر امام حسینؑ پہلے کوفہ میں پہنچ جائیں۔ لیکن ابن زیاد نے بغیر پرواہ کئے سفر کو جاری رکھا۔ شریک جب کوفہ میں پہنچا تو ہانی کے گھر میں مہمان ہوا اور ہانی کو حضرت مسلم کی اطاعت و وفاداری پر خوب تحریص کی۔ جب ۲۵ ہزار آدمی بیعت کر چکے اور حضرت مسلم نے خروج کا ارادہ کیا تو شریک نے کہا جلدی نہ کیجئے۔ ابن زیاد میری بیمار پرسی کے لئے آئے گا۔ پس احوال پرسی کے بعد میں پانی مانگوں گا تو آپ پردہ سے اٹھ کر اس کو قتل کر دیں اور پھر دارالامارہ پر جا کر قبضہ کر لیں۔ پھر کوئی بھی مزاحمت نہ کرے گا حضرت مسلم کو یہ بات پسند آگئی۔ چنانچہ جب ابن زیاد عیادت کے لئے پہنچا تو اس کا مہران غلام بھی اس کے ہمراہ تھا ابن زیاد شریک کے سرہانے بیٹھا اور احوال پرسی کے بعد شریک نے پانی مانگا لیکن مسلم نہ اُٹھے۔ پھر اس نے چند اشعار اسی مضمون کے پڑھے جن میں حضرت مسلم کو ابن زیاد کے قتل کرنے کا اشارہ موجود تھا لیکن پھر بھی حضرت مسلم نے پرواہ نہ کی۔ ابن زیاد نے پوچھا یہ اشعار کیسے ہیں تو ہانی نے کہا کل شام سے اس کی یہ حالت ہے کہ ہذیان کہتا رہتا ہے جب شریک نے تین مرتبہ یہ اشعار دہرائے تو ابن زیاد کے غلام مہران کو شک پڑ گیا اور ابن زیاد کو اُٹھنے کے لئے اشارہ کیا چنانچہ وہ ملعون اُٹھ کھڑا ہوا۔ شریک نے کہا اے امیر میں ایک وصیت کرنا چاہتا ہوں وہ تو سن لے لیکن ابن زیاد نے کہا پھر کسی وقت حاضر ہوں گا اور چلا گیا۔ پھر راستہ میں اس کو غلام نے متنبہ کیا کہ یہ اشعار تمہارے قتل کی سازش ظاہر کر رہے تھے لیکن ابن زیاد کو پھر بھی باور نہ ہوا۔

ابن زیاد کے چلے جانے کے بعد جب حضرت مسلم باہر آئے تو شریک نے ابن زیاد کو قتل نہ کرنے کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا رسول کی حدیث مجھے یاد آگئی کہ دھوکے سے قتل کرنا مومن کی شان سے بعید ہے۔ بس اس لئے میں نے اس ملعون کو قتل نہیں کیا۔ اس بات کا ہانی اور شریک دونوں کو بہت دکھ ہوا۔ لیکن اب وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا اس کے تین روز بعد شریک نے داعی اجل کو لبیک کہی۔ ابن زیاد کو بعد میں معلوم ہوا کہ شریک لوگوں کو مسلم کی نصرت کی دعوت دیتا تھا اور پھر اس کو مہران غلام کی بات کا بھی یقین ہوا تو یہ ملعون کہتا تھا اگر شریک کی قبر تو باد کی قبر

دا ٹھاؤں گا جب تک کہ اس کو کاٹ کر الگ نہ کر لیا جائے۔ یہ سوال و جواب تلخی اختیار کر گئے اور ابن زیاد بھی کان دھر کر خوب سن رہا تھا۔ اس نے ہانی کو دوبارہ بلوایا اور دھمکی دے کر کہا اگر مسلم کو میرے حوالے نہ کرو گے تو تمہارا سر قلم کر دوں گا۔ ہانی نے جواب دیا تجھ میں یہ تاب کہاں ہے؟ قبیلہ مذحج محاصرہ کر کے تجھے اپنے کئے کی سزا دے گا ہانی کو خیال تھا کہ وہ دارالامارہ کے باہر موجود ہوں گے۔ ابن زیاد نے غصہ میں آکر تازیانہ سے ہانی کے سر منہ ناک کو زخمی کر دیا۔ ہانی نے ایک سپاہی سے تلوار کھینچنی چاہی لیکن ناکامی ہوئی اور آخر کار اس مظلوم کو زندان خانہ میں بھیج دیا گیا۔

ابو مخنف کی روایت میں ہے کہ ہانی نے تلوار کھینچ لی اور ابن زیاد کے سر پر حملہ کیا چنانچہ اس کا عمامہ قطع ہو گیا اور اس کے سر پر بھی زخم آیا۔ پھر اس کا متقل غلام آگے بڑھا تو ہانی نے اس کے منہ پر تلوار ماری اور اس کو بھی زخمی کر کے گرا دیا لوگ گرفتار کرنے کے لئے آگے بڑھے تو ہانی نے خوب جرأت کا مظاہرہ کیا۔ یہاں تک کہ ۲۵ آدمیوں کو تہ تیغ کر ڈالا آخر کار گرفتار ہوا اور زندان میں بھیج دیا گیا۔

قبیلہ مذحج کو معلوم ہوا تو چار ہزار مرد میدان فوراً پہنچے اور دارالامارہ کا محاصرہ کر لیا۔ ابن زیاد نے شریح قاضی کو بلا کر لوگوں کے منتشر کرنے پر مامور کیا۔ چنانچہ اس ملعون نے دارالامارہ سے سر باہر نکال کر کہا۔ اے لوگو! تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ ہانی کو کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ ابن زیاد نے مصلحت کے ماتحت اس کو اپنے پاس بلایا ہے اور وہ کچھ باتیں کر رہے ہیں، تمہیں شور و غوغا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس مکار کے کلام کے دام میں آکر وہ بیچارے دھوکا کھا گئے اور چلے گئے۔

اسماء بن خارجہ نے ابن زیاد کو ملامت کی کہ تو نے ہانی سے دھوکا کیا ہے۔ ہم لوگ اس کو منت کر کے لائے تھے اور اس سے امن کا وعدہ کیا تھا تو نے اس کو زخمی کر کے زندان میں ڈال دیا ہے اور اب اس کے قتل کا ارادہ رکھتا ہے یہ بات تم نے اچھی نہیں کی۔ پس ابن زیاد نے غصہ میں آکر اس کو بھی خوب زدوکوب کیا اور دارالامارہ سے ذلیل کر کے باہر نکال دیا۔ پس ابن زیاد نے مسجد میں آکر پھر لوگوں کو اپنے مظالم سے خوف زدہ کیا۔

حضرت مسلم نے عبداللہ بن حازم کو ہانی کے حالات دریافت کرنے کے لئے بھیجا۔ چنانچہ اس نے آکر امر واقع کی اطلاع دی تو آپ نے عبداللہ کو حکم دیا کہ لوگوں میں جہاد کی آواز بلند کرو۔ چنانچہ فوراً ہی چار ہزار جنگی مرد جمع ہو گئے اور دارالامارہ پر چڑھائی کی گئی۔ جب ابن زیاد نے ہاؤ ہو کی آوازیں سنیں تو فوراً مسجد سے نکل کر دارالامارہ میں پہنچا اور دروازے بند کرا دیئے۔ بیعت کرنے والوں کی فوجیں یکے بعد دیگرے اس قدر جمع ہو گئیں کہ گلی کوچوں میں سے گزرنا مشکل ہو گیا۔

کے نزدیک، نہ ہوتی تو میں اس کے مردہ کو قبر سے نکال کر نذرِ آتش کرتا۔ لیکن مجھے اپنے باپ زیاد کی قبر کا حیا ہے۔

ابن زیاد کا ایک غلام تھا جس کا نام معقل لکھا ہے اس کو جاسوسی پر متعین کیا گیا کہ کہیں سے مسلم کا سراغ معلوم ہو چنانچہ اس خبیث نے اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کر کے تین ہزار درہم نذرانہ کے اٹھائے اور حیلہ و بہانہ سے امیر مسلم تک جا پہنچا۔ نذرانہ پیش کیا اور منافقانہ بیعت بھی کی اور اپنے آپ کو مخلص شیعہ ظاہر کر کے شیعانِ کوفہ کے بہت سے راز معلوم کر لئے اور پھر ابن زیاد کو اطلاع دے دی کہ وہ ہانی کے گھر میں اور دیگر معلومات بھی اس کو کافی بہم پہنچائے۔ ابن زیاد نے محمد بن اشعث۔ اسماء بن خارجہ اور عمرو بن حجاج زبیدی کو ہانی کے بلانے کے لئے بھیجا۔ ہانی کی زوجہ رویحہ عمرو بن حجاج کی لڑکی تھی۔ ہانی نے عذر کیا کہ میں بیمار ہوں تو انہوں نے نہایت لجاجت کی کہ آپ ضرور تشریف لے چلیں۔ ان لوگوں کو ابن زیاد کے دلی راز کا علم نہیں تھا۔ جب دار الامارہ کے قریب پہنچے تو ہانی کے قدم رک گئے تو ان لوگوں نے کہا اے ہانی ڈرو نہیں۔ ابن زیاد تیری ملاقات سے خوش ہوگا اور تجھے فائدہ ہوگا۔ آخر دربار میں جا پہنچے اور جس خطرہ سے گریز تھا وہ سامنے آ گیا۔ جب ہانی نے سلام کہا تو ابن زیاد نے فوراً یہ سوال کیا کہ ہمارے دشمنوں کو تو پناہ دیتا ہے اور مسلم تیرے گھر میں ہے اور تو لوگوں کو اس کی نصرت پر آمادہ کرتا ہے اور مجھے تیرے متعلق بہت کچھ معلومات حاصل ہیں۔ ہانی نے ظاہراً انکار کیا لیکن ابن زیاد نے فوراً معقل ملعون کو بطور گواہ کے پیش کر دیا۔ معقل نے آتے ہی ہانی سے سوال کیا کہ آپ نے مجھے پہچانا ہے؟ تو ہانی نے جواب دیا ہاں میں نے جانا ہے کہ تو کافر و منافق ہے۔ پس فوراً عذر پیش کیا کہ مسلم کو میں نے دعوت دے کر نہیں بلایا وہ خود تشریف لائے اور میں نے ان کو گھر سے نکالنا مناسب نہ سمجھا۔ ہاں اگر یہ بات آپ کو گوارا نہیں تو مجھے اجازت دیجئے تا کہ جا کر ان کو گھر سے باہر کر دوں۔ ابن زیاد نے کہا اب جانے کی اجازت نہیں ملتی جب تک مسلم کو ہمارے حوالہ نہ کرو گے۔ ہانی اور ابن زیاد کے درمیان بات تو تو میں میں تک پہنچی۔

ابن زیاد کی اجازت سے مسلم بن عمرو باہلی ہانی کو علیحدہ لے گیا اور سمجھانے لگا کہ مسلم بن عقیل ابن زیاد اور یزید کے قریبیوں میں سے ہے اور اس کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا تم اس کو ابن زیاد کے حوالے کرنے میں کوئی حرج محسوس نہ کرو۔ اور نہ اس میں تمہاری توہین ہے لیکن ہانی نے جواب دیا کہ جب تک میں زندہ ہوں فرزند رسول کے سفیر کو جس کو میں نے پناہ دی ہے دشمن کے حوالہ نہ کروں گا اور اگر میری قوم میری مدد نہ بھی کرے گی۔ تاہم یکہ و تنہا جان کی بازی لگانے کو تیار ہوں۔ اگر میرے پاؤں کے نیچے آلِ رسول کا کوئی بچہ چھپا ہوا ہو تو اس پاؤں کو

اس وقت ابن زیاد کے پاس پچاس آدمی سے زیادہ نہیں تھے۔ اس مکار ملعون نے کثیر بن شہاب اور محمد بن اشعث اور چند دیگر افراد کو حکم دیا کہ دارالامارہ سے باہر نکلو اور شہر میں اعلان کرو کہ شام کا لشکر ابھی آرہا ہے اور ان کو خوب ڈراؤ دھمکاؤ تاکہ یہ لوگ منتشر ہو جائیں چنانچہ انہوں نے ایسا کرنا شروع کر دیا۔ جب سورج قریب غروب ہوا تو شام کے لشکر کی آمد آمد کا شور انہوں نے زیادہ بلند کر دیا۔ رفتہ رفتہ امیر مسلم کی فوج گھروں کو جانے لگ گئی جب نماز کا وقت آیا تو صرف ۲۵ آدمی موجود تھے۔ مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر نکلے تو صرف دس آدمی ساتھی تھے۔ جب باب کندہ سے باہر قدم رکھا تو اکیلے رہ گئے اور کوئی بھی ساتھ نہ رہا۔ پس گھومتے گھماتے محمد بن کثیر کے گھر پہنچے اور محمد بن کثیر اور اس کے لڑکے کی شہادت کے بعد نصف شب ان کے گھر سے نکل کھڑے ہوئے جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

ابن زیاد نے کوفہ کے ہر دروازہ پر اپنے سپاہی مقرر کر دیے تھے کہ باہر کوئی نہ جا سکے۔ چنانچہ حضرت مسلم جس دروازہ کے قریب جاتے تھے وہاں سپاہ موجود ہوتی تھی پھر واپس پلٹ آتے تھے آخر کار رات ختم ہو گئی اور دن کو ایک مسجد میں چھپ گئے پھر بھوکے پیاسے رات کو نکلے کوئی چارہ کار نظر نہ آتا تھا۔ آخر ایک گھر کے دروازہ پر پہنچے اور اس گھر میں ایک کنیز ام ولد طوعہ نامی اور اس کا بیٹا بلال نامی رہائش پذیر تھے۔ اس دن طوعہ کا بیٹا گھر سے باہر تھا اور وہ بیٹے کی انتظار میں دروازہ تک آتی جاتی تھی۔ جب وہ سامنے آئی تو مسلم نے سلام کہا۔ اس عورت نے جواب سلام کہا۔ حضرت مسلم نے پانی مانگا تو اس نے جام آب حاضر کیا پھر بیٹھ گئے۔ طوعہ نے کہا اب رات کا وقت ہے آپ کا یہاں بیٹھنا درست نہیں اپنے گھر چلے جائیے تو حضرت مسلم نے بچشم گریاں خاموشی اختیار کی۔ پھر طوعہ نے دوبارہ وہی کلمات کہے تو حضرت مسلم خاموش رہے اس کے سہ بارہ کہنے پر رو کر فرمانے لگے۔ اے کنیز خدا میں اس شہر میں مسافر ہوں، گھر وطن سے دور ہوں اگر مجھے اس رات ٹھہرنے کی جگہ دے دے تو تجھے خدا اس کی جزا دے گا طوعہ نے پوچھا آپ کون ہیں؟ تو فرمایا میں مسلم بن عقیل ہوں، لوگوں نے مجھے دھوکہ دیا ہے۔ طوعہ نے سنتے ہی معافی طلب کی اور عزت و تواضع سے اپنے گھر لے گئی ایک حجرہ مخصوص میں جگہ دی۔ کھانا حاضر کیا۔ بستر بنا دیا۔ آپ نے کھانا نہ کھایا اور سو گئے۔ اتنے میں طوعہ کا لڑکا بلال گھر میں آیا اور ماں کو بار بار اس حجرہ میں جاتے ہوئے دیکھا تو وجہ پوچھی طوعہ نے بتانے سے ہر چند انکار کیا لیکن وہ نہ مانا آخر مجبور ہو کر طوعہ نے بیٹے سے قسم لی کہ ظاہر نہ کرے گا پھر حضرت مسلم کا حال بیان کیا وہ لڑکا سو گیا اور حضرت مسلم تھوڑی دیر کے بعد اٹھ بیٹھے اور رونے لگ گئے۔ طوعہ نے پوچھا آقا روتے کیوں ہو؟ تو فرمایا مجھے خواب میں اپنے چچا بزرگوار حضرت علی بن ابی طالب کی زیارت ہوئی ہے اور وہ فرماتے

تھے۔ اے مسلم! جلدی جلدی واپس میں یہ سمجھتا ہوں کہ آج میری زندگی کا آخری دن ہے اور سفرِ آخرت کا پہلا دن ہے۔

صبح سویرے طوعہ کے لڑکے نے ابن زیاد کو جا کر اطلاع دے دی اور بطور انعام ایک سنہری طبق ایک تاج اور ایک گھوڑا حاصل کیا۔ ابن زیاد نے محمد بن اشعث کی زیر سرکردگی پانچسو سوار مسلم کی گرفتاری کے لئے روانہ کئے جب گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازیں مسلم نے سُنی تو اپنی دعا کو مختصر کیا اور ہتھیار لگا کر تلوار ہاتھ میں لے کر شیر کی طرح حملہ آور ہوئے۔ عمر بن دینار کا بیان ہے حضرت مسلم بن عقیل کے قوت بازو کا یہ عالم تھا کہ جب ایک مرد کو پکڑ کر ہوا میں پھینکتے تھے تو وہ مکانوں کی چھتوں سے اوپر گھومتا ہوا دوسری طرف جا پڑتا تھا۔

حضرت مسلم کا نقشہ جنگ

طوعہ نے ایک بار پھر عرض کی کہ آقا کیا مرنے کا ارادہ ہے تو فرمایا خدا کی قسم اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے پس آگ برسانے والی بجلی بن کر تلوار شرربار ہاتھ میں تھام کر حیدر کرار کی طرح للکارتا ہوا میدان قتال میں اتر آکر ان کی تلوار کی جنبش سے ہاتھ اور سر پرندوں کی طرح ہوا میں اُڑتے نظر آتے تھے۔ سوار مع راہوار کے خون میں غلطان فرشِ زمین پر لت پت دکھائی دیتے تھے، بڑے بڑے قوی ہیکل آزمودہ کاران حرب وضرب کو ہاتھ سے پکڑ کر ہوا میں پھینکتے تھے کہ چھتوں کے اوپر سے گذرتے ہوئے دوسری طرف جا پڑتے تھے۔ ابن زیاد کی فوج گو تازہ دم تھی اور یہ مظلوم شکستہ دل اور پریشان خاطر دو رات دن کا تھکا ماندہ ہونے کے باوجود ان کے پیچھے ایسے نظر آتا تھا جیسا کہ شیر غضبناک بکریوں اور بھیڑوں کے ریوڑ کے پیچھے چنگھاڑتے ہوئے آرہا ہو۔ دائیں بائیں حملہ کر کے ایک سو اسی ملاعین کو تہ تیغ کر ڈالا جب اہل کوفہ نے ان کی اس شجاعت و دلیری اور قوت بازو و توانائی کو دیکھا تو مقابلہ کی تاب نہ لا سکے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ حتیٰ کہ محمد بن اشعث نے ابن زیاد کو لکھا کہ مدد کے لئے جنگی مرد میدان لوگوں کی تازہ فوج بھیجئے تو ابن زیاد نے پھر پانچسو کی فوج بھیجی۔ حضرت مسلم نے ایک ہی حملہ میں ان کو شکست دے دی کچھ مارے گئے باقی بھاگ کھڑے ہوئے۔ محمد بن اشعث نے ابن زیاد سے پھر مزید امدادی فوج کا مطالبہ کیا تو ابن زیاد نے غصہ میں آکر جواب دیا کہ مسلم صرف ایک آدمی ہے کیا اس نے اتنی بڑی جماعت کو قتل کر ڈالا ہے؟ اگر تم کو مسلم سے زیادہ بہادر کے مقابلہ میں بھیجوں گا تو تمہارا کیا حال ہوگا۔ اس سے اس کی مراد امام حسین علیہ السلام تھی محمد بن اشعث نے جواب دیا کہ تو نے مجھے کوفہ کے کسی سبزی فروش یا حیرہ کے کسی جاٹ کی طرف تھوڑا بھیجا ہے

اَيُّهَا الْاَمِيْرُ اَتَظُنُّ بَعَثْتَنِيْ اِلٰى اَسَدٍ ضِرْغَامٍ وَسَيْفٍ حُسَامٍ فِيْ كَفِّ بَطَلٍ هُمَامٍ مِنْ اٰلِ خَيْرِ الْاَنَامِ

اے بادشاہ تونے مجھے ایک شیر ببر کے مقابلہ میں بھیجا ہے اور آلِ رسولؐ کے مردِ شجاع جس کے ہاتھ میں تلوار قاطع ہے کے مقابلہ میں تو نے ہمیں بھیجا ہے۔ پھر ابن زیاد نے پانچسو کی تعداد میں فوج بھیجی اور حکم بھیجا کہ مسلم کو کسی بہانہ سے گرفتار کرلو۔ لیکن پھر حضرت مسلم نے باوجود خستگی کے کشتوں کے پشتے لگا دیئے کسی کو تاب مقابلہ رہی آخر انہوں نے ایک حیلہ سوچا اور آواز دے کر کہا اے مسلم ابن زیاد تجھے امان دینے کو تیار ہے لیکن حضرت مسلم نے پرواہ نہ کرتے ہوئے پے درپے حملے جاری رکھے اور جماعت کثیر کو دار البوار پہنچایا۔

کوفی بزدلوں نے جب دیکھا کہ مسلم کا مقابلہ آسان نہیں تو کوٹھوں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور آگ اور پتھر برسانے شروع کر دئے۔ پس حضرت مسلم ایک طرف دیوار کا سہارا لے کر کھڑے ہو گئے اور ان کو مردانہ وار جنگ کرنے کی دعوت دی ایک نامرد نے راستہ میں گڑھا کھود کر اُوپر سے خس و خاشاک رکھ دئے اور اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ فلاں طرف سے لڑائی کو جاری رکھو کہ حضرت مسلم آگے بڑھیں گے تو ضرور اس گڑھے میں گریں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پس حضرت مسلم کا پاؤں اس گڑھے میں پھسلا اور ابوبکر بن حمران نے ایک تلوار کا ایسا وار کیا کہ آپ کے ہونٹ زخمی ہو گئے۔ ایک ملعون نے تلوار ماری کہ آپ کا منہ زخمی ہو گیا اور دانت مبارک گر گئے۔ کسی نے پشت کی طرف سے نیزہ کا وار کیا کہ حضرت مسلم منہ کے بل زمین پر گر پڑے۔ پس گرفتار کرکے ابن زیاد کے پاس لے چلے۔ اس وقت حضرت مسلم اپنی زندگی سے مایوس تھے اور زار و قطار رو رہے تھے۔ عبیداللہ بن عباس سلمی نے طعنہ مارتے ہوئے کہا اے مسلم جو آدمی اتنا بڑا کام سر پر رکھے تو مصائب کے آجانے پر اس کو گریہ زیب نہیں دیتا حضرت مسلم نے جواب دیا۔ خدا کی قسم اگرچہ زندگی ہر شخص کو عزیز ہے لیکن میں اپنے لئے نہیں روتا بلکہ مجھے تو امام حسینؑ کی فکر ہے کہ وہ بال بچوں کو ساتھ لے کر تشریف لا رہے ہیں۔ مبادا ان کو کوئی تکلیف پہنچے۔

حضرت مسلم پر پیاس کا غلبہ تھا چنانچہ پانی طلب کیا تو مسلم بن عامر باہلی ملعون نے کہا آپ کے لئے ایک قطرہ آب بھی حرام ہے پس عمرو بن حریث نے اپنے غلام کو حکم دیا اور پانی لایا۔ جب آپ نے پینے کا ارادہ کیا تو پیالہ خون سے پُر ہو گیا پس اس کو زمین پر گرا دیا پھر دوبارہ پانی لیا وہ بھی خون سے بھر گیا۔ پھر تیسری مرتبہ پانی لیا۔ جب منہ سے لگایا تو دندان مبارک گر کر کاسہ آب میں جا پڑے۔ حضرت مسلم نے پیالہ کو منہ سے ہٹاتے ہوئے فرمایا۔ اللہ کا شکر ہے اگر یہ پانی میرا رزق ہوتا تو مجھے نصیب ہوتا۔ پس ابن زیاد کا حکم پہنچا کہ مسلم کو میرے پیش کیا جائے چنانچہ دار الامارہ میں پہنچے اور ابن زیاد کو سلام تک نہ کیا۔ خوشامدی لوگوں نے آوازیں دیں کہ امیر کا سلام کرو۔ تو مسلم نے جواب دیا کہ یہ میرا امیر نہیں ہے۔ ابن زیاد نے کہا سلام کرو یا نہ کرو۔ اب تجھے

قتل ضرور کیا جائے گا۔ حضرت مسلم نے کہا مجھے اتنی اجازت دی جائے کہ وصیت کرلوں تو ابن زیاد نے مہلت دے دی۔ پس مسلم نے درباریوں میں ایک نظر دوڑائی اور ابن سعد کو دیکھ کر فرمایا کہ میں تم کو ایک وصیت کرتا ہوں اور اس کا پورا کرنا تیرے اوپر واجب ہوگا۔ لیکن عمر سعد نے جی چرایا تاکہ ابن زیاد خفا نہ ہو جائے۔ پس خود ابن زیاد نے کہا کہ وصیت کے سننے میں کوئی حرج نہیں چنانچہ ابن سعد کو علیحدہ لے گئے کہ ابن زیاد دیکھ رہا تھا تو حضرت مسلم نے فرمایا میری تین وصیتیں ہیں (۱) میں خدا کی وحدانیت، حضرت محمد مصطفےٰ کی نبوت اور حضرت علی کی ولایت پر ایمان رکھتا ہوں (۲) میری زرہ فروخت کرکے میرا ایک ہزار درہم ادا کرنا جو حسب ضرورت میں اس شہر میں لے چکا ہوں (۳) میں نے سنا ہے کہ امام حسینؑ اپنے اہل وعیال کو لے کر اس طرف روانہ سفر ہو چکے ہیں ان کو بدلے ہوئے حالات کے ماتحت اس طرف کی پیش قدمی سے باز رہنے کا خط لکھنا (۴) بعض روایات میں ہے کہ فرمایا میری لاش کو دفن کرنا اور امام حسینؑ کی طرف قاصد بھیجنا کہ وہ کوفہ نہ آئیں کیونکہ میری اطلاع کے ماتحت وہ مکہ سے روانہ ہو چکے ہیں۔

عمر بن سعد نے ابن زیاد سے حضرت مسلم کی وصیتوں کا تذکرہ کیا تو ابن زیاد نے جواب دیا کہ اگرچہ خائن کبھی کبھی امین ہو جایا کرتا ہے لیکن امین آدمی سے کبھی خیانت نہیں ہو سکتی خدا تیرا بُرا کرے تو نے امانت میں خیانت کی ہے اور وصیت کا راز فاش کیا ہے۔ اگر مجھے مسلم اپنا امین بناتا تو میں ہرگز اُس کے راز کو فاش نہ کرتا اور حتی الامکان وصیت کو پورا کرنے کی کوشش کرتا۔ اے ابن سعد تو نے امانت کی خیانت کا بدترین گناہ اپنے سر پر لیا ہے۔ لہٰذا اب امام حسینؑ کی جنگ کے لئے بھی میں تجھے ہی حکم دُوں گا۔ بعض روایات کی بنا پر ابن زیاد نے کہا کہ اس کے مال کی ہمیں ضرورت نہیں بے شک اس کا قرض ادا کرو۔ نیز قتل کے بعد اس کے جسم سے ہمیں تعلق نہیں بے شک دفن کر دینا اور آخری بات کے متعلق یہ ہے کہ اگر امام حسینؑ ادھر نہ آئیں تو ہمیں خواہ مخواہ اُن کو پریشان کرنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن اگر آئیں گے تو ہم بھی لڑنے سے دریغ نہ کریں گے۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت مسلم نے محمد بن اشعث سے خواہش کی کہ امام حسینؑ کو حالات کی اطلاع بھیجے اور لکھے کہ آپ کوفہ تشریف نہ لائیں۔ چنانچہ محمد بن اشعث نے ایک آدمی بھیج دیا جس نے منزل زبالہ پر امام عالی مقام کو واقعات کی اطلاع دی۔

ابن زیاد نے کہا۔ اے مسلم تو نے مسلمانوں میں افتراق کیا ہے اور امام برحق یزید پر خروج کیا ہے۔

حضرت مسلم نے فرمایا۔ تو غلط کہتا ہے۔ معاویہ نے افتراق کا بیج بویا اور پھر یزید اس کے نقش قدم پر چلا۔ اور تیرا باپ اور تو اس فتنہ میں پیش پیش ہو۔ اور میں تجھ جیسے بدترین انسان کے ہاتھوں جام شہادت نوش کرنے میں فخر محسوس کر رہا ہوں۔

ابن زیاد نے کہا۔ تم لوگ خلافت کے آتیہ دار ہو اور خدا یہ معاملہ اس کے حوالے کرے گا جو اس کا اہل ہے۔

حضرت مسلم نے پوچھا۔ وہ کون ہے جو خلافت کا اہل ہے؟

ابن زیاد نے کہا۔ وہ یزید بن معاویہ ہے۔

حضرت مسلم نے فرمایا۔ بس میرے اور تیرے درمیان خود اللہ ہی فیصلہ کرے گا اور اس کا فیصلہ ہمیں منظور ہے۔ اور ہم اس کے شکر گذار ہیں۔

ابن زیاد نے کہا۔ تم کو گمان ہے کہ خلافت تمہارا حق ہے۔

حضرت مسلم نے فرمایا۔ گمان نہیں بلکہ یقین ہے کہ خلافت آلِ محمدؐ کا حق ہے۔

ابن زیاد نے کہا۔ اس شہر میں آپ کیوں افتراق ڈالنے کے لئے داخل ہوئے ہیں؟

حضرت مسلم نے فرمایا۔ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے آیا ہوں کیونکہ تیرے باپ اور تو نے نیکیوں کو ضائع کیا اور برائیوں کو ظاہر کیا ہے۔ اور آمرانہ طور پر لوگوں کی گردنوں پر سوار ہو اور خلافِ حکمِ خدا قیصر و کسریٰ کے طریقہ پر سلطنت کرتے ہو اور ہم کتاب و سنّت کی اشاعت کرتے ہیں

ابن زیاد اس کلام سے برافروختہ ہوا اور کہنے لگا کہ تم خود ثنائی کرتے ہو حالانکہ شراب پیا کرتے ہو۔

حضرت مسلم نے فرمایا خدا جانتا ہے کہ میرا گوشت پوست شراب سے ناآشنا ہے۔ خدا کی قسم تیرا یہ الزام محض جھوٹ و فریب ہے حالانکہ اس امرِ شنیع کا تو خود مرتکب ہے۔ اور بلا جرم لوگوں کی خون ریزی کی بدترین عادت تجھ میں ہے۔

ابن زیاد نے جواب نہ بن آنے پر حضرت علیؑ و امام حسنؑ و امام حسینؑ کو سب کرنا شروع کر دیا۔

حضرت مسلم نے فرمایا تیرے باپ کو اور تجھے سبّ و شتم زیبا ہیں اب اپنا فیصلہ سناؤ۔

ابن زیاد نے بکر بن عمران کو بلایا کہ محل کی چھت پر لے جا کر حضرت مسلم کا سر جدا کرے۔ پس وہ ملعون حضرت مسلم کو چھت پر لے گیا درحالیکہ حضرت مسلم تسبیح و تہلیل پروردگار میں رطب اللسان تھے۔ چھت پر پہنچ کر حضرت مسلم نے دو رکعت نماز ادا کرنے کی مہلت چاہی لیکن اس ملعون نے مہلت دینے سے انکار کیا اور تلوار کا وار کیا لیکن خطا ہو گئی۔ پھر دوسرا وار کیا اور حضرت مسلم کو شہید کر دیا۔ پھر وہ ملعون دہشت زدہ ہو کر حالتِ سراسیمگی میں محل سے نیچے اترا۔ ابن زیاد نے وجہ پوچھی تو بولا بوقتِ قتل مسلم کی ایک ہیبت ناک شکل میرے سامنے آئی جس سے میں خوفزدہ ہو گیا ہوں۔ ابن زیاد نے کہا تیری بزدلی کی وجہ سے وہ محض خیالی تصور تھا اور کچھ نہیں تھا۔

ایک روایت میں ہے۔ بکر نے جب مسلم کو قتل کرنا چاہا تو ہاتھ شل ہو گئے اور نیچے اتر آیا پھر دوسرا آدمی بھیجا گیا جب اُس نے تلوار چلانے کا ارادہ کیا حضرت رسالت مآب کو دیکھا کہ وہ سامنے تشریف فرما ہیں خوفزدہ ہو کر گر گیا اور وہیں مر گیا۔ پھر ایک شامی شخص کو مامور کیا گیا جس نے حضرت مسلم کو شہید کیا۔ اور سر کو نیچے زمین پر گرانے کے بعد جسم اطہر کو بھی نیچے گرا دیا۔ پھر ہانی کو بھی قتل کرا دیا گیا اور دونوں سروں کو شام بھیجا گیا اور دونوں جسموں کو شہر کے گلیوں کوچوں میں پھرا کر آخر قصابوں کے محلہ میں ایک دروازہ پر لٹکا دیا گیا۔ یہ ۹ ذی الحجہ کا واقعہ ہے۔

۱۴۔ نوار زوجہ شمر بن ذی الجوشن

بروایت تبر المذاب نقلاً عن الواقدی۔ شمر جب امام کا سر گھر میں لایا تو یہ مومنہ اس سر کو گود میں ڈال کر ساری رات ماتم کرتی رہی اور صبح کو جب شمر نے سر مانگا تو اس نے سر دینے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ اس نے تلوار مار کر اس کا سر جدا کر دیا۔ مفصل واقعہ امام مظلوم کے سر کے بیان میں آئے گا۔

(۱۵) یحییٰ حرانی شہید

مخزن البکا میں بعض کتب معتبرہ سے منقول ہے کہ قافلہ اسیران اہل بیت حران میں پہنچا وہاں ایک ٹیلے پر ایک ... ہی کا گھر تھا جس کو یحییٰ حرانی کہتے تھے وہ استقبال کے لئے آگے بڑھا جب اس کی نظر امام مظلوم کے سر ... پر پڑی تو قرآن کی تلاوت اس کی زبان سے جاری ہے حیران ہو کر پوچھا کہ کس کا سر ہے تو جواب ملا حسین بن علی کا سر ہے اس کی ماں فاطمہ بنت محمدؐ ہے فوراً نورِ ایمان نے دل میں چمک ماری کلمہ شہادتین زبان پر جاری کر کے اپنے عمامہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے سادانیوں میں تقسیم کیا اور ایک کپڑا حضرت سجاد کی خدمت میں پیش کیا اور ایک ہزار درہم بھی ہدیہ کیا۔ ظالموں نے اس کے دیکھتے ہی وہ سامان لوٹ لیا اور اس کو دھمکایا کہ تو حکومتِ وقت کے دشمنوں کے ساتھ احسان کر رہا ہے۔ اگر پھر ایسا کیا تو تیرا سر قلم کر دیا جائے گا۔ پس یہ سنتے ہی اُس مردِ مومن نے تلوار میان سے نکالی اور حملہ کر دیا پانچ ملاعین کو تہ تیغ کر کے جام شہادت نوش کیا۔ اس کی قبر حران کے دروازہ پر موجود ہے۔ اور وہاں دُعا مستجاب ہوتی ہے۔

اور اس کو یحییٰ شہید کہتے ہیں۔

۱۶- ہانی بن عروہ مرادی صحابی

حضرت علی علیہ السلام کے خاص الخاص شیعوں میں سے تھا اور جناب رسالت مآب کی صحبت کا شرف بھی اسے حاصل تھا بوقتِ شہادت اس کی عمر ۹۸ برس تھی۔ قبیلہ مراد کا سردار تھا جب سوار ہوتا تھا تو ہمراہ اسکے چار ہزار جنگی سوار اور آٹھ ہزار پیادے سلاح پوش اس کے ہمرکاب ہوا کرتے تھے۔ گویا ۱۲ ہزار جنگی بہادروں کا سالار تھا اور قبیلہ کندہ کے ہم قسم افراد کو ملا کر تیس ہزار تک جنگی نفوس اس کے تابع فرمان ہوا کرتے تھے۔ ہانی اور اس کا باپ دونو حضرت علیؑ کے خاص شیعہ تھے اور جنگ جمل صفین و نہروان میں حضرت شاہ ولایت کے ہمرکاب رہے۔

جب حضرت مسلم شہید ہوگئے تو محمد بن اشعث نے ابن زیاد سے ہانی کے بارہ میں سفارش کی کہ یہ شخص پورے کوفہ میں نہایت معزز ہے اور اس کا خاندان بہت بڑا ہے نیز ہم لوگ اس کو بوعدۂ امان یہاں لائے تھے اس کو رہا کر دیا جائے لیکن ابن زیاد نے پرواہ نہ کی اور حکم دیا کہ قصابوں کے بازار میں لے جا کر اس کا سر تن سے جدا کر دیا جائے چنانچہ جب جلاد لے چلے تو ہانی نے اپنے قبیلہ کے نام آوازیں دیں لیکن اس وقت کون سنتا تھا۔ آخر ایک دفعہ انگڑائی لیکر اپنے ہاتھ رسیوں سے آزاد کر لئے اور لڑنے پر آمادہ ہوئے لیکن دوبارہ اس کے ہاتھوں کو مضبوط جکڑ لیا گیا اور قصابوں کے بازار میں اس کو شہید کر دیا گیا۔ اور حضرت مسلم اور اس کے بدن کو شہر میں تشہیر کیا گیا اور دونو سر شام بھیجے گئے۔

۱۷- ایک نصرانی

سہل سے روایت ہے کہ میں اپنے ایک نصرانی ساتھی کے ہمراہ بیت المقدس جا رہا تھا اور ہم بازار شام میں اُس دن پہنچے جس دن اہل بیت کا اسیر قافلہ داخل ہو رہا تھا۔ میرے نصرانی ساتھی کے پاس تلوار تھی جو کپڑوں میں اس نے چھپائی ہوئی تھی جب اس نے سر مظلوم کربلا کو تلاوتِ قرآن کرتے دیکھا تو اس کی بصیرت کی آنکھیں روشن ہوگئیں۔ پس کلمۂ شہادتین زبان پر جاری کرکے اسلام کے حلقہ میں داخل ہوگیا اور تلوار میان سے نکال کر ان ملاعین پر حملہ آور ہوگیا۔ چنانچہ چند منافقین کو تہ تیغ کرکے جامِ شہادت پی کر راہی جنت ہوا۔ جب جناب اُمّ کلثوم نے شور و غل سنا اور پوچھا تو معلوم ہوا کہ ایک نصرانی آپ کی نصرت کے لئے جہاد کرکے شہید ہوچکا ہے۔ پس بی بی نے حسرت بھرے لہجے میں فرمایا کہ کیا حال ہے ان لوگوں کا کہ نصرانی تو دین اسلام کے لئے غیرت کر رہے ہیں لیکن یہ لوگ اولادِ محمد کو قتل کر کے اور ان کے اہل حرم کو قید کر کے خوش ہو رہے ہیں۔ (مخزن البکا مجلس ۱۲)

۱۸-۱۹۔ محمد و ابراہیم پسران مسلم بن عقیل

یہ دونوں شہزادے حضرت مسلم کے فرزند تھے۔ لیکن بروایت مشہور جناب رقیہ بنت علی کے شکم اطہر سے نہیں تھے کیونکہ جناب رقیہ کا صرف ایک ہی شہزادہ تھا جس کا نام عبداللہ تھا، اور وہ میدان کربلا میں درجۂ شہادت پر فائز ہوا۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ مدینہ سے حضرت مسلم کے ہمراہ آئے تھے یا تاراجیِ خیام کے وقت باقی قافلہ سے جدا ہو گئے۔

صاحب ناسخ بروایت اعثم کوفی بیان کرتا ہے کہ حضرت مسلم نے ہانی کی گرفتاری کے بعد اپنے دونوں شہزادوں کو قاضی شریح کے گھر بھیج دیا تھا جب حضرت مسلم خود شہید ہو گئے تو ابن زیاد کو اطلاع پہنچی کہ کوفہ میں حضرت مسلم کے دو شہزادے کسی کے گھر میں پوشیدہ ہیں۔ ابن زیاد نے منادی کرا دی کہ جس کے گھر میں مسلم کے دو فرزند موجود ہوں وہ ہمارے پیش کرے ورنہ اس کا خون مباح اور گھر تاراج کیا جائے گا۔ قاضی شریح نے جب یہ اعلان سنا تو گھبرا کر محمد و ابراہیم کے پاس روتا ہوا آیا اور مسلم کی شہادت کی خبر سنائی۔ شہزادے اپنے بابا کی خبر سن کر زار و قطار رو دیئے۔ لیکن قاضی شریح نے جب شہزادوں کو گرفتاری کا حکم سنایا تو ابن زیاد کے ڈر سے سہم گئے۔ شریح نے ابن زیاد کے جاسوسوں سے شہزادوں کو اطلاع دی اور کہا کہ تم دونوں میرے چشم و چراغ ہو لیکن مصلحت اسی میں ہے کہ تم کو مدینہ پہنچانے کی کوئی تجویز کروں۔ لہٰذا میں ایسا امین تلاش کرتا ہوں جو تم کو مدینہ پہنچا دے۔ پس اپنے بیٹے اسد نامی کو بلایا اور حکم دیا کہ میں نے سنا ہے آج دروازہ عراقین کے باہر ایک قافلہ مدینہ کو جانے والا ہے لہٰذا ان دونوں شہزادوں کو لے جا کر کسی معتمد آدمی کے سپرد کر آؤ جو ان کو مدینہ پہنچا دے اور ہر ایک شہزادہ کو سفر خرچ کے طور پر پچاس پچاس دینار بھی دیئے۔ قاضی کا لڑکا رات کے وقت دونوں شہزادوں کو بہت تیزی کے ساتھ لے چلا جب دروازہ پر پہنچے تو قافلہ اس سے پہلے جا چکا تھا۔ قاضی کے لڑکے نے کہا کہ قافلہ تو جا چکا ہے لیکن وہ سامنے دور سے ان کا نشان نظر آ رہا ہے تم دوڑ کر ان سے مل جاؤ۔ رات کا وقت تھا شہزادے راستہ سے بے خبر تھے کچھ دور تک دوڑتے رہے لیکن قافلے کو نہ مل سکے آخر تھکے ماندے رک گئے اور قافلہ کا نشان آنکھوں سے غائب ہو گیا۔ کوفہ کے بعض آدمی جو اس دوران شہزادوں کو ملے اور ان کو معلوم ہوا کہ مسلم کے شہزادے ہیں تو انہوں نے پکڑ کر ابن زیاد کے پیش کر دیا۔ ابن زیاد نے دونوں کو قید کر دیا اور یزید کو اطلاع کے طور پر خط لکھ دیا۔ داروغہ زندان جس کا نام مشکور تھا وہ آلِ محمد کا دوستدار تھا اس نے شہزادوں کی بہت خدمت کی، خورد و نوش میں شہزادوں کی اچھی تواضع کی اور رات کو بستر بھی دیئے۔ دوسری رات شہزادوں کو اپنے ہمراہ لے کر شہر سے باہر آیا اور اپنے ہاتھ سے انگوٹھی بطور نشانی شہزادوں کو دی اور قادسیہ کے رستہ پر کھڑا کر کے فرمایا اسی راہ سے

قادسیہ چلے جاؤ وہاں میرے بھائی کے پاس جا کر ان کو انگوٹھی نشانی دکھانا تاوہ خدمت بھی کرے گا اور مدینہ بھی پہنچا دے گا۔ پھر شہزادوں کو راستہ بھول گیا۔ ساری رات چلتے رہے لیکن جب سفیدیٔ صبح نمودار ہوئی تو دیکھا کہ ابھی کوفہ کے پاس ہی ہیں پس دوبارہ گرفتاری کے ڈر سے ایک باغ میں گئے اور ایک درخت پر چھپ کر بیٹھ گئے۔ ایک حبشی کنیز چشمہ سے پانی بھرنے کے لئے جو آئی تو پانی میں دو عکس دیکھے اُوپر دیکھا تو درخت پر دو چاند سے چہرے نظر آئے پس ان کے ساتھ مہر و محبت کی باتیں کیں اور اپنی مالکہ کا دوستدارِ آلِ محمدؐ ہونا بیان کیا پس دونو شہزادوں کو ہمراہ لائی اور اپنی مالکہ کو شہزادوں کے حالات کی اطلاع دی۔ اُس پاکباز خاتون نے شہزادوں کی بہت خدمت کی اور اُن کے منہ کو بوسے دیئے۔ اور حبشی کنیز کو اس نیکی کے صلہ میں آزاد کر دیا۔ شہزادوں کو علیحدہ حجرہ سپرد کیا اور اُن کی خدمت میں مصروف ہوئی۔

مشہور و معروف روایت کی بنا پر شہزادے حسینی لشکر گاہ سے عاشور کی عصر کو جُدا ہوئے اور ابن زیاد کے پاسبانوں نے ان کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے حوالہ کیا اور اس نے خاندانِ رسالت کے ان دونو نونہالوں کو قید سخت میں ڈالنے کا حکم دے دیا اور مکان اور آب و ہوا کی نہایت تنگی کا آرڈر دیا۔ چنانچہ زندان بان نے بحکم ابن زیاد شہزادوں پر تشدد کیا۔ صرف رات کو جو کی دو روٹیاں اور پانی کا کوزہ دے دیتا تھا اور شہزادے سارا دن روزہ سے گذارتے تھے۔ ایک سال کی طویل مدت قید میں گذر گئی اور دونو نے ایک دوسرے سے مشورہ کیا کہ اب تو ہمارے نازنین جسموں کو مٹی نے بوسیدہ کر دیا ہے اس زندان بان کو اپنی حقیقت کی خبر دیں ممکن ہے وہ رحم دل ہو اور ہم پر رحم کر کے ہمیں قید سے آزاد کر دے یا ہماری آب و غذا میں کچھ خاطر خواہ تبدیلی کر دے۔ جب شام کے وقت حسب دستور وہ طعام پانی لایا تو چھوٹے شہزادے نے کہا۔ اے شیخ۔ اَتَعْرِفُ محمد ا۔ کیا تو محمدؐ کو جانتا ہے؟ زندان بان نے کہا۔ کیوں نہیں وہ تو میرا رسولؐ ہے اور میں اس کا کلمہ گو ہوں۔ شہزادے نے پوچھا جعفر بن ابی طالب کو پہچانتا ہے؟ تو زندان بان نے جواب دیا کیوں نہیں جانتا ہوں کہ خدا نے جنت میں اس کو دو پَر عطا فرمائے ہیں کہ ملائکہ کے ہمراہ پرواز کرتا ہے۔ پھر شہزادے نے پوچھا۔ علی بن ابی طالب کو بھی جانتا ہے؟ تو زندان بان نے کہا کیوں نہیں جانتا وہ تو پیغمبرؐ کا چچازاد بھائی ہے۔ اس وقت شہزادہ بولا۔ اے شیخ ہم عترتِ رسولؐ ہیں اور مسلم بن عقیل کے لختِ جگر ہیں اب تیرے ہاتھ میں قیدی ہیں تو ہم پر سختی کو چھوڑ دے اور ہمیں آلِ رسولؐ سمجھ کر ہم پر احسان کر۔ زندان بان نے سُنا تو فوراً دونو شہزادوں کے قدموں پر گر گیا اور ان کو بوسہ دیا اور کہنے لگا تم پر میری جان قربان ہو لو یہ قید خانہ کا دروازہ کھلا ہے۔ جہاں چاہو تشریف لے جاؤ۔ رات کے وقت روٹیاں اور پانی ان کے حوالہ کیا اور راستہ پر لا کر ان کو کھڑا کیا اور عرض کی دیکھو زمانہ تمہارا دشمن ہے رات کو سفر کرنا اور دن کو کسی امن کی جگہ پر آرام کرنا شاید خدا تمہاری مصیبت کو دُور کرے پس وہ شہزادے رات کی

تاریکی میں جا رہے تھے کہ ایک بوڑھی عورت کے مکان میں جا پہنچے۔ بسبب تھکان کی وجہ سے وہاں تھوڑا آرام کرنے کے لئے بیٹھ گئے۔ اس عورت سے خواہش کی کہ ہم تھکے ماندے کہیں نہیں جا سکتے اگر ہم پر مہربانی کرسکو اور اس تاریک شب میں اپنے گھر رہنے کی اجازت دو تو ہم پر بڑا احسان ہوگا جب صبح ہوگی تو ہم چلے جائیں گے۔ عورت نے پوچھا تم کون ہو؟ کہ تم سے عطر کی خوشبو آتی ہے۔ شہزادوں نے جواب دیا ہم تیرے پیغمبر کی اولاد ہیں۔ ابن زیاد کی قید سے نکلے ہیں اُس عورت نے جواب دیا، میرا داماد نہایت فاسق و خبیث ہے۔ وہ واقعہ کربلا میں بھی موجود تھا مبادا وہ یہاں آ جائے اور تمہیں پکڑ لے۔ شہزادوں نے کہا ہو سکتا ہے کہ وہ نہ آئے۔ رات کا اندھیرا ہے صبح سویرے تو ہم بھی چلے جائیں گے پس اُس عورت نے رحم کھا کر شہزادوں کو جگہ دے دی اور کھانا حاضر کیا پس شہزادے کھانا کھا کر سو گئے۔

دوسری روایت کے ماتحت شہزادوں نے کہا ہم کو کھانے کی ضرورت نہیں ہمیں جائے نماز دے دو کہ نمازیں پڑھ کر رات بسر کریں، چنانچہ کچھ وقت تک نماز پڑھتے رہے پھر سو گئے۔ چھوٹے شہزادے نے بڑے سے کہا۔ آج مدت کے بعد بستر نصیب ہوا ہے آؤ ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈال کر ایک جگہ سو جائیں تاکہ آج رات تو آرام و خوشی سے نیند کرلیں پھر ممکن ہے موت ہم میں جدائی کر دے تو یہ ارمان پورا کرلیں۔ پس ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈال کر محوِ خواب ہوئے۔ قضا کا کرنا یہ تھا کہ رات کا کچھ حصہ گذرنے کے بعد اس عورت کا داماد ملعون آپہنچا۔

بروایت روضۃ الشہداء وہ اس عورت کا شوہر تھا جس کا نام حارث تھا۔ اس نے دق الباب کیا۔ عورت نے پوچھا، اتنی دیر تک کہاں گیا تھا، اُس نے جواب دیا جلدی دروازہ کھولو کہ میں بہت تھک کر آیا ہوں۔ کیونکہ مسلم بن عقیل کے دو فرزند ابن زیاد کے قید خانہ سے بھاگ گئے ہیں اور اُن کے گرفتار کرنے والے کے لئے حکومت کی جانب سے دو ہزار دینار انعام مقرر کیا گیا ہے۔ میں نے سارا دن رات کوفہ کے صحرا و جنگل میں چکر لگایا ہے کہ کہیں سُراغ مل جائے تاکہ انعام حاصل کروں، گھوڑا بھی تھک گیا ہے اور خود بھی خستہ حال سے بھوکا پیاسا واپس ناکام پلٹا ہوں، عورت نے کہا خدا سے ڈرو۔ اور ذریت رسُول کی ایذا رسانی سے بچو۔ ایسا نہ ہو کہ کل بروز محشر رسُولِ خدا تمہارا دشمن ہو۔ اُس نے کہا دو ہزار دینار ملیں گے تو عورت نے کہا دو ہزار دینار بجائے خود اگر ساری روئے زمین مل جائے تو کس کام کی؟ لیکن اس ملعون نے اس نیک بخت عورت کی کوئی پرواہ نہ کی۔ اور کہنے لگا شاید تجھے ان کی خبر ہوگی میں تجھ کو ابن زیاد کے پیش کروں گا۔ عورت نے کہا حیا کرو۔ خدا اور رسُول سے شرم کرو۔ میں ایک بوڑھی عورت ہوں میرے ساتھ ابن زیاد کا کیا مطلب ہے۔

حارث نے کہا کھانا حاضر کرو تاکہ کھا کر کچھ آرام کروں کیونکہ صبح کو پھر ان بچوں کی تلاش میں جانا ہے۔ پس عورت کھانا لائی اور وہ ملعون کھا کر سو گیا۔ اتنے میں محمد نیند سے بیدار ہوا، اور اپنے بھائی ابراہیم کو خواب سے بیدار کیا۔ بھائی جان اُٹھو کہ ہماری شہادت کا وقت قریب ہے۔ کیونکہ میں نے عالم خواب میں حضرت رسالت مآب، جناب علی مرتضیٰ جناب فاطمہ زہرا اور حسنین علیہم السلام کی زیارت کی ہے وہ جنت میں موجود تھے، ناگاہ جناب رسول خدا نے ہمیں دیکھا اور ہمارے بابا مسلم بن عقیل کو دیکھ کر فرمایا تیرا جگر کس قدر مضبوط ہے کہ اپنے دو نو شہزادوں کو دشمنوں میں چھوڑ کر آ گئے ہو؟ تو ہمارے بابا نے جواب دیا وہ ابھی میرے پیچھے آ رہے ہیں اور کل پہنچ جائیں گے۔ ابراہیم نے جواب دیا، خدا کی قسم بھائی جان بلا کم و کاست میں نے بھی خواب میں یہی دیکھا ہے۔ پس اُسی وقت ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈال کر سخت رونے لگے۔

حارث کی آنکھ کھلی سر اٹھایا اور عورت سے پوچھا، ہمارے گھر میں یہ رونے کی آواز کیسی ہے؟ عورت نے جواب دیا، ہمسایوں کے بچے ہوں گے ہمیں ان سے کیا مطلب ہے۔ حارث کو شک پیدا ہوا، فوراً چراغ طلب کیا۔ عورت نے چراغ لانے میں تاخیر کی اور ٹال مٹول کرتی رہی، وہ ملعون دیوار کو پکڑ کر اس رونے کی آواز کے پیچھے روانہ ہوا۔ اور اس حجرہ میں داخل ہوا، اچانک بچوں پر ہاتھ جا پڑا، پوچھا تم کون ہو؟ تو شہزادوں نے کہا تو کون ہے؟ حارث نے جواب دیا میں تو گھر کا مالک ہوں تم بتاؤ کہ کون ہو؟ اور یہاں تمہارا کیا کام ہے؟ بچوں نے سہمے ہوئے انداز میں جواب دیا، اے شیخ اگر ہم سچ بتا دیں تو ہم کو امان دے گا۔ حارث نے کہا ہاں! شہزادوں نے کہا ہم عترتِ رسولؐ ہیں اور مسلم کے لخت جگر ہیں۔ آج رات تیرے مہمان ہیں۔ اس سنگدل ملعون نے کہا، موت سے بھاگ کر موت کے پنجے میں خود آ گئے ہو، اور کہا الحمد للہ کہ تم مجھے مل گئے ہو۔ میں آج سارا دن شہر اور گرد و نواح میں تمہاری تلاش کے لئے مارا مارا پھرتا رہا ہوں حالانکہ تم تو میرے گھر میں موجود تھے۔ پھر اپنے ظالم ہاتھ سے شہزادوں کے سروں اور رخساروں پر تھپڑ مارنے شروع کئے۔ حتیٰ کہ مخزن البکاء میں بروایت منتخب منقول ہے کہ بڑے شہزادے کے دانت ٹوٹ گئے اور منہ سے خون جاری ہو گیا۔ پھر ان کے ہاتھ پاؤں مضبوط باندھ کر وہیں لٹا دیا۔ اور دروازہ کو بند کر دیا۔ عورت نے جب یہ دیکھا، نہایت رو رو کر ان کی سفارش کی اور خوشامد سے حارث کے ہاتھ پاؤں کئیں کو بوسہ دیا اور خدا اور رسولؐ سے خوف دلایا لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔

صبح سویرے سلاح جنگ درست کر کے دونو شہزادوں کو اپنے ہمراہ کیا اور دریا کی طرف لے چلا۔ عورت پیچھے سے دوڑ کر روتی اور دہائی دیتی رہی لیکن یہ ملعون ذرہ بھر پرواہ نہ کرتا تھا۔ آخر کار دریا کے کنارہ پر پہنچ کر اپنے غلام کو بلایا

اور بروایت ناسخ غلام کو تلوار دے کر شہزادوں کے سر قلم کرنے کا حکم دیا۔ غلام نے کہا مجھے حضرت محمد مصطفےٰ سے شرم آتی ہے۔ لہٰذا میں اس بارہ میں تمہاری اطاعت نہ کروں گا۔ آخر کار اس ملعون نے غلام کو قتل کر دیا۔ پھر اپنے بیٹے کو حکم دیا کہ شہزادوں کو قتل کرو۔ لڑکے نے جواب دیا کہ اولادِ پیغمبر کو میں قتل نہ کروں گا۔ عورت نے آگے بڑھ کر منت سماجت کی لیکن اس ملعون نے عورت کو تلوار ماری اور وہ زخمی ہو کر گر گئی۔ بیٹا آگے آیا تو فرطِ غضب سے اس کو تلوار ماری اور وہ بھی قتل ہو گیا۔ پھر بے ہوشانہ شہزادوں کی طرف بڑھا۔ بروایت شہزادوں نے حارث سے چند سوال کئے جو اس ملعون نے منظور نہ کئے۔

(۱) کہا ہم دونوں کو زندہ ابن زیاد کے پیش کرو جو حکم وہ کرے گا ہمیں منظور ہے۔ اس ملعون نے انکار کیا۔

(۲) فرمایا ہم تیری غلامی کا اقرار کرتے ہیں ہمیں اپنا غلام بنا کر بازار میں بیچ دو تمہیں فائدہ ہوگا لیکن اس نے انکار کر دیا۔

(۳) فرمایا۔ اور نہیں تو کم از کم رسولؐ کی قرابت داری کا پاس کرو۔ تو اس نے جواب دیا تم رسولؐ کے قریبی نہیں ہو۔

(۴) فرمایا ہماری کم سنی اور بچپنے پر رحم کرو۔ اس نے جواب دیا یہ نہیں ہو سکتا۔ میرے دل میں خدا نے رحم پیدا ہی نہیں کیا۔

(۵) فرمایا اگر خواہ مخواہ قتل ہی کرنا ہے تو ہمیں مہلت دو کہ چند رکعت نماز پڑھ لیں تو اس سنگدل ملعون نے جواب دیا کہ اگر نماز تم کو فائدہ دیتی ہے تو بے شک پڑھ لو۔ پس شہزادوں نے دو دو رکعت نماز ادا کی اور خدا سے التجا کی، ہمارے پروردگار اس ظالم اور ہمارے درمیان تو ہی فیصلہ فرما۔ بروایت ناسخ اس ملعون نے نماز کی بھی اجازت نہ دی۔ جب ایک شہزادے کی طرف ہاتھ اٹھاتا تھا۔ تو دوسرا شہزادہ آگے بڑھ کر کہتا تھا اس کو نہ مار اور پہلے مجھے مار۔

پہلے اس نے محمد کے سر پر تلوار ماری اور سرِ اقدس کو تن سے جدا کر دیا اور جسم کو پانی میں ڈال دیا۔ ابراہیم نے دوڑ کر بھائی کے کٹے ہوئے سر کو اٹھا لیا اور سینے سے لگا کر خوب رویا۔ اتنے میں اس ظالم نے ابراہیم سے محمد کا سر لے لیا اور ابراہیم کا سر قلم کر کے اس کے بدن کو بھی دریا میں ڈال دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب محمد شہید ہوا تو ابراہیم نے بڑھ کر بھائی کی لاش کے خون سے اپنے منہ کو خضاب کرنا شروع کیا اور کہنے لگا میں اسی حالت میں اپنے نانا رسولِ خدا کی خدمت میں پیش ہوں گا۔ اور پھر بھائی کی لاش سے لپٹ گیا۔ حارث نے ابراہیم کو بھائی کی لاش سے جدا کرنا چاہا لیکن شہزادے نے اپنے

بھائی کی لاش کو چھوڑا تو اس ملعون نے اسی حالت میں ابراہیم کا سر بھی تن سے جدا کیا۔ اور دونوں نازنین شہزادوں کے نورانی سر توبرہ میں ڈال کر دربار ابن زیاد میں حاضر ہوا اور سروں کو ابن زیاد ملعون کے پیش کیا۔

ابن زیاد نے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو جواب دیا کہ یہ تیرے دشمنوں کے سر ہیں کاٹ کر لایا ہوں۔ لہذا وعدہ کردہ انعام عطا کیجئے۔

ابن زیاد نے پوچھا کس دشمن کے سر ہیں۔ تو جواب دیا کہ مسلم بن عقیل کے بیٹوں کے سر ہیں۔ اگرچہ یہ ملعون بھی نہایت سنگدل تھا لیکن شہزادوں کے قتل کی خبر سن کر بے ساختہ تین دفعہ تخت سے اٹھا اور پھر بیٹھا۔ اور حکم دیا کہ سروں کو دھو کر پیش کیا جائے۔ پس سروں کو دھو کر دوبارہ طشت میں پیش کیا گیا۔ پھر شہزادوں کے چاند جیسے چہروں کو بہت دیر تک حسرت کی نگاہ سے دیکھتا رہا اور آخر حارث سے دریافت کیا کہ تو ان دو بے گناہ نازنین بچوں کے قتل کے بارے میں خدا سے نہ ڈرا؟ حالانکہ میں نے بچوں کے متعلق یزید کو خط لکھا ہوا ہے اور اس کے حکم کا انتظار ہے ممکن ہے وہ ہم سے یہ بچے زندہ طلب کرے پھر ہم کیا جواب دیں گے۔ لہذا تم ان کو زندہ کیوں نہ لائے۔ حارث نے جواب دیا۔ مجھے خوف تھا کہ شہر کے لوگ ان بچوں کو مجھ سے چھین لیں اور انعام سے محروم ہو جاؤں۔ ابن زیاد نے کہا یہ کیوں نہ کیا کہ ان کو اپنے ہاں قید کر لیتا اور مجھے اطلاع بھیج دیتا پھر میں خود انتظام کر سکتا تھا۔ اب حارث کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ خاموش ہو گیا۔ پھر ابن زیاد نے پوچھا کہ یہ بچے تم کو کہاں سے ملے ہیں۔ حارث نے کہا کہ یہ ہمارے اپنے گھر میں موجود تھے۔ میری عورت نے ان کو اپنے ہاں مہمان ٹھہرایا ہوا تھا۔ ابن زیاد نے کہا خدا تم پر لعنت کرے تو نے اپنے مہمان کے حق کی بھی رعایت نہ کی۔ حارث نے کہا کہ میں نے ان کے مہمان ہونے کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ ابن زیاد نے پوچھا کہ جب تو نے ان کے قتل کا ارادہ کیا تو ان معصوم بچوں نے تجھے کچھ کہا بھی تھا تو حارث نے دو بچوں کے سارے سوالات دُہرائے اور پھر کہا کہ جب دو رکعت نماز پڑھ چکے تو انہوں نے اللہ سے مناجات کی کہ خدایا تو ہمارے اور اس کے درمیان فیصلہ کرنا۔ ابن زیاد نے کہا بس اللہ کا فیصلہ ہو گیا۔ غلام کو حکم دیا جس کا نام مقاتل تھا اور بعض اس کا نام نادر لکھتے ہیں اور وہ محب آل محمد تھا جس کا ابن زیاد کو بھی علم تھا کہ حارث نے میرے حکم کے بغیر ان شہزادوں کو قتل کیا ہے لہذا اس ملعون کو لے جاؤ اور جس جگہ اس نے شہزادوں کو قتل کیا ہے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر وہاں قتل کر دو۔ اور ہر ممکن طور پر ذلت و خواری سے اس کو موت کا ذائقہ چکھاؤ۔ اور خیال رکھنا کہ اس کا ناپاک خون شہزادوں کے بے گناہ طاہر خون کے ساتھ نہ ملنے پائے اور اس ملعون کے ہتھیار وغیرہ بھی تجھے بطور انعام ملیں گے اور اس کے علاوہ دس ہزار درہم نقد انعام بھی ہو گا اور اس نیکی کے بدلہ میں تجھے آزاد بھی کر دوں گا۔ پس اس ملعون کو قتل کر کے اس کا

سر میرے پاس لانا اور اس کی لاش نجس کو دریا میں ڈال دینا۔

وہ موسن بہت خوش ہوا۔ اور کہتا تھا کہ اگر ابن زیاد پوری سلطنت مجھے دے دیتا تو مجھے اس قدر خوشی نہ ہوتی، جو اب ہوئی ہے پس حارث کے ہاتھ گردن سے باندھ لئے اور عمامہ و کلاہ اس کے سر سے پھینک دیا۔ اور کوفہ کے بازار سے اس کو گھسیٹ کر لے چلا اور راستہ میں اس کی سرگذشت اور کیفیتِ جرم کو لوگوں میں بیان کرتے ہوئے گیا لوگ سُن سُن کر روتے تھے اور حارث پر لعنت کرتے تھے۔ جب دریا کے کنارے پہنچے تو نوجوان اور غلام کو مقتول دیکھا اور عورت کو زخمی حالت میں خون میں لت پت دیکھا اور پھر ان کے حقیقتِ حال سے اطلاع پائی تو اس خبیث کی سنگدلی پر لوگوں کو اور زیادہ تعجب آیا۔ اُس وقت حارث نے مقاتل سے کہا مجھے چھوڑ دو تاکہ کہیں چھپ جاؤں تو اس کے بدلے میں دس ہزار روپے تم کو دوں گا۔ مقاتل نے جواب دیا اگر پوری رُوئے زمین تیری ہو۔ اور مجھے اس بدلہ میں بخش دے تب بھی تجھے نہ چھوڑوں گا اب تیرے قتل کے بدلے میں خدا سے بہشت لوں گا۔ جب مقاتل کی نظر فرزندانِ مسلم کی قتل گاہ پر پڑی اور بے گناہ بچوں کا تازہ خون دیکھا تو بے حد رویا۔ پس پہلے پہل حارث کے ہاتھوں کو جدا کیا پھر اُس کے پاؤں کاٹ لئے پھر اس کی آنکھیں نکال لیں پھر شکم نجس کو چاک کیا اور اس کے جو اعضا کاٹے تھے اس کے پیٹ میں رکھ دئے اور اُوپر پتھر باندھ کر نجس جسم کو دریا کے حوالہ کر دیا۔ لیکن پانی نے اس پلید جسم کو قبول نہ کیا۔ باہر پھینک دیا۔ حتیٰ کہ تین بار ایسا کیا جب دیکھا کہ اس کے نجس جسم کو پانی قبول نہیں کرتا پھر کنوئیں میں تین مرتبہ ڈالا لیکن لاش اُوپر نکل آئی اور زمین نے بھی اس نجس بدن کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تب اس کے خبیث جسم کو آگ لگا دی۔

مقاتل بچے کے فرزندوں کے سر بھی ساتھ لائے تھے جب ان کو دریا میں ڈالا گیا تو دو نو لاشیں پانی کی تہ سے اُٹھ کر سطح پر آگئیں اور اپنے اپنے سر کو قبول کر لیا پھر دو نو بھائیوں نے ہاتھ بڑھا کر ایک دوسرے کو گلے لگا لیا اور دو نو لاشیں پھر پانی کے نیچے چلی گئیں۔ اور بحار الانوار میں ہے کہ حارث ملعون کے سر کو نیزہ پر نصب کر کے نیزوں اور پتھروں کا نشانہ بنایا گیا۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

(۲۰) غلامِ حارث (۲۱) فرزند حارث (۲۲) زوجہ حارث

ان کا مفصل ذکر فرزندانِ مسلم کی شہادت کے بیان میں گذر چکا ہے۔

۲۳۔ مشکور زندان بان

جب مشکور نے شہزادوں کو زندان سے باہر بھیجا تو ابن زیاد نے مشکور کو بلوایا اور دریافت کیا کہ فرزندانِ مسلم

کہاں ہیں، ہشکور نے جواب دیا میں نے ان کو خوشنودیٔ خدا کی خاطر آزاد کر دیا ہے۔ ابن زیاد نے پوچھا تجھے میرا ڈر نہ تھا تو مشکور نے جواب دیا میرے لئے اللہ کا ڈر کافی ہے۔ اے ابن زیاد کل تو نے ان یتیم بچوں کے والد کو قتل کر دیا ہے اور اب ان معصوم بچوں کے در پے آزار ہے۔ ابن زیاد کو غصہ آیا اور کہا کہ میں ابھی تجھے قتل کرا دوں گا۔ تو مشکور نے جواب دیا جو سر رسول خدا کی خوشنودی کی خاطر کام نہ آئے مجھے ایسے سر کی ضرورت ہی نہیں۔ اس وقت ملعون نے حکم دیا کہ پانچسو تازیانے مار کر اس کی گردن جدا کی جائے۔ چنانچہ اس کو مقام سزا پر لے گئے اور تازیانے مارنے شروع کئے۔ جب پہلا تازیانہ لگا تو بسم اللہ پڑھی۔ دوسرا تازیانہ لگا تو عرض کی اے پروردگار مجھے صبر عطا فرما۔ تیسرا تازیانہ لگا تو کہا اے خدایا مجھے آلِ رسولؐ کی محبت میں قتل کیا جا رہا ہے۔ چوتھا تازیانہ لگا اور پھر پانچواں لگا تو عرض کی اے پروردگار مجھے محمدؐ و آلِ محمدؐ کی ہمراہی میں جگہ عنایت فرما۔ پھر خاموش ہو گیا یہاں تک کہ پانچسو کی تعداد پوری ہو گئی۔ آخر میں پانی مانگا تو ابن زیاد نے حکم دیا کہ اس کو پیاسا ہی قتل کرو۔ پس عمرو بن حریث نے سفارش کی کہ اب اس کو بخش دو پھر اپنے گھر لایا اور پانی دیا تو مشکور نے پانی کو دیکھ کر کہا اب مجھے پانی کی ضرورت نہیں بلکہ حوضِ کوثر سے سیراب ہو چکا ہوں پھر جان جانِ آفریں کے حوالہ کر دی۔

۲۴۔ سلیمان بن صرد خزاعی صحابی رسولؐ ۔ یہ لوگ توابین کے نام سے مشہور ہیں عابد زاہد تھے۔

۲۵۔ مسیب بن نخبہ فزاری

۲۶۔ عبداللہ بن سعد بن نفیل ازدی

۲۷۔ عبداللہ بن وال تمیمی

۲۸۔ رفاعہ بن شداد بجلی

بلکہ تقوے میں اپنی نظیر آپ تھے۔ پہلے چاروں بزرگوار عین الوردہ کی جنگ میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ اور رفاعہ بن شداد وہاں شہید نہ ہوا۔

سلیمان بن صرد خزاعی جس کو صحبتِ رسولِ خدا کا شرف حاصل تھا اور حضورؐ کی وفات کے بعد اس نے کوفہ میں رہائش اختیار کی تھی اور جنگِ جمل و صفین میں حضرت امیر علیہ السلام کے ہمراہ رہا اور باقی بزرگوار بھی کوفہ کے مشاہیر شیعیان علی میں سے تھے۔ یہ سب کوفہ پر ابن زیاد کے تسلط اور اس کی سخت ناکہ بندی کے سبب سے کربلا میں شہادت کا شرف نہ حاصل کر سکے اور اسی طرح ہزاروں فدایانِ حسینؑ حسرتیں لے کر کوفہ میں رہ گئے تھے۔ ہر گلی پر پہرہ، ہر محلہ پر پہرہ اور پورے شہر کے گرد پہرہ تھا تاکہ کوئی نصرتِ امام کے لئے نہ جانے پائے چنانچہ جو جو لوگ نصرتِ امام کے لئے پہنچے ہیں وہ مختلف بہانے تراش کر کوفہ سے نکلے تھے اور جن کو کوئی اور بہانہ دستیاب نہ ہو سکا تھا وہ ابن سعد کی فوج میں بھرتی ہو کر چلے گئے اور وہاں پہنچ کر امام حسینؑ کے

ہمرکاب ہو گئے تھے جیسا کہ بہت سے اصحاب امام حسینؑ کے انفرادی حالات میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

پس واقعہ کربلا کے بعد یہ لوگ چین سے نہیں بیٹھے بلکہ تجویزیں سوچتے رہے اور ۶۴ھ کو انہوں نے یہ تجویز بالکل پاس کر دی کہ اب ضرور جہاد کریں گے، چنانچہ ربیع الاول ۶۵ھ ہجری کو سلیمان بن صرد خزاعی کے گھر ان کی آخری مشاورتی مجلس ہوئی اور طے شدہ پروگرام کے تحت پانچہزار جانباز کوفہ سے چل کھڑے ہوئے۔ مختار بھی اسی دوران میں کوفہ میں وارد ہوا لیکن وہ ان لوگوں کے اس خروج کو بے محل سمجھتا تھا لہٰذا وہ اس خروج میں شریک نہ ہوا۔ اور نہ کسی دوسرے کو اس تحریک میں شامل ہونے کا مشورہ دیا بلکہ وہ موقع و محل کی مناسبت کی تلاش میں رہا۔ اس طرف ابن زیاد تیس ہزار فوج کے ہمراہ نکلا اس کے مقدمۃ لشکر پر حصین بن نمیر ملعون تھا۔ عین الوردہ پر دونو فوجوں میں سخت لڑائی ہوئی۔ پس سلیمان اور اس کی اکثر فوج ماری گئی اور جو بچے واپس کوفہ میں آکر مختار کی جماعت میں شامل ہو گئے۔

نور المشرقین میں ہے کہ پہلی مڈبھیڑ میں مسیب بن نجبہ نے حصین بن نمیر کی فوج کو شکست دی اور مال غنیمت بھی قبضہ میں کر لیا لیکن وہ پھر ایک لشکر جرار کے ساتھ جس کی تعداد ۱۲ ہزار تھی دوبارہ حملہ آور ہوا تو علم فوج سلمان بن صرد کے ہاتھ میں تھا۔ پس جمادی الاول ۶۵ھ مطابق ۱۳ دسمبر ۶۸۴ء گھمسان کی لڑائی سارا دن رہی، دوسرے دن شامی فوج ۸ ہزار اور پہنچ گئی اور لڑائی سارا دن رہی پھر تیسرے دن ۱۰ ہزار فوج شامی اور آگئی اور یہ جمعہ کا دن تھا۔ پس سلیمان شہید ہو گیا پھر علم مسیب نے اٹھا لیا جب وہ شہید ہوا تو علم عبداللہ بن سعد بن نفیل نے اٹھایا اور وہ بھی شہید ہوا۔ عبداللہ بن وال بھی مارا گیا تو علم رفاعہ بن شداد نے اٹھایا اور خوب لڑے۔ دن ختم ہو گیا اب فوج کی تعداد ان کے پاس بہت کم رہ گئی تھی لہٰذا راتوں رات واپس کوفہ کا رخ کیا اور یہ یاد رہے جنگ چھڑنے سے پہلے سلیمان نے یہ انتظام کیا تھا کہ اگر میں مارا جاؤں تو علم دار مسیب بن نجبہ ہو گا۔ اگر وہ مارا جائے تو عبداللہ بن سعد اگر وہ مارا جائے تو عبداللہ بن وال اور اگر وہ بھی مارا جائے تو رفاعہ بن شداد علمبردار ہو گا۔ یہ جنگ عین الوردہ کے نام سے مشہور ہے جو ۲۶ جمادی الاولیٰ سے شروع ہو کر آخر ماہ تک جاری رہی۔

۲۹۔ زوجہ مختار عمرہ بنت نعمان بن بشیر انصاری

مروج الذہب مسعودی ج ۲ ص ۱۳۲ پر ہے کہ جب مختار شہید ہوا تو مصعب بن زبیر نے مختار کے سات ہزار ہمراہیوں کو تہ تیغ کیا جو قلعہ میں موجود تھے اور انتقام خون حسینؑ کے جذبہ کے ماتحت مختار کے شریک کار تھے

اس کے بعد چن چن کر شیعوں کو قتل کیا گیا جن کو اس وقت کی اصطلاح کے مطابق حسینی کہا جاتا تھا۔

اسی گیرودار میں مختار کی دو بیویوں کو گرفتار کر کے پیش کیا گیا (۱) ام ثابت بنت سمرہ بن جندب فزاری۔ (۲) عمرہ بنت نعمان بن بشیر انصاری۔ ان دونوں کو مختار سے بیزاری کی دعوت دی گئی تو ان دونوں نے نڈر ہو کر جواب دیا کہ ہم ایسے شخص سے بیزار ہونے کے لئے تیار نہیں جو توحید پروردگار کا قائل، روزہ دار و شب بیدار تھا جس نے فرزند رسول کے بے گناہ خون کا انتقام لیا اور اس کے اہل بیت اور شیعوں کے بے دردانہ قتل کا بدلہ لیا اور اس جہاد میں خوشنودی خدا و رسول کی خاطر اپنے خون کا آخری قطرہ تک قربان کر دیا اور خداوند کریم نے اس کے جہاد کی بدولت اہل بیت اور شیعانِ آلِ محمدؐ کے دلوں کو تسکین بخشی ہے۔

مصعب بن زبیر نے ان دو عورتوں کے بیانات قلم بند کر کے عبداللہ بن زبیر کو بھیجے اور ان کے بارے میں اس سے حکم ثانی کی خواہش کی تو عبداللہ بن زبیر نے جواب میں لکھا کہ اگر وہ دونوں عورتیں اپنے عقیدہ سے باز آجائیں اور مختار سے بیزاری ظاہر کر لیں تو ان کو رہا کر دیا جائے ورنہ ان کو قتل کیا جائے پس مصعب نے دوبارہ ان دونوں عورتوں کو دربار میں بلوایا اور قتل کی دھمکی دے کر مختار سے بیزاری کا مطالبہ کیا۔ اس دفعہ ام ثابت بنت سمرہ بن جندب فزاری نے یہ کہہ کر بیزاری کا اظہار کیا کہ اگر تلوار دکھا کر تو مجھے کفر کی دعوت بھی دے تو میں کہنے کو تیار ہوں کہ وہ کافر تھا۔ لیکن اس دفعہ بھی نعمان بن بشیر انصاری کی شیر دل لڑکی نے کمال جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے صاف انکار کر دیا اور کہنے لگی کیا ہوا اگر موت آگئی۔ آخر مرنا تو ہے ہی، پس اس کے بعد جنت ملے گی اور محمدؐ و آلِ محمدؐ کی مہمان ہو جاؤں گی۔ خدا کی قسم یہ ہرگز نہ ہو گا کہ میں ہند کی اولاد کی اطاعت کر کے علی بن ابی طالبؑ کی ولا سے دست کش ہو جاؤں۔

اے اللہ میں گواہی دیتی ہوں کہ میں تیرے نبی کی فرمانبردار ہوں اور اس کے نواسے اور اس کی اہل بیتؑ اور انصار کی تابعدار ہوں۔ پس اس مظلومہ کو شہید کر ڈالا گیا۔

۳۰۔ محسن بن الحسین

اسیران اہل بیت کا قافلہ جب کوفہ سے شام جاتے ہوئے حلب کے قریب سے گذرا تو یہ بچہ ساقط ہوا اور وہاں ہی اس کی قبر ہے۔ معجم البلدان میں ہے کہ حلب کے مغرب میں ایک پہاڑ ہے جس کو جوشن کہتے ہیں وہاں مس سرخ کی کان تھی اور لوگ وہاں سے مس نکال کر فروخت کرتے تھے اور اس وجہ سے وہ بہت مالدار تھے جب اسیران اہلبیتؑ کا قافلہ وہاں سے گذرا تو امام حسین علیہ السلام کے حرموں میں سے ایک بی بی کا حمل ساقط ہوا اور کان کے کارندوں سے

کچھ حاجت طلب کی لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور بکواس کرنے لگ گئے چنانچہ بی بی نے ان کو بددعا کی اور وہ کان ختم ہو گئی پس لوگ اس منفعت سے محروم ہو گئے۔

وہاں ایک زیارت گاہ ہے جس کو مشہد السقط کہتے ہیں اور اس بچہ کا نام محسن بن حسین تھا۔

کہتے ہیں بادشاہ حلب سیف الدولہ اپنے بالاخانہ میں ادھر اُدھر کی چیزوں کا نظارہ کر رہا تھا کہ اس نے جوشن پہاڑ سے ایک نور ساطع دیکھا صبح کو وہاں پہنچ کر اس جگہ کے کھودنے کا حکم دیا نیچے سے ایک پتھر نکلا جس پر لکھا تھا ھذا محسن بن الحسین بن علی بن ابی طالبؑ۔ پس اس نے سادات کو جمع کر کے صورتِ حال بیان کی تو انہوں نے بیان کیا کہ یزید کے عہدِ سلطنت میں آلِ محمدؐ کے قیدیوں کا یہاں سے گذر ہوا تھا اور امام حسینؑ کے ایک حرم کا یہاں بچہ ساقط ہوا تھا تو سیف الدولہ نے کہا معلوم ہوتا ہے مجھے خدا نے اس معصوم بچے کا مقبرہ بنانے کا اذن دیا ہے۔ پس اس نے وہاں روضہ تعمیر کرایا۔

۳۱-۳۲ - دو خورد سال بچے

ذاکرین و واعظین کی زبان پر اس روایت کو شہرت حاصل ہے اگرچہ میں نے کسی معتبر مدرک میں اس کو نہیں دیکھا کہ شب یازدہم جناب زینب علیا و جناب ام کلثوم نے جب بچوں کو اِدھر اُدھر سے تلاش کر کے جمع کیا تو ایک نشیب میں دو بچوں کو موت کی نیند میں سویا ہوا پایا۔ پس دونوں لاشوں کو اٹھا کر لائیں۔ اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ تیر و نیزہ و پتھر و خنجر کے زخموں کی بجائے ان کے جسم پر گھوڑوں کے سموں کے نشان پائے گئے۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ۔

چوتھا باب

حالاتِ مختار

مختار ابن ابی عبیدہ ثقفی

مختار سنہ ۱ھ میں طائف میں پیدا ہوا اور سنہ ۶۷ھ میں مصعب بن زبیر کے ہاتھوں کوفہ میں شہید ہوا۔ اس کی کنیت ابو اسحق اور لقب کیسان تھا۔ اس کا باپ ابو عبیدہ عمر بن خطاب کے زمانہ میں ایرانیوں کی جنگ میں مارا گیا تھا اور اس کی والدہ کا نام دومہ بنت وہب تھا۔

مختار کا خاندان ثقیف عرب کے مشہور خاندانوں میں سے تھا اور یہ خاندان طائف میں آباد تھا جو مکہ سے ۵۰ میل جنوب مشرق میں واقع ہے اور اس کا محل وقوع ۵ ہزار قدم سطح سمندر سے بلند ہے اس کی آب و ہوا خوشگوار اور پاکیزہ ہے، اور یہاں میوے بکثرت ہوتے ہیں۔ سنہ ۹ھ کو یہ شہر مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ مختار کا دادا مسعود بن عمرو ثقفی طائف میں سب سے بڑا سرمایہ دار تھا۔ جب حضرت رسالت مآب نے مشرکین کو اسلام کی دعوت دی اور قرآن سنایا تو مشرکین نے جواب دیا تھا کہ اگر محمد کا فرمان درست ہے تو یہ قرآن ان دونوں شہروں (مکہ و طائف) کے کسی بڑے مالدار پر کیوں نہ نازل ہوا، مکہ میں بڑا سرمایہ دار اور متمول ولید بن مغیرہ تھا۔

مختار کا باپ ابو عبیدہ سنہ ۱۳ھ زمانِ خلافتِ عمر میں مارا گیا اسی جنگ میں مختار کے بھائی حکم و جبیر اپنے باپ کے قتل کے بعد قتل ہو گئے تھے۔ مختار کا چچا سعد بن مسعود ثقفی مدائن میں حضرت امیر علیہ السلام کی طرف سے والی رہا اور آپ کی شہادت کے بعد امام حسن کی جانب سے بھی مدائن کا والی یہی تھا۔ جب امام حسن کو جراح بن سنان ملعون نے زخمی کیا تو یہی سعد فرائض تیمارداری ادا کرتا رہا اور غالباً یہ سعد جنگ صفین و جمل میں حضرت امیر علیہ السلام کے ہمرکاب تھا اور بسا اوقات جب سعد کہیں دورے پر جایا کرتا تھا تو مختار کو اپنا قائم مقام چھوڑ کر جاتا تھا۔

مختار کی والدہ قبیلۂ ثقیف کی محترمہ خاتون تھی جس کا نام دومہ تھا ابو عبیدہ نے عالم خواب میں

آواز سنی تھی کہ تَزَوَّجْ دَوْمَۃَ فَمَا تَسْمَعُ فِیْھَا لِلْاَثِیْمِ لَوْمَۃً۔ چنانچہ ابوعبیدہ نے اس سے نکاح کر لیا اس کے شکم سے پانچ لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ دو لڑکے جبر و حکم جنگ ایران میں ۱۳ھ میں مارے گئے اور دو لڑکے اسید و ابوامیہ تھے جن کے حالات میں تاریخ خاموش ہے۔ باقی صرف ایک لڑکا مختار تھا جو سب میں سے زیادہ نامور ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کی والدہ اس سے حاملہ ہوئی تو عالم خواب میں اس کو بشارت دی گئی اَبْشِرِیْ بِالْاَسَدِ۔ یعنی تجھے شیر فرزند کی خوش خبری ہو۔ اور لڑکی صفیہ تھی جو عبداللہ بن عمر کی زوجہ تھی اور اس نے جناب رسالتمآبؐ کی صحبت کا شرف بھی حاصل کیا تھا۔ ان دونو بھائی بہنوں میں حد سے زیادہ محبت تھی۔ مختار کی قید کی خبر سن کر اس نے اپنے شوہر عبداللہ بن عمر کو مختار کی رہائی کے لئے یزید کی طرف سفارش نامہ لکھنے پر مجبور کیا تھا۔ مختار جب قید سے رہا ہو کر اپنی بہن صفیہ کو ملنے گیا تو وہ پیشانی کا زخم دیکھ کر بے ہوش ہو گئی اور اسی صدمہ سے جاں بحق ہو گئی۔ اور یہ زخم اس تازیانہ کا تھا جو ابن زیاد ملعون نے مختار کو مارا تھا۔

مختار کی تین بیویاں تھیں (۱) ام زید بنت سعد بن عمرو۔ (۲) ام ثابت بنت سمرہ بن جندب (۳) عمرہ بنت نعمان بن بشیر انصاری۔ مختار کی تیسری زوجہ عمرہ نہایت بامروت و باحیا و باوفا خاتون تھی اور ولائے امیر علیہ السلام میں نہایت مستحکم تھی اور مصعب بن زبیر کے ہاتھوں شہید ہوئی۔ جب عمرہ کو سزائے موت سنائی گئی تو نہایت حوصلہ و استقلال سے کہنے لگی اس شہادت کے بعد مجھے جنت ملے گی اور جناب رسولؐ خدا اور اس کی اہل بیتؑ اطہار کا ساتھ نصیب ہوگا اور یہ قطعاً نہیں ہو سکتا کہ علیؑ جیسے امام کو چھوڑ کر ابن ہند کی اتباع کروں۔ اے اللہ تو گواہ رہ کہ میں تیرے نبیؐ اور عترت نبیؐ کی تابعدار ہوں۔ پس اس کے بعد مصعب نے اس کو شہید کرا دیا۔ مختار کا ایک لڑکا حکم نامی امام محمد باقر علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھا۔

زمانہ بچپن میں مختار کا باپ مختار کو اٹھا کر مدینہ میں گیا اور خدمت امیرؑ میں حاضر ہوا۔ حضرت امیرؑ نے اس کو اپنی گود میں بٹھایا اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا یَا کَیِّسُ یَا کَیِّسُ۔ یعنی اے دانا، اے دانا۔ اسی وجہ سے اس کا لقب کیسان مشہور ہوگیا۔

مختار ۱۳ برس تک طائف کی آزاد پاک و پاکیزہ آب و ہوا میں تربیت پاتا رہا فن شہسواری تیر اندازی اور کشتی بازی میں اپنے ہم عمر طبقہ سے بہت بڑھ گیا تھا اور علاوہ ازیں دانائی ہوشمندی اور فصاحت و بلاغت میں طرۂ امتیاز رکھتا تھا۔ باپ کے قتل ہونے کے بعد اس نے اپنی رہائش مدینہ میں رکھ لی اور صحابہ رسولؐ سے فیوضات علمیہ تفسیر و حدیث و فقہ حاصل کرتا رہا۔ خصوصاً جناب امیر علیہ السلام سے اس کو شرف تلمذ حاصل تھا

خلافت ثانیہ و ثالثہ کے دور میں اس نے اہل بیت کی مظلومیت کا خوب جائزہ لیا اور عثمان کے قتل کے بعد اس نے حضرت علی کی بیعت کی اور کوفہ میں جا آباد ہوا اور جب معاویہ کی طرف سے مغیرہ بن شعبہ کوفہ کا گورنر ہوا تو مختار واپس مدینہ میں گیا اور محمد بن حنفیہ کی خدمت میں رہا پھر معاویہ کی حکومت کے آخری دنوں میں دوبارہ کوفہ میں آیا اس کا گھر جامع مسجد کوفہ کے بالکل قریب تھا اور کوفہ کے باہر اس کا ایک باغ بھی تھا جس سے اس کی بسر اوقات ہوتی تھی۔

ابن نما سے اخذ الثار میں منقول ہے کہ مختار نے ایک دن معبد بن خالد سے ملاقات کی اور کہا میں نے کتب سابقہ میں سے ایک پیشین گوئی سنی ہے کہ قبیلہ ثقیف سے ایک شخص خروج کرے گا جو جباروں کو قتل اور مظلوموں کی نصرت کرے گا اور کمزور لوگوں کو اپنے حقوق دلوائے گا۔ اور اس شخص کے جس قدر اوصاف بیان کئے گئے ہیں وہ سب مجھ میں موجود ہیں سوائے دو باتوں کے ایک یہ کہ کہتے ہیں اس کی ایک آنکھ ناقص ہوگی حالانکہ میری آنکھیں درست ہیں۔ دوسری یہ کہ کہتے ہیں وہ جوان ہوگا حالانکہ میں ۶۰ برس کی عمر میں ہوں تو معبد نے سن کر جواب دیا کہ لوگ پہلے زمانہ میں ۶۰ سال کی عمر کے آدمی کو بھی جوان سے تعبیر کر دیا کرتے تھے۔ اور آنکھیں ابھی تو ٹھیک ہیں لیکن کیا معلوم حوادثاتِ زمانہ کے دور سے ان کا انجام کیا ہوگا۔

مختار کا قید ہونا

معاویہ کی موت کے بعد جب کوفیوں نے امام حسینؑ کو دعوت نامے لکھے اور امام پاک نے حضرت مسلم کو اپنا نائب بنا کر بھیجا تو مسلم نے کوفہ پہنچتے ہی مختار کے گھر میں نزولِ اجلال فرمایا۔ حضرت مسلم کا پہلے پہل مختار کے گھر میں وارد ہونا مختار کی عظمت و جلالت کا غماز ہے اگر حضرت مسلم کی نظرِ انتخاب میں حیثیت کے پرچار کے لئے کوئی دوسرا شخص زیادہ موزوں نظر آتا تو حضرت مسلم اس کو ترجیح دیتے اور ممکن ہے امام حسینؑ نے حضرت مسلم کو عہدۂ نیابت تفویض کرتے وقت اپنے خواص کے نام بتا دئے ہوں اور کوفہ میں رہنے کا پروگرام بھی تشکیل دے دیا ہو۔ اور مختار کے گھر میں قیام کرنا بھی عین ممکن ہے بلکہ قرین قیاس ہے کہ امام پاک کی فرمائش سے ہو اور ان واقعات سے مختار کی اہل بیت عصمت اور دودمان نبوت کے نزدیک قدر و منزلت کا پتہ چلتا ہے۔

بہر کیف مختار لوگوں کو مسلم کی بیعت پر آمادہ کرتا رہا اور اس تحریک میں پیش پیش رہا یہاں تک کہ ۱۸ ہزار افراد داخل بیعت ہو گئے۔ اور نعمان بن بشیر کے کوفہ سے نکال دینے کے منصوبے بنائے جا رہے تھے کہ ابن زیاد پہنچ گیا اور معاملہ دیسے کا ویسا رہ گیا۔ حضرت مسلم مختار کے گھر سے خفیہ طور پر ہانی کے گھر چلے گئے تاکہ ابن زیاد کو ان کے مقامِ رہائش کی اطلاع نہ ہو سکے۔ مختار کے دل میں یہ خیال تک نہ گزرتا تھا کہ لوگ مسلم کی بیعت سے انحراف کر کے ابن زیاد کے ساتھ مل

جائیں گے۔ چنانچہ وہ اسی دوران میں کوفے سے باہر اپنی مملوکہ بستی میں چلا گیا جہاں اس کا ایک عمدہ باغ بھی تھا اور اس کو لقفا کہتے تھے۔ پس اچانک اسے خبر پہنچی کہ لوگوں نے ابن زیاد کے خوف سے حضرت مسلم کی بیعت توڑ دی ہے تو اس نے ایک سبز جھنڈا عبداللہ بن حارث کے حوالہ کیا اور اپنے قبیلہ کے چند نوجوانوں کو ساتھ لے کر نہایت تیزی سے مسجد کوفہ کے باب الفیل تک پہنچا اور مختار کی حیرت کی حد نہ رہی جب دیکھا کہ ابن زیاد کی فوجوں نے کوفہ کو گھیر رکھا ہے۔ اور لوگ جوق در جوق ابن زیاد کی امان میں داخل ہو رہے ہیں اور اس تھوڑی سی جماعت کے ساتھ اتنی بڑی فوج کا مقابلہ کرنا نہایت مشکل ہے تو بعض ساتھیوں کے مشورہ سے اور عمرو بن حریث کی یقین دہانی سے کہ تجھے قتل نہ ہونے دوں گا نہایت بادلِ ناخواستہ اور کبیدہ خاطر ہو کر وقتی مصلحت کے ماتحت انجام کار دیکھنے اور صحیح پروگرام سوچنے کے لئے امان کے جھنڈے کے نیچے داخل ہو گیا جو عمرو بن حریث کے ہاتھ میں تھا اور خفیہ لوگوں نے مختار کی آمد کی کیفیت کی اطلاع ابن زیاد تک پہنچا دی تھی۔ اس نے مختار کو طلب کر لیا اور نہایت غصے سے کہنے لگا۔ (اَنْتَ الْمُقْبِلُ فِي الْجُمُوْعِ لِتَنْصُرَ ابْنَ عَقِيْلٍ وَتَتَوَلّٰى اٰبَائَهٗ وَاَوْلَادَهٗ) کیا تو وہی شخص ہے جو ایک جماعت کو لے کر ابن عقیل کی نصرت کے لئے آیا ہے اور علی اور اس کی اولاد سے محبت رکھتا ہے؟ مختار نے جواب دیا بے شک مجھے علی اور اس کی اولاد سے اس لئے محبت ہے کہ خدا اور رسول کو ان سے محبت ہے اور میں نے حضرت مسلم کی مدد نہیں کی بلکہ اپنی بستی سے روانہ ہو کر اپنے گھر جا رہا تھا اور عمرو بن حریث نے بھی مختار کے حق میں اسی قسم کی شہادت دی۔ ابن زیاد کو یقین نہ ہوا اور غصہ سے اس نے ایک تازیانہ مختار کے سر پر مارا جو آنکھ پر پڑا اور آنکھ سے خون جاری ہو گیا اور وہی آنکھ بھی معیوب ہو گئی، پھر اسی وقت مختار کو قید کرنے کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ تاموره کے بدترین قید خانہ میں اسے بھیجا گیا۔ اور اسی دوران میں میثم تمار کو بھی قید کیا گیا تھا۔ میثم نے قید خانہ میں مختار کو پیشین گوئی کی کہ تو عنقریب رہا ہو گا اور خروج کر کے ابن زیاد کو قتل کرے گا۔ چنانچہ مختار کا دل اور زیادہ مضبوط ہوا اور اسے یقین ہوا کہ میثم کا یہ علم حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے ماخوذ ہے۔

مختار کی رہائی

ناسخ التواریخ سے منقول ہے کہ کوفہ میں حضرت علی کے شیعوں میں سے ایک شخص عمیر بن عامر معلم کوفی تھا جو بچوں کو پڑھاتا تھا اور یہی اس کا ذریعہ معاش تھا۔ ایک دن ایک عرب بدوی اس کے گھر آیا۔ ایک پانی کا کوزہ بھرا ہوا دیکھا چونکہ وہ پیاسا تھا اس نے پانی پیا اور امام مظلوم کی تشنہ لبی کو یاد کر کے قاتلوں پر لعنت بھیجی۔ بچوں میں سنان بن انس ملعون کا لڑکا موجود تھا اس سے برداشت نہ ہو سکا اٹھ کر اس نے بدوی عرب کے منہ پر زور سے تھپڑ مارا اور کہا کہ تو نہیں جانتا

کہ امام حسینؑ کا قاتل تو میرا باپ تھا میں ابھی ابن زیاد کو اطلاع دوں گا اور وہ تیرے جسم کا بند بند جدا کرے گا۔ عمیر معلم نے سمجھا کہ اب یہ بات بہت بڑھے گی اور معاملہ خراب ہوگا لہٰذا کسی مناسب تدبیر سے اس فتنہ کو یہیں پر روک دینا چاہیئے چنانچہ بات کو رفع دفع کرنے کے لئے آگے بڑھا اور پیار و محبت کر کے لڑکے کو گود میں لیا۔ اس کے سر اور منہ کو بوسہ دیا۔ غرضیکہ اس کی بہت دل جوئی کی تاکہ یہ راز پردہ میں رہ جائے وہ بچہ ملعون بن ملعون وقتی طور پر خاموش ہوگیا لیکن جب چھٹی ہوئی تو گھر جاتے ہوئے ایک دیوار کے ساتھ ٹکر مار کر سر کو زخمی کر دیا اور جسم کو خون آلود کر کے گھر پہنچا۔ ماں نے سبب دریافت کیا اور اُس نے بیان کیا کہ آج عمیر معلم نے ابن زیاد اور میرے باپ کو گالیاں دی ہیں جب میں نے روکا تو اس نے مجھے اتنا سخت مارا ہے کہ میں لہولہان ہوگیا ہوں۔ سنان بن انس کو جب معلوم ہوا تو اس نے ابن زیاد کے سامنے سارا قصہ جوں کا توں بیان کر دیا۔ ابن زیاد نے غصہ میں آکر عمیر کو طلب کر کے تازیانے مروائے اور پھر زندان تاموره میں قید کر کے بھیج دیا۔ وہاں پہنچ کر عمیر نے زندان کے آخری گوشے سے گریہ کی آواز سُنی۔ جب آواز کے پیچھے گیا تو مختار کو دیکھا۔ ایک دوسرے کو دیکھ کر فوراً پہچان گئے۔ عمیر نے اپنا ماجرا مختار کو سُنایا۔ مختار نے کہا خوف نہ کرو تم عنقریب رہا ہو جاؤ گے۔ البتہ رہائی کے بعد میرے اُوپر احسان کرنا اور وہ یہ کہ ایک کاغذ اور قلم دوات مجھے پہنچانا کہ میں اپنے بہنوئی عبداللہ بن عمر کو ایک خط لکھوں گا شاید وہ مجھے قید سے چھڑانے کی کوئی تدبیر کرے۔ عمیر نے ایسا کرنے کا وعدہ کیا کہ چاہے میرا سر بھی کام آجائے میں ضرور یہ کام کروں گا۔

اس طرف عمیر کی بھانجی ابن زیاد کی زوجہ حسینہ کی دایہ تھی اس کو اطلاع پہنچی تو اُس نے حسینہ کے بچے کو اٹھایا اور ابن زیاد کے گھر میں جا کر حسینہ سے کہنے لگی کہ تم لوگوں نے بچہ پروری اور ہماری باقی تمام خدمات کا ہمیں خوب صلہ دیا ہے کہ جھوٹی عورت کے بچے کی رپورٹ پر میرے ماموں کو تازیانوں سے مارا گیا اور پھر قید بھی کیا گیا۔ بس آئندہ میں تمہارے بچے کو دودھ نہ پلاؤں گی۔ حسینہ یہ سن کر تڑپ اٹھی اور وعدہ کیا کہ آج شام تک تیرے ماموں کو رہا کرا کے دم لوں گی۔ چنانچہ ابن زیاد کا گھر آنا تھا کہ حسینہ بگڑ گئی اور ابن زیاد کو بہت کچھ صلواتیں سنائیں اس نے اس کے بگڑنے کی وجہ پوچھی تو حسینہ نے سارا ماجرا سنایا اور کہا کہ فوراً عمیر کو رہا کر دیا جائے اور اس سے معافی بھی مانگی جائے، نیز خلعت فاخرہ بطور انعام بھی اس کو عطا کی جائے چونکہ ابن زیاد حسینہ سے بے حد محبت کرتا تھا اپنی انگلی آنکھ پر رکھ کر کہا کہ تمہاری سفارش قبول ہے اور فوراً اس کی تعمیل میں احکام جاری کر دیئے۔ اور عمیر رہا ہو کر گھر آپہنچا۔ چونکہ عمیر کو مختار کے ساتھ کیا ہوا وعدہ یاد تھا فوراً کھانا پکایا اور ابن زیاد کا عطا کردہ انعام اور کھانا اٹھا کر زندان بان کے گھر لایا۔ اتفاق سے وہ گھر پر موجود نہ تھا تو اس نے یہ سب ہدیہ زندان بان کی عورت کے حوالے کر دیا اور کہا کہ جب وہ

آنے تو اس کو پہنچا دینا۔ جب زندان بان گھر گیا اور ہدیہ پر نظر کی تو کہنے لگا کہ ضرور عمیر کا ہمارے پاس کوئی مطلب ہوگا۔ دوسرے دن پھر عمیر کھانا اور دیگر عمدہ چیزیں تحفہ کے طور پر زندان بان کے پاس لایا اس وقت زندان بان ڈیوڑھی پر کھڑا تھا۔ اُس نے عمیر سے اپنا مطلب دریافت کیا تو عمیر نے کہا اور کوئی مطلب نہیں ہے میری منت تھی کہ جب قید سے نجات ملے گی تو زندان بان کی خدمت کروں گا۔

زندان بان نے کہا مجھے اپنے مولا حسین کے حق امامت کی قسم تیرا راز فاش نہ کروں گا اور تیرا کام پورا کروں گا مجھے اپنا اصلی مطلب بتاؤ۔ عمیر نے جب حسین کا نام سُنا تو سخت رویا اور زندان بان بھی رویا، پھر عمیر نے کہا کہ سامان کتابت مختار تک پہنچانا ہے اور صرف یہی کام ہے۔ زندان بان نے کہا یہ معمولی سی بات ہے کل کھانا تیار کر لینا اور سامان کتابت (کاغذ قلم دوات) اس میں چھپا کر رکھ لینا اور قید خانہ میں آجانا اور یہ بیان کرنا کہ میں نے نذر کی تھی جب قید سے رہا ہوں گا، تو قیدیوں کو کھانا کھلاؤں گا پس میں اپنی نذر کو پورا کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں تو اُس وقت میں تجھ پر غصہ ہوں گا اور تجھے کہوں گا نکل جاؤ کوئی اجازت نہیں ہے لیکن تم بار بار منت سماجت کرنا اور منت کے پورا کرنے کا اصرار کرنا، آخر کار یہ کہہ دینا کہ اگر مجھے اجازت نہیں ہے تو آپ مجھ سے لے لیں اور خود ان تک پہنچا دیں پس میں فوراً یہ بات قبول کروں گا اور طبق تیرے ہاتھوں سے لے کر مختار تک پہنچا دوں گا اور وہ جو کچھ لکھ کر دے گا وہ اس سے لے کر تیرے حوالہ کروں گا، چنانچہ اسی حیلہ سے عمیر نے مختار سے خط حاصل کیا اور گھر پہنچ کر سفر حجاز کی تیاری شروع کر دی۔ اور ابن زیاد سے جا کر کہا میں اس سال مکہ کو جا رہا ہوں، چنانچہ اس نے بطور زادِ راہ کے دو اونٹ اور کافی نقدی اس کو دی اور تاکید کی کہ عبداللہ بن عمر سے ملاقات نہ کرنا۔

عمیر نے مدینہ کا قصد کیا اور وہاں پہنچ کر زیارات سے فارغ ہو کر عبداللہ بن عمر کے گھر پہنچا۔ عین اُسی وقت مختار کی بہن صفیہ اپنے شوہر عبداللہ کے سامنے رو رہی تھی کہ تم نے میرے بھائی مختار کے لئے کوئی کام نہیں کیا تو نے خط بھی نہیں لکھا کہ اس طویل زمانہ میں میرے بھائی کے سر پر کیا گذر رہی ہے اس کے تمام حالات سے بے خبر ہوں۔ اتنے میں عمیر نے کہا میں مختار کا قاصد ہوں اور مختار کا خط لایا ہوں۔ پس عبداللہ بن عمر نے خط پڑھا اور صفیہ کو خوش خبری دی۔

صفیہ کو تسلی ہوئی۔ پس پردہ لٹکایا گیا اور پردے کے پیچھے آکر بیٹھی اور احوال پرسی کی جب عمیر نے یہ بیان کیا کہ ابن زیاد نے مختار کے سر پر تازیانہ مار کر اس کی آنکھ کو زخمی کر دیا تھا تو صفیہ اس سے آگے سُننا برداشت نہ کر سکی فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور کمرے میں جا کر قینچی سے اپنے بال کتر کر ایک رومال میں باندھ لئے اور واپس آکر عبداللہ کے آگے ڈال دیئے اور عبداللہ سے کہنے لگی کہ آج کے بعد میں تیرے ساتھ ایک چھت کے نیچے نہ جمع ہوں گی جب تک کہ میرا بھائی مختار

آزاد نہ ہو جائے۔ عبد اللہ نے کہا میں کیا کروں کوئی شخص ایسا نہیں ملتا جو میرا خط یزید کی طرف لے جائے۔ عمیر نے جواب دیا کہ یہ کام میں کروں گا پس عبد اللہ نے مختار کی رہائی کے لئے سفارش نامہ لکھا اور عمیر کے حوالہ کر کے اسے رخصت کیا۔

عمیر خط لے کر سفرِ شام پر روانہ ہوا اور طے منازل کے بعد آخر دمشق جا پہنچا۔ لیکن چودہ دن تک خط پہنچانے کا کوئی ذریعہ پیدا نہ کر سکا۔ ہر روز مسجد میں آتا تھا لیکن یہ جرأت نہ تھی کہ اپنا مطلب ظاہر کر سکے کیونکہ لوگ واقعہ کربلا کے بعد یزید سے متنفر ہو چکے تھے اور ہر شخص کو یزید سے ملنے کی اجازت نہ ہوتی تھی۔ ایک دن امام جماعت نے اپنے قیافے سے پہچانا کہ یہ شخص عراق کا باشندہ ہے چنانچہ اسے اپنے ساتھ گھر لے گیا اور شام آنے کا مطلب دریافت کیا لیکن عمیر نے اصلی مطلب کے بیان سے گریز کیا اور ٹال مٹول سے کام لیا آخر کار امام مسجد نے کہا اے مہمان مجھے اپنے مولا حسینؑ کے حق کی قسم دل کا راز بیان کر شاید میں تیری مشکل کو حل کر دوں۔ عمیر نے نام حسینؑ سنا تو سخت گریہ کیا اور پھر اپنا مطلب بیان کیا۔ امام مسجد نے نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے کہا کہ اس شہر میں میرے علاوہ اگر کسی دوسرے کے ذریعے سے یہ کام تم کرانا چاہتے تو ہرگز کامیاب نہ ہوتے۔

اب یزید تک رسائی کا واحد علاج اور طریقہ یہ ہے کہ کل سویرے حمام میں جاؤ، سر اور جسم کو خوب صاف کرو میں کہیں سے پولیس کی وردی تلاش کر کے تجھے دوں گا، غسل کے بعد جسم پر عطر و خوشبو لگا کر وردی پہن لینا اور چلا جانا یزید کے دربار کے دروازہ پر ایک مسلح فوج ہوگی نہ ان کو سلام کرنا اور نہ ان کی طرف توجہ کرنا بلکہ فوراً اندر داخل ہو جانا، ایک دروازہ نظر آئے گا جس کے آگے شاہی فرش بچھے ہوں گے اور دائیں بائیں ایک ایک دستہ دربانوں کا ہوگا ان کی پرواہ نہ کرنا اور جلدی سے گذر جانا پھر دوسرا دروازہ آئے گا جس کے آگے فرش پر ریشم بچھا ہو گا اور دائیں بائیں دربان ہوں گے ان کی بھی پرواہ کئے بغیر آگے چلا جانا پھر تیسرے دروازہ پر رونق زیادہ ہوگی۔ فرش ریشم سرخ سے مزین ہوگا اس سے آگے چوتھے دروازہ پر شتینہ کھڑے ہوں گے یہ وہ جماعت ہے جنہوں نے امام مظلوم کا سرِ مبارک طشت طلا میں رکھ کر یزید کے آگے رکھا تھا۔ پھر پانچویں دروازہ پر فرش ریشم زرد سے ہوگا اور دائیں بائیں یزید کے خاص غلام اور مشیر کار موجود ہوں گے پھر چھٹے دروازہ پر دربان کوئی نہ ہوگا ان سب دروازوں میں سے تیزی سے گذرتے جانا آخر ساتویں دروازہ پر ایک نہایت خوبصورت نوجوان کو دیکھے گا جس کا لباس سیاہ ہوگا اور امام مظلوم کی شہادت کے بعد اس وقت تک اس نے سیاہ لباس اپنے بدن سے دور نہیں کیا وہ یزید کا چہیتا غلام ہے۔ یزید نے اپنے تمام درباری اختیارات اس کے سپرد کئے ہیں اور تمام لوگ اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ وہ خود یزید کے لنگر سے نہیں کھاتا بلکہ اپنے ہاتھ سے حلال رزق کما کر

کہتا ہے۔ بس یہ خط اس کو دے دینا اور تیرا کام ہو جائے گا۔

عمیر کہتا ہے میں نے امام مسجد کے حکم کی تعمیل کی اور جو کچھ اس نے بیان کیا تھا ہر دروازہ پر ویسے ہی دیکھا جب آخری دروازہ پر غلام کے پاس پہنچا تو اس نے دیکھ کر فوراً کہا کہ تو عمیر بن عامر ہمدانی تو نہیں ہے؟ میں نے جواب دیا کہ جب تو نے مجھے دیکھا تک نہیں ہے پہچان کیسے لیا ہے؟ تو اس نے کہا آج سے چودہ راتیں پہلے میں نے اپنے مولا حسینؑ کو خواب میں دیکھا کہ مجھے فرماتے تھے۔ عمیر بن عامر کے پاس خط ہے مختار کا۔ اس کا کام ضرور کرنا۔ میں اسی دن سے تیرے انتظار میں رہتا ہوں۔ اب صبر کرو کہ یزید حمام میں ہے جب باہر آئے گا تو تیرا کام ہو گا۔

عمیر کہتا ہے میں نے اچانک دو خوبصورت نوجوانوں کو دیکھا جنہوں نے دیبا و اطلس کی قبائیں پہنی تھیں اور سنہری کمر بند باندھا ہوا تھا۔ ایک کے ہاتھ میں کستوری کا جام اور دوسرے کے ہاتھ میں عرق گلاب کی شیشی تھی وہ دونو فوراً حمام کی طرف دوڑے۔ یزید اُس وقت حمام سے باہر نکل رہا تھا کہ ان دونو نے کستوری و گلاب کا اس کے اُوپر چھڑکاؤ کیا۔ میں نے دیکھا کہ یزید کے چہرہ پر شاہانہ رعب و جلال کے آثار قطعاً نہیں ہیں بلکہ منہ کالا اور اس کے سر پر ایک ضرب کا نشان خوب نمایاں نظر آ رہا تھا۔ اس کے ہونٹ بہت بڑے موٹے تھے۔ اس کے ہاتھ میں ایک عصا تھا جس میں کلمہ توحید و رسالت کے بعد یزید کا امیر المومنین ہونا کندہ تھا اس کے جوتے پر بھی سونے کی سلاخیں جڑی ہوئی تھیں۔

یزید کا مخصوص غلام آگے بڑھا اور کہنے لگا اے یزید! جس دن سے میرا مولا حسینؑ شہید ہوا ہے تو نے میرے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ ہر روز تیری ایک بات مانوں گا۔ لیکن میں نے آج تک تجھے کسی کام کے لئے نہیں کہا۔ آج ایک کام لایا ہوں اور وہ یہ کہ اس خط کا جواب لکھو۔ یزید نے خط کو پڑھا تو کہنے لگا کہ اگر ایک لاکھ دینار مجھ سے طلب کرتا تو وہ میرے لئے اس خط کے جواب کی بہ نسبت آسان تر تھا لیکن وعدہ کو پورا کرتا ہوں۔ پس خط لکھا کہ مختار کو قید سے رہا کر دیا جائے اور اس سے معذرت طلب کرکے اس کو خلعت فاخرہ بطور انعام بھی عطا کی جائے اور اس کو زادِ سفر دے کر عبد اللہ بن عمر کے پاس بھیج دیا جائے۔

عمیر نے خط لیا اور فوراً طے منازل کے بعد کوفہ میں پہنچا اور خط ابن زیاد کے حوالے کیا۔ ابن زیاد نے کہا اے عمیر آخر تو نے اپنی ہی کی۔ پھر مختار کی رہائی کا حکم دیا اور خلعت فاخرہ بھی اس کو عطا کی اور حکم دیا کہ تین دن کے اندر اندر کوفہ سے نکل جاؤ ورنہ میں تم کو قتل کرا دوں گا۔ پس مختار عمیر کے گھر آیا اور سامان سفر درست کیا اور پھر

مدینہ کی جانب روانہ ہوا۔ راستہ میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی جو بنی ثقیف کے دوستوں میں سے تھا اس نے مختار کو دیکھ کر پوچھا کہ تیری آنکھ کو کیا ہوا ہے۔ مختار نے جواب دیا کہ زانیہ کے بیٹے نے ایسا کیا ہے۔ یعنی ابن زیاد نے۔ اور مجھے خدا کی لعنت ہو اگر میں اس کی انگلیوں اور تمام اعضاء کو ٹکڑے ٹکڑے نہ کروں اور امام حسینؑ کے بدلہ میں ان لوگوں کے اس قدر افراد تہ تیغ کروں گا جس قدر حضرت یحییٰ بن زکریا کے بدلہ میں قتل کئے گئے تھے یعنی ستر ہزار

مختار طے منازل کے بعد مدینہ میں عبداللہ بن عمر کے گھر پہنچا۔ عبداللہ کی زوجہ صفیہ کو پتہ لگا کہ بھائی مختار آیا ہے تو اس نے آکر بھائی کے گلے میں ہاتھ ڈال لئے پس دونوں بہن بھائی اس قدر روئے کہ بے ہوش ہو گئے۔ مختار پہلے ہوش میں آیا تو دیکھا کہ بہن بے ہوش ہے جب ہوش میں لانے کی کوشش کی گئی تو وہ مر چکی تھی۔ مختار اپنی بہن کے غسل و کفن سے فارغ ہو کر واپس مکہ آگیا۔ اس زمانہ میں عبداللہ بن زبیر نے خلافت کا دعوےٰ کیا ہوا تھا اور وہ لوگوں کو بنی اُمیّہ کے خلاف بھڑکاتا تھا اور حضرت امام حسینؑ کے انتقام کے لئے لوگوں سے اپنی بیعت لیا کرتا تھا۔

مختار اور عبداللہ بن زبیر

مختار نے ابن زبیر سے کہا کہ تین شرطوں سے تیری بیعت کرتا ہوں۔

(۱) میری اطلاع کے بغیر تمہیں کسی کام کے کرنے کا حق نہ ہوگا۔

(۲) تیری مجلس میں پہلی حاضری میری ہوگی اور مجلس سے آخری رخصت ہونے والا میں ہوں گا۔

(۳) جب تیری خلافت کا معاملہ درست ہو جائے تو مجھے بہترین کام پر تعینات کرنا جو میں خود پسند کروں۔

(مختار ابن زبیر کو خلیفہ برحق نہیں سمجھتا تھا لیکن چونکہ بنی اُمیّہ سے خونِ حسینؑ کے انتقام کا جوش اس کے دل میں تھا اور دیکھا کہ ابن زبیر کو بھی بنی اُمیّہ سے دشمنی ہے پس ابن زبیر کی بیعت کو اقتدار حاصل کرنے کا بہانہ بنا رہا تھا تاکہ بنی امیہ پر تسلط حاصل کر سکوں۔ ورنہ اس کو اچھی طرح معلوم تھا کہ ابن زبیر بنی ہاشم کا دشمن اور پکا عثمانی ہے۔ اسی بناء پر بیعت کی شرط رکھی کہ تیری مجلس میں حاضر ہونے والا پہلا شخص میں ہوں گا یعنی مجھے عہدہ وزارت دیا جائے اور آخری شرط یہ تھی کہ معاملہ خلافت کی درستی کے بعد حسب دل خواہ عہدہ دیا جائے۔ اس سے مراد کوفہ کی حکومت تھی تاکہ بنی امیہ خصوصاً قاتلانِ امام مظلوم سے انتقام لینا آسان ہو۔)

ابن زبیر مختار کے ارادہ کو بھانپ گیا لہٰذا اس نے یہ شرطیں منظور نہ کیں اور مختار مکہ سے طائف میں اپنے وطن کی طرف چلا گیا اور ایک سال وہاں رہا پھر جب سال کے بعد واپس مکہ میں آیا تو ابن زبیر نے انہی شرائط کے ماتحت

مختار سے بیعت لے لی۔ ان دنوں یزید نے مسلم بن عقبہ کی سرکردگی میں ایک لشکر بھیجا تھا جنہوں نے تین روز تک مدینہ کو تاراج کیا۔ اور یہ واقعہ تاریخ میں واقعۂ حرہ کے نام سے مشہور ہے۔ مدینہ نبوی میں خونریزی اور آبروریزی کا یہ واقعہ بنی اُمیّہ کی بےغیرت سوز تاریخ میں ایسا سیاہ ترین دھبّہ ہے جس نے اقوام عالم کے سامنے اپنی اسلام دشمنی کا ایک ایسا محکم ثبوت فراہم کیا ہے کہ بنی اُمیّہ کے ہواخواہ تاقیام قیامت اپنی انتہائی عرق ریزیوں اور انتھک کوششوں کے باوجود اس کی تردید یا تاویل کی راہ نہیں نکال سکتے۔ بہرحال مسلم بن عقبہ مدینہ کی تاراجی کے بعد مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن راستہ ہی میں راہیٔ دوزخ ہوا اور حصین بن نمیر کو اپنا قائم مقام مقرر کیا چنانچہ حصین اور ابن زبیر کے درمیان خوب لڑائی ہوئی۔ مختار نے ابن زبیر کی فوج میں رہ کر خوب جوہر شجاعت دکھائے۔ اور اسی جنگ کے دوران میں یزید واصل جہنم ہوا۔ اور تمام ملک حجاز پر ابن زبیر کا تسلط ہو گیا اور لوگوں نے اس کی بیعت کر لی۔ پس ابن زبیر نے اپنی جانب سے عبداللہ بن یزید کو والیٔ کوفہ مقرر کیا۔

ابن زبیر نے اب قاتلانِ امام مظلوم سے انتقام لینے کی پالیسی تبدیل کر لی۔ مختار پانچ ماہ اس انتظار میں ابن زبیر کے ساتھ رہا جب دیکھا کہ مطلب حاصل نہیں ہوتا بلکہ ابن زبیر نے صرف ملک گیری کی ہوس میں ہی ابتداً خونِ حسین کے انتقام کا نعرہ بلند کیا تھا۔ انہی ایام میں ہانی بن حیہ نامی ایک شخص کوفہ سے مکہ میں عمرہ ادا کرنے کے لئے آیا۔ مختار نے اس سے کوفہ کے حالات پوچھے تو اس نے جواب دیا کہ لوگوں نے ظاہراً ابن زبیر کی بیعت تو کر لی ہے لیکن اکثریت کی خواہش ہے کہ اگر ان کو کوئی صحیح قائد مل جائے تو وہ عراق، حجاز و شام پر غالب آ سکتے ہیں۔ مختار نے کہا پھر میں ہی وہ شخص ہوں جو لوگوں کو ایک علم کے نیچے جمع کروں گا۔ پس ابن زبیر کو چھوڑ کر کوفہ کو روانہ ہوا۔

جب مختار دریائے حیرہ کے کنارے پر پہنچا، غسل کر کے عمدہ لباس پہنا اور عمامہ سر پر رکھ کر تلوار کو حمائل کر لیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر شہر کوفہ میں اپنی پوری آن بان کے ساتھ تلوار کو ہوا میں لہراتا ہوا داخل ہوا۔ اور نعرہ لگا رہا تھا کہ خدا کی قسم میں اولادِ پیغمبرؐ کا قاتلین سے انتقام لوں گا اور کہتا تھا کہ لوگو تم کو بشارت ہو کہ تمہاری نصرت اور کشائش کا وقت آ گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ سلیمان بن صرد خزاعی، مسیب بن نجبہ فزاری اور عبداللہ بن وال تیمی فرزندِ رسولؐ کے خون کے انتقام کے لئے خروج کر رہے تھے چنانچہ ۶۴ھ میں انہوں نے یہ منصوبہ تیار کیا تھا کہ شام پر چڑھائی کی جائے اور اسی پروگرام کے ماتحت ۶۵ھ اوّل ماہ ربیع الاوّل میں یہ لوگ کوفہ سے روانہ ہوئے۔ پہلے پہل امام مظلوم کی قبر پر آ کر اپنی عدم نصرت پر اظہارِ غم کیا اور معافی مانگی پھر امام کی غربت و بےکسی کو یاد کر کے اس قدر روئے کہ قریب تھا جان جسم سے پرواز کر جائے۔ پھر وہاں سے چل کر ہیت میں گئے وہاں سے قرقیسیا اور وہاں سے

عین الوردہ میں قیام پذیر ہوئے اور اسی کو اپنی فوجی چھاؤنی قرار دیا۔

یزید جب واصل جہنم ہوا تو اس کا بیٹا معاویہ مسندِ خلافت پر آیا لیکن اُس مردِ مومن نے چالیس دن کے بعد اپنا استعفا پیش کر دیا۔ پس مروان بن حکم خلافت کے لئے نامزد کیا گیا اور شامیوں نے اس کی بیعت کر لی۔ اس نے پہلے پہل ابن زیاد کو عین الوردہ کی طرف لشکر کشی کا حکم دیا۔ چنانچہ یہ ملعون ایک بھاری فوج کے ساتھ روانہ ہوا اور وہاں پہنچ گیا پھر سخت جنگ ہوئی اور سلیمان بن صرد، مسیّب بن نجبہ اور دیگر بہت سے تابعین وہاں شہید ہو گئے۔

بحار الانوار میں ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد تین سال دو ماہ اور چار دن یزید زندہ رہ کر واصل جہنم ہوا اس کی عمر ۳۸ سال تھی اور روز وفات ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ جمعرات کا دن تھا۔

مختار کی دوبارہ گرفتاری اور قید

مختار کے کوفہ میں داخلے سے بنی اُمیہ کو جان کے لالے پڑ گئے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ شیعانِ علی سب مختار کے ہمنوا ہیں۔ پس عمر سعد اور شبث بن ربعی اور دیگر ہوا خواہانِ بنی اُمیہ عبداللہ بن یزید کے پاس جمع ہوئے جو اس وقت ابن زبیر کی جانب سے کوفہ کا گورنر تھا اور اُسے اطلاع دی کہ مختار کوفہ میں اپنے لئے لوگوں سے بیعت لے رہا ہے۔ اور اس کی آمد میں ہماری اور تمہاری خیر نہیں بلکہ یہ شخص سلیمان بن صرد سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ اگر اس کو موقعہ ملا تو ہم اور تم میں سے ایک آدمی کو بھی زندہ نہ چھوڑے گا۔ مصلحت اس میں ہے کہ اس کو گرفتار کر کے فوراً قید کر لیا جائے۔ چنانچہ اچانک اس پر ٹوٹ پڑے اور گرفتار کر کے اس کو زندان میں ڈال دیا لیکن مختار نے اس مرتبہ زندان میں رہ کر بھی اپنے انتقامی جذبہ پر پردہ نہیں ڈالا اور نعرۂ انتقام بلند کرتا رہا۔

جب سلیمان بن صرد خزاعی کی شہادت کے بعد اس کے بعض ہمراہی (رفاعہ بن شداد) واپس کوفہ میں پہنچے تو مختار نے ان کو اس مضمون کا ایک خط لکھا کہ تم نے خدا و رسولؐ کی خوشنودی کی خاطر دشمنانِ دین سے جنگ کیا ہے۔ لہذا تمہارے گناہ بخشے گئے اور تمہارا اجر زیادہ ہوا اور تمہارے ہر قدم کے بدلہ میں تمہارے نامۂ اعمال میں ایک ایک نیکی لکھی گئی ہے۔ میں جب بھی قید سے نکلوں گا تمہارے دشمنوں کو چن چن کر تہ تیغ کروں گا۔

جب اُنہوں نے مختار کا خط پڑھا تو اس کو جواب لکھا کہ تیرے خط نے ہم میں خوشی کی لہر دوڑا دی ہے ہم سب تمہاری مدد کے لئے حاضر ہیں اگر حکم دو تو ہم پہنچ کر تجھے زبردستی زندان سے نکال لائیں۔ مختار نے پیغام بھیجا کہ میں عنقریب رہا ہو جاؤں گا۔ کیونکہ مختار نے اپنا غلام دوبارہ مدینہ میں عبداللہ کے پاس بھیجا ہوا تھا کہ وہ حاکم کوفہ کی طرف

رہائی کا خط لکھے۔ چنانچہ عبداللہ بن عمر نے عبداللہ بن یزید حاکم کوفہ کو خط لکھا کہ فوراً مختار کو رہا کر دے کیونکہ وہ میرا رشتہ دار ہے اور تم لوگ میرے دوست ہو چنانچہ مختار کو فوراً رہا کر دیا گیا اور روسائے کوفہ میں سے دس آدمیوں سے ضمانت لی گئی کہ مختار کو اس شرط پر آزاد کیا جا رہا ہے کہ وہ خروج نہ کرے۔ جب عبداللہ بن زبیر نے مختار کی رہائی کی خبر سنی تو اس نے سزا کے طور پر عبداللہ بن یزید کو معزول کر کے اس کی جگہ عبداللہ بن مطیع کو کوفہ کا گورنر مقرر کر دیا کافی لوگوں نے مِل جُل کر مختار کی طرف آمد و رفت شروع کی یہ لوگ عقیدۃً آلِ محمدؐ کے ساتھ تھے لیکن ظاہر میں صاحبانِ اقتدار کے تابع فرمان تھے۔ البتہ ایرانی نسل جس قدر کوفہ میں آباد تھی اور قبیلہ ہمدان سب کا سب جن کی تعداد بیس ہزار سے زائد تھی انہوں نے مختار کی دعوت کو قبول کیا۔ اور اعلانیہ مختار کے ساتھ ہو گئے۔

یہ بات عبداللہ بن مطیع کے کانوں تک پہنچی تو اس نے مختار کو طلب کیا لیکن مختار کو اس کی بد باطنی کی پہلے سے اطلاع ہو گئی۔ پس اس نے حاضر ہونے سے انکار کیا اور اپنی بیماری کا بہانہ پیش کیا اور عبداللہ بن مطیع نے بھی دوبارہ اصرار نہ کیا۔

بعض لوگ اپنے معاملہ میں مذبذب تھے انہوں نے اپنی طرف سے قابلِ وثوق چند آدمیوں کو مدینہ بھیج دیا تاکہ محمد بن حنفیہ سے اجازت حاصل کریں۔ بروایت ابن نما محمد بن حنفیہ نے فرمایا۔ ہم اور تم مل کر امام علی زین العابدینؑ کی خدمت میں چلیں کہ وہ میرے اور تمہارے سب کے امام ہیں پھر ان کے حکم کی اتباع کی جائے گی۔ چنانچہ امام عالی مقام کی خدمت میں صورتِ حال کی حکایت کی گئی تو امام نے فرمایا۔ اگر کوئی حبشی غلام بھی ہماری نصرت کا عَلم بلند کرے تو لوگوں پر اس کا ساتھ دینا فرض ہے۔ اور میں نے اے چچا بزرگوار یہ معاملہ آپ کے سپرد کیا ہے۔ جو بھی مصلحت ہو آپ اس پر عمل کریں۔ وہ لوگ جو اجازت طلب کرنے کی خاطر آئے ہوئے تھے خوش ہو گئے اور واپس آ کر انہوں نے اعلان کر دیا کہ ہم کو محمد بن حنفیہ اور امام زین العابدین علیہ السلام نے مختار کی نصرت کی اجازت دی ہے

خروج مختار

مالک اشترؓ کا فرزند جناب ابراہیم اپنے باپ کی طرح طاقت و شجاعت میں اپنی نظیر آپ تھا۔ اور فن سپہ گری میں مہارتِ تامہ رکھتا تھا جب اس کو امام زین العابدین کی جانب سے اجازت کی خبر ہوئی تو فوراً اس جماعت کے ساتھ شریک ہو گیا اور اس سے مختار کی قوت و ہمت میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔ خلاصہ یہ کہ ۶۶ھ بدھ وار کی رات ربیع الاوّل یا ربیع الثانی کی پندرھویں کو مختار نے خروج کیا۔

اسی رات ابراہیم بن مالک نماز مغرب ادا کرنے کے بعد اپنی جماعت کو لے کر مختار کی طرف روانہ ہوا۔ ایاس بن مضارب جو گورنر کوفہ کی جانب سے پولیس کا اعلیٰ افسر تھا اس نے راستہ روک لیا اور دریافت کیا کہ یہ جماعت آپ کے ساتھ کس قسم کی ہے۔ مجھے ان کی نیتوں پر شک ہے؟ اس وقت ابراہیم کے پاس کوئی ہتھیار موجود نہ تھا اس نے کہا کہ ہمیں اپنے کام کی طرف جانے سے نہ روکئے اور ہمارا وقت ضائع نہ کیجئے۔ ایاس نے افسری گھمنڈ میں آکر کہا میں اپنے اختیارات کے ماتحت تم لوگوں کو گرفتار کر کے حکومت کے سامنے پیش کروں گا۔ اس پر ابراہیم کو سخت غصہ آیا اور اپنے ایک ملازم کے ہاتھ سے نیزہ چھین کر فوراً حملہ کر دیا اور ایاس کو وہیں ڈھیر کر دیا۔ اس کے باقی سپاہی بھاگ گئے۔ انہوں نے ایاس کا سر تن سے جدا کر لیا اور مختار کے پاس لائے۔ مختار نے اس کو اپنے خروج کی نیک فال قرار دیا اور کہا کہ یہ ہماری پہلی کامیابی ہے۔

مختار نے سعید بن منقذ کو حکم دیا کہ شہر کے گلی کوچوں میں یَا لِثَارَاتِ الْحُسَیْنِ کا نعرہ بلند کریں اور سرکنڈوں کی مشعلیں بنا کر ان کے سروں کو آگ لگائیں اور ہاتھوں میں ان کو بلند کریں تاکہ بیعت کرنے والے جمع ہو جائیں۔ چنانچہ انہوں نے نعرے بلند کئے اور پورے شہر میں تہلکہ مچا دیا۔ بس تھوڑی دیر میں مختار کے پاس کافی تعداد میں لوگ جمع ہو گئے۔ اس طرف زجر بن قیس، شبث بن ربعی، عمرو بن حجاج اور حجار بن ابجر نے حکومت وقت کے آرڈر کے ماتحت مخصوص پولیس کی جمعیت کے ذریعے شاہراہوں پر سخت کرفیو لگا دیا تاکہ مختار کے ساتھ کوئی نہ ملنے پائے۔ ادھر یَا لِثَارَاتِ الْحُسَیْنِ کا نعرہ لگاتے ہوئے جب اہل ایمان جوش ایمانی کے ساتھ نمودار ہوتے تھے تو عبداللہ بن مطیع کی پولیس کے دل رُعب سے لرز جاتے تھے اور تاب مقابلہ نہ لاتے ہوئے اُن کو راستہ دے دیتے تھے۔ تمام رات یہی حالت رہی۔ صبح تک مختار کے پاس ۳۸۰۰ مردمیدان جمع ہو گئے۔ پس مختار صبح سویرے آلات جنگ سے سج دھج کر باہر نکلا۔ اور دستور عرب کے ماتحت رجز خوانی میں چند شعر کہے اور آمادہ جنگ ہوا۔

عبداللہ بن مطیع (گورنر کوفہ) نے کوفہ کے سات بڑے محلوں کی گذرگاہوں پر ۲۰ ہزار جنگی فوجی سپاہی تعینات کر دیئے تاکہ مختار کے ساتھ ملنے والوں کا پوری طرح سدّباب ہو جائے لیکن اب مختار اعلانِ جنگ کر چکا تھا اور ابراہیم بن مالک اشتر کو فوجی سالار مقرر کر کے اذنِ جہاد دے چکا تھا۔ ابراہیم شعلہ جوالہ کی طرح حکومتی فوج کے جس دستہ پر حملہ کرتا تھا وہ شیر ببر کے آگے بھیڑوں کی طرح اس شیر بیشۂ شجاعت کے آگے بھاگتے نظر آتے تھے اور بعضوں نے تو بلا مقابلہ فرار میں خیریت سمجھی۔ مختار بنفس نفیس خود سپاہی بن کر مصروف حرب و ضرب تھا۔ پس اس تھوڑی سی فوج نے حکومتی فوج کو پیس پاکر ڈالا اکثر مارے گئے اور جو بچے وہ فرار کر گئے۔ اب میدان خالی تھا۔ مختار کے سپاہیوں نے دارالامارہ

کا محاصرہ کر لیا۔ عبداللہ بن مطیع نے جب حالاتِ حاضرہ کا جائزہ لیا تو راتوں رات دارالامارہ سے خفیہ طور پر بھاگ جانے میں کامیاب ہوا۔ پس مختار نے فوراً دارالامارہ پر قبضہ کر لیا۔ پس دارالامارہ کے مخصوص عملہ نے مختار سے معافی مانگ لی چنانچہ مختار نے ان کو معاف کر دیا۔

مختار نے رات دارالامارہ میں بسر کی اور صبح کی نماز جامع مسجد میں ادا کر کے منبر پر آیا اور فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا چنانچہ تمام اشرافِ کوفہ نے مختار کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس وقت بیت المال میں نو ہزار درہم موجود تھے جو فوجیوں پر فوراً تقسیم کئے گئے۔

مختار کو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن مطیع ابوموسیٰ کے گھر میں چھپا ہوا ہے تو اس کی طرف ایک لاکھ درہم بھیجا کہ یہ تیرے اخراجات کے لئے ہے۔ اور تجھے ہدایت کرتا ہوں کہ کوفہ چھوڑ کر کہیں چلے جاؤ۔ پس عبداللہ رقم لے کر بصرہ کی طرف چلا گیا۔

مختار نے آذربیجان، موصل، مدائن، حلوان، رے، ہمدان اور اصفہان وغیرہ کی طرف اپنے عمال روانہ کر دیئے اور عبداللہ بن کامل شاکری کو مقامی پولیس کا افسرِ اعلیٰ مقرر کر دیا اور حسبِ لیاقت لوگوں میں عہدہ جات تقسیم کر دیئے۔ اِس وقت دمشق میں اموی حکومت کی باگ ڈور، مروان بن حکم نے سنبھالی ہوئی تھی تو پہلے پہل اس نے عبیداللہ بن زیاد کو فوجی سالار مقرر کر کے کوفہ کی طرف روانہ کیا۔ ابن زیاد کا ارادہ یہ تھا کہ کوفہ کی فتحیابی کے بعد وہاں تین روز تک قتلِ عام کیا جائے اور کوفہ والوں پر خوب لوٹ مار کا بازار گرم کیا جائے۔

شام سے نکلتے ہی عین الوردہ کے مقام پر سلیمان بن صرد خزاعی اور اس کی جماعت تائبین کے ساتھ لڑائی کا میدان گرم ہوا۔ چنانچہ اس لڑائی میں امام مظلوم کے خون کے انتقام لینے والے سلیمان بن صرد اور اس کے اکثر ساتھی شہید ہو گئے۔ اس کے بعد ابن زیاد جزیرہ کے حاکم زفر بن حارث کلابی کے ساتھ نبرد آزما ہوا۔ جو ابن زبیر کی جانب سے جزیرہ کا گورنر تھا۔ یہ لڑائی ایک سال تک رہی اور مروان بن حکم اسی دوران میں واصلِ جہنم ہو گیا اور اس کی جگہ عبدالملک بن مروان تختِ شام پر متمکن ہوا۔ اس نے بھی عبیداللہ بن زیاد کو فوجی کمان پر بحال رکھا اور عراق کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔ ابن زیاد پہلے پہل موصل پر حملہ آور ہوا۔ مختار کی طرف سے اس جگہ کا گورنر ابن زیاد کی تاب مقاومت نہ لاتے ہوئے بھاگ کر تکریت چلا گیا۔ مختار کو جب معلوم ہوا تو اس نے یزید بن انس اسدی کی سرکردگی میں تین ہزار مردِ مجاہد روانہ کئے اِدھر ابن زیاد نے ان کے مقابلہ میں چھ ہزار جنگی مرد معین کر دیئے لیکن مختار کی فوج ظفر موج نے شامیوں کو شکستِ فاش دی ان کا سپہ سالار مارا گیا اور تین سو سپاہی زندہ گرفتار

ہوئے جن کو یزید بن انس کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔

ابن زیاد نے اس شکست سے متاثر ہو کر اسی ہزار فوج کو عراق پر حملہ آور ہونے کا حکم دے دیا ادھر مختار نے اپنی فوج کو ابراہیم کی سرکردگی میں روانہ ہونے کا حکم دیا۔ اب کوفہ میں مختار کے پاس صرف چار ہزار فوجی سپاہی بچ گئے تھے۔ خفیہ خفیہ قاتلانِ حسینؑ نے یہ سکیم تیار کر لی کہ اب وقت ہے کہ مختار پر حملہ کر دیا جائے اور اسے قتل کیا جائے مختار کی خفیہ پولیس نے اس سکیم کا سُراغ لگا لیا اور مختار کو فوراً اطلاع دی چنانچہ مختار نے فوراً ایک قاصد تیز رفتار ابراہیم کے پیچھے بھیجا کہ فوراً مرکز میں واپس پہنچے کیونکہ مرکز مقامی خطرہ سے دوچار ہو گیا ہے۔ ادھر شبث بن ربعی نے مختار سے ملاقات کی اور کوفہ والوں کی شکایات کا مداوا چاہا اور مختار نے اس کو مصلحتِ وقت کے ماتحت جوابات دیئے۔ مقصد یہ تھا کہ ابراہیم پہنچ جائے۔ قاتلانِ حسینؑ جو چھپے ہوئے تھے وہ اب بالکل ظاہر ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے اجتماع کر کے دارالامارہ کا محاصرہ کر لیا ادھر فوراً ہی ابراہیم قضائے آسمانی بن کر ان کے سر پر آ پہنچا۔ اور یَا لِثَارَاتِ الْحُسَیْنؑ کا نعرہ بلند کر کے دشمنانِ حسینؑ پر حملہ آور ہو گیا۔ خون ریز تصادم کے بعد دشمن کو شکست ہوئی۔ پانچ سو دشمنانِ حسینؑ گرفتار ہو گئے اور اکثر مارے گئے باقی بھاگ گئے۔ ان گرفتار شدہ لوگوں میں سے ۲۴۰ افراد کو تہ تیغ کیا گیا جو واقعہ کربلا میں شریک تھے باقیوں کو معاف کیا گیا اور اسی جھڑپ میں رفاعہ بن شداد مارا گیا۔ مختار نے اپنے پولیس افسر ابو عمرہ کو حکم دیا کہ ایک ہزار جانباز ساتھ لے کر کوفہ کے ان تمام مکانات کو منہدم کر دیا جائے جن کے مالک امام حسین علیہ السّلام سے لڑنے کے لئے گئے ہوں۔ اور ابو عمرہ چونکہ ایسے تمام لوگوں کا اور ان کے گھروں کا واقف تھا لہٰذا اس نے بلا دریغ تعمیل حکم کی اور بہت سے گھروں کو مسمار کر کے خاکستر کا انبار بنا ڈالا اور ان کا سامان لوٹ کر ایسے لوگوں کو دیا جو عجمی النسل تھے اور مختار کے ہمرکاب تھے۔ اور حضرت سید الشہداء کے قاتلین میں سے جو بھی ہاتھ آیا اس کو بلا دریغ تہ تیغ کر ڈالا کیونکہ مختار کا حکم تھا کہ میرا دین یہی ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السّلام کے قاتلوں میں سے کوئی نفر نہ بچنے پائے۔

مختار نے سب سے پہلے ان ملاعین کو قتل کیا جنہوں نے لاشِ حسینؑ پر گھوڑے دوڑائے تھے۔ چنانچہ جب یہ حاضر ہوئے اور مختار نے ان سے دریافت کیا کہ تم لوگوں نے کون سا ظلم کیا تھا تو انہوں نے جواب دیا تھا۔

عَن رضضنا الصّدر بعد الظّهر ۔۔۔ بكلّ يعبوب شديد الاسر

ہم نے سخت سموں والے تیز رو گھوڑوں کے ساتھ امام حسینؑ کے سینے اور پشت کو کچل ڈالا

بیثم بن اسود کندی | اس ملعون نے جناب زینب علیا کی پُشت پر تازیانے مارے تھے کہ جسم پہ

سیاہ نشان ہو گئے۔ مختار نے اس سے دریافت کیا تو اس نے انکار کر دیا پس اس کو ننگا کر کے ایک ہزار تازیانہ مارا گیا۔ پس اس کے شانے میں مینیں ٹھونکی گئیں کہ وہ اس کے سینے سے نکل گئیں اور وہ فی النار ہو گیا۔

ایک اور ملعون کو لایا گیا جس نے اُم کلثوم کے بدن پر تازیانے مارے تھے اور چادر اُتاری تھی پس تیغ سے اس کے بدن کو ریزہ ریزہ کیا گیا۔ (مخزن البکاء)

قیس بن ظفر

جس نے امام حسینؑ کی کنیز کو تازیانے مارے تھے اس کو تازیانے مار مار کر فی النار کر دیا گیا۔

عمرو بن حجاج

بعض کہتے ہیں کہ یہ ملعون روپوش ہو گیا تھا اور بعض مورخین نے کہا ہے کہ بصرہ کی طرف بھاگا تھا۔ لیکن اسے فوراً خیال آیا کہ شاید وہاں میری جان نہ بچ سکے گی کیونکہ یہ ملعون سرداران لشکر ابن زیاد میں سے تھا اور مشہور و معروف آدمی تھا۔ بس شراف کی طرف گیا تو وہاں کے لوگوں نے مختار کے خوف سے اس کو نکال دیا۔ بجینہ نامی ایک جگہ پر پہنچا جو قبیلہ طی اور کلب کے درمیان تھی۔ شدتِ پیاس سے وہاں راہی جہنم ہوا۔ اور یہ وہی ملعون تھا جو بروزِ عاشور دریائے فرات پر موکل تھا اور خدا نے اس کو پیاس کے عذاب میں مبتلا کر کے روانۂ دوزخ کیا۔ اور بعض روایات کے مطابق اس کا سر جدا کر کے مختار کے پیش کیا گیا۔

خولی بن یزید اصبحی

مختار نے ابو عمرہ کو خولی کی گرفتاری کے لئے بھیجا چنانچہ انہوں نے خولی کے گھر کا محاصرہ کیا اور اندر داخل ہو گئے۔ خولی ڈر کے مارے بیت الخلا میں پوشیدہ ہو گیا۔ اس کی عورت جس کا نام نوار تھا محبانِ اہلِ بیت میں سے تھی اور جس دن سے اس شقی نے امام مظلوم کا سر اپنے گھر میں طشت کے نیچے یا تنور کے اندر رکھا تھا اس دن سے یہ نیک سیرت خاتون اس ملعون سے بیزار تھی پس جب مختار کے سپاہیوں کو وہ ملعون نہ مل سکا اور انہوں نے اس خاتون سے دریافت کیا تو اس نے زبان سے کہا کہ مجھے اس کے حال کا پتہ نہیں ہے، اور ہاتھ سے بیت الخلا کی طرف اشارہ کیا۔ چنانچہ فوراً یہ ملعون پکڑ لیا گیا۔ جب اس کو ساتھ لے چلے تو راستہ میں مختار اس طرف آتے ہوئے مل گیا۔ پس اُس نے حکم دیا کہ اس ملعون کو واپس لے جاؤ اور اپنے گھر کے دروازہ پر قتل کر دو۔ پس قتل کرنے کے بعد اس کے نجس بدن کو نذرِ آتش کر دیا گیا اور جب تک وہ ملعون جل کر خاکستر نہ ہو گیا مختار نے وہاں سے قدم نہ اٹھایا۔

مخزن البکاء میں ہے مختار نے خولی سے پوچھا کہ تو نے کون سا ظلم کیا تھا؟ تو اُس نے جواب دیا کہ میں نے تو کچھ نہیں کیا بلکہ صرف امام زین العابدین کے نیچے سے چٹائی کھینچ لی تھی جس پر وہ آرام فرما تھے کہ وہ منہ کے بل گر گئے تھے اور اس کے علاوہ میں نے جناب زینب علیا کے سر سے مقنعہ چھینا تھا اور ان کے کانوں سے گوشوارے بھی اتارے

تھے۔ پس مختار نے اس کے ہاتھ پاؤں قطع کرنے کے بعد لاش کو جلا دیا۔

اُسمع نامی ایک شخص کو لایا گیا۔ مختار نے پوچھا تو نے زینب عالیہ کے سر سے چادر اتاری تھی اس نے انکار کیا پس اس کی زندہ کھال اُتار لی گئی (محزن البکاء)

حارث بن نوفل اس نے جناب زینب عالیہ کے بدن پر تازیانہ مارا تھا پس اس کو ہزار تازیانہ مروا کر داخلِ آگ کیا گیا کہ وہ جہنم پہنچ گیا۔

حکیم بن طفیل یہ وہ ملعون ہے جس نے قمر بنی ہاشم حضرت ابوالفضل عباس کے جسم اطہر سے لباس اتارا تھا اور لوگوں کے سامنے خود اعتراف کرتا تھا کہ میں نے ایک تیر امام حسینؑ کو مارا تھا جس سے امام کی قمیص پارہ ہو گئی تھی۔

مختار نے عبداللہ بن کامل کو ایک جماعت دے کر حکیم بن طفیل کی گرفتاری کے لئے بھیجا چنانچہ اس ملعون کو گرفتار کر لیا گیا۔ تو اس کی زوجہ عدی بن حاتم کے پاس دوڑی کہ مختار کے پاس جا کر اس کے شوہر کے لئے سفارش کرے اور چونکہ عدی بن حاتم ایک قابلِ قدر انسان تھا لہٰذا عبداللہ بن کامل کو خطرہ پیدا ہوا مبادا وہ سفارش کر کے مختار کو اس کی رہائی پر مجبور کرے پس اُس نے مختار تک پہنچنے سے پہلے ایک مقام پر اس کو روک دیا اور کہا تو نے قمر بنی ہاشم کا لباس اُتارا تھا اور امام حسینؑ کو تیر مارا تھا لہٰذا تجھے ہم اسی نوعیت کی سزا دیتے ہیں پس اس ملعون کا لباس اُتار کر ایک جگہ کھڑا کر دیا گیا اور محبانِ حسینؑ نے ہر طرف سے اس پر تیروں سے بارش کر دی۔ حتیٰ کہ اس کا جسم خار پشت کے مشابہ ہو گیا اور وہ ملعون واصلِ جہنم ہُوا۔

مالک بن بسیر مختار کو اطلاع دی گئی کہ قادسیہ میں مالک بن بسیر رہتا ہے۔ جس نے امام حسین علیہ السّلام کے فرقِ اطہر پر تلوار ماری تھی نیز آپ کی خون آلود ٹوپی بھی اسی نے لے لی تھی اور وہاں امام حسینؑ کے قاتلین میں سے دو اور شخص اس کے ہمراہ رہتے تھے ایک کا نام عبداللہ بن اسید جہنی اور دوسرے کا نام حمل بن مالک محاربی تھا۔

مختار نے اپنے ایک فوجی افسر کو جس کا نام مالک بن عمرو نہدی تھا ایک دستہ دے کر روانہ کیا انہوں نے بوقتِ عشاء چھاپہ مار کر ان تینوں کو گرفتار کر لیا اور مختار کے پیش کیا۔ مختار نے ان کو خطاب کر کے فرمایا اے دشمنانِ خدا و رسولؐ۔ اے منکرینِ قرآن تم نے نبی زادہ کو قتل کیا ہے حالانکہ تم ان پر درود بھیجنے کے لئے مامور تھے۔ انہوں نے جواب دیا ہمیں جبر سے لے جایا گیا تھا لہٰذا آپ ہمیں معاف کر دیں اور ہم پر احسان کریں۔ مختار نے جواب دیا کہ تم نے حسینؑ پر احسان کیوں نہ کیا؟ پس مالک بن نسیر سے کہا کہ تو ہی وہ شخص ہے جس نے امام پاک کے سر پر تلوار کی ضرب لگائی تھی اور ان کا سرپوش اتارا تھا؟ وہ ملعون خاموش رہا اور حاضرین شیعانِ علیؑ نے فوراً کہہ دیا کہ ہاں واقعی یہ وہی ملعون

ہے۔ مخزن البکا میں بروایت مجلسی مذکور ہے کہ مالک بن بسر نے امام مظلوم کے سر پر تلوار ماری کہ آپ کا عمامہ خون سے پر ہو گیا۔ پس مختار کے حکم سے اس ملعون کے ہاتھوں کی انگلیوں کو الگ الگ کاٹا گیا اور پھر تینوں کو تہ تیغ کر دیا گیا۔

ایک روایت میں ہے روز عاشورا جب بوقت آخر امام مظلوم منہ کے بل پڑے تھے (یا یوں کہا جائے کہ سر بسجود ہو کر محو مناجات تھے) یہ ملعون قریب گیا اور نجس زبان سے امام پاک کے حق میں گستاخانہ کلمات ادا کئے اور سر اقدس پر تلوار کا وار کیا۔ امام مظلوم نے فرمایا کہ تجھے اس ہاتھ سے کھانا پینا نصیب نہ ہو اور خدا تجھے ظالموں میں محشور کرے۔ پس امام مظلوم کی بُرنس (سرپوش یا ٹوپی) جو خون میں ڈوبی ہوئی تھی اس ملعون نے اتار لی اور اپنے گھر لے آیا۔ پس اپنی زوجہ کو دھونے کے لئے دی اور اس کی حقیقت بھی بتائی۔ یہ سنتے ہی اس نیک بخت عورت نے ماتم شروع کر دیا اور کہا تیرے اوپر وائے ہو تو فرزند پیغمبر کا قاتل ہے۔ پس میرے ہاں سے نکل جا۔ خدا تیری قبر کو آتش جہنم سے پُر کرے۔ پس نہ تو میرا شوہر ہے اور نہ میں تیری زوجہ ہوں اور آج کے بعد کبھی تیرے ساتھ ایک سقفِ خانہ کے نیچے نہ رہوں گی۔

بروایت ابومخنف اس ملعون نے غصہ میں آکر طمانچہ مارنے کے لئے ہاتھ بلند کیا تو ایک میخ اس کے ہاتھ میں پیوست ہو گئی اور وہ ہزار کوشش کے باوجود نہ نکل سکی۔ آخر کار اس کا وہ ہاتھ کہنی سے کاٹا گیا اور آخر انتہائی ذلت اور خواری سے قتل کیا گیا۔

بعض روایات میں اس کا نام مالک بن بسر درج ہے اور اس کا قبیلہ کندہ بیان کیا گیا ہے۔

میں نے کسی کتاب میں پڑھا ہے کہ خون آلود عمامہ اس ملعون نے گھر میں آکر اپنی عورت کو دھونے کے لئے دیا۔ جب اُس نے اُس پر پانی ڈالا اور طشت خون سے پُر ہو گیا تو دریافت کیا کہ یہ کس کا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ یہ حسینؑ مظلوم کا عمامہ ہے جو میں اُتار کر لایا ہوں پس اُس نیک بخت عورت نے اس پر لعنت کی اور روتی ہوئی الگ ہو گئی۔ اس ملعون نے وہ عمامہ سر پر رکھا اور پاگل ہو گیا اور آخر کار جنگل کی طرف بھاگ گیا اور باولے کتے کی سی موت اس کو نصیب ہوئی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ کا عمامہ اخنس بن مرثد حضرمی نے پہنا اور وہ دیوانہ ہو کر مر گیا جیسا کہ بعد میں مذکور ہو گا۔

ایک مسافر کو راستہ میں پڑا ہوا عمامہ ملا جو حج کو جا رہا تھا اس نے ایک رومال میں باندھ لیا۔ اعمالِ حج سے فارغ ہو کر جب مدینہ میں درِ دولت امام زین العابدینؑ پر پہنچا اور دستک دی تو امامؑ نے فرمایا مجھے اپنے باپ کی خوشبو آ رہی ہے اُس شخص کو اندر آنے کی اجازت دی گئی اور اُس نے وہ رومال پیش کیا جب امامؑ نے کھولا

تو باپ کا عمامہ دیکھ کر بہت روئے اور حاضرین کو تیروں اور تلواروں کے نشانات دکھائے پھر علیا مخدرہ کو خبر ہوئی تو امام زین العابدین عمامہ اٹھا کر اندر لے گئے۔ بی بی نے بھی فرمایا کہ مجھے بھائی کی خوشبو آ رہی ہے۔ پس بھائی کے عمامہ کو دیکھا تو بہت روئی اور بنی ہاشم کی تمام مستورات نے ماتم کیا۔

یزید بن سطرح کو لایا گیا۔ مختار نے کہا تو وہ ہے کہ عورتوں کی پشت پر نیزہ مار کر ان کو خیموں سے باہر نکالا تھا۔ اس نے انکار کیا لیکن مختار نے اس کی زبان کاٹ کر پھر ٹکڑے کرا دیا۔

بکر بن عامر مختار نے پوچھا تو وہ ہے جو عورتوں کو پیدل دوڑاتا تھا اور ننگے پاؤں ان کو چلنے کو کہتا تھا۔ پس اس کو لٹا کر اوپر سے کچل دیا گیا۔

اسد بن مالک مختار نے پوچھا تو نے سکینہ کے سر سے مقنعہ اتارا تھا۔ اس نے انکار کیا اس کے ہاتھ انگلیوں کو کاٹ کر ہزار تازیانہ مروایا۔

عمر نامی ایک شخص کو لائے جس نے تازیانے مارے تھے اور ام کلثوم و فاطمہ کے گوشوارے اتار کر کانوں کو زخمی کیا تھا۔ مختار نے کہا تو کوئی محرم تھا پس آنکھیں نکلوا کر ہاتھ کاٹ کر تیل میں جلا دیا۔

ابن نوفل مختار نے پوچھا کہ تو نے فضہ کو تازیانہ مار کر اس کا بازو توڑا تھا پس ہزار تازیانہ مارا گیا۔ ہاتھ کاٹے گئے وہ فی النار ہوا۔

شمر لعنۃ اللہ یہ انسان نما تھا یک چشم اور مبروص تھا اور اس کے بال مثل خنزیر کے بالوں کے تھے۔ جب بروز عاشورا حضرت سید الشہداء کے سینہ پر سوار ہوا۔ تو امام مظلوم نے آنکھ کھولی اور فرمایا۔ تو کون ہے جو اس بلند مقام پر سوار ہوا ہے جو پیغمبرؐ کی بوسہ گاہ ہے، کہنے لگا میں شمر بن ذی الجوشن جنابی ہوں آپ نے فرمایا کیا تو مجھے پہچانتا بھی ہے؟ تو اس نے جواب دیا خوب پہچانتا ہوں۔ تو حسین بن علی ہے تیری والدہ ماجدہ جناب فاطمہ زہرا نانا حضرت محمد مصطفےٰ اور نانی خدیجۃ الکبریٰ ہیں۔ امام مظلوم نے فرمایا تیرے اوپر وائے ہو۔ جب مجھے اتنا پہچانتا ہے تو پھر مجھے قتل کیوں کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا یزید کے انعام و اکرام کی خاطر۔ آپ نے فرمایا یزید کا انعام تجھے زیادہ پسند ہے یا بروز محشر میرے نانا کی شفاعت؟ تو اس بد باطن نے نہایت دریدہ دہنی سے جواب دیا کہ مجھے یزید کا انعام تیرے نانا اور بابا کی شفاعت سے بدرجہا محبوب ہے۔ امام مظلوم نے فرمایا اب جب کہ تو میرے قتل کے ارادہ سے باز نہیں آتا تو مجھے ایک گھونٹ پانی پلا دے۔ شمر نے کہا، یہ نہیں ہوسکتا بلکہ تجھے پیاسا ہی ساغر موت پینا ہوگا۔ اے ابو تراب کے فرزند: تمہارا تو دعویٰ ہے کہ میرا باپ علی

ساقی کوثر ہے اور جو بھی اس کی ولا رکھتا ہو وہ اس کو کوثر سے سیراب کرتا ہے۔ پس صبر کیجئے اور اپنے باپ کے ہاتھوں آب کوثر پیجئے۔

امام مظلوم نے فرمایا اپنے چہرۂ شوم سے نقاب کو ہٹا تاکہ تجھے دیکھوں پس اس نے اپنے منہ سے نقاب ہٹایا تو آپ نے فرمایا صَدَقَ جَدِّی رَسُوْلُ اللّٰہ یعنی میرے نانا حضرت رسولِ خدا نے سچ فرمایا تھا شمر نے پوچھا انہوں نے کیا فرمایا تھا؟ آپ نے فرمایا میرے نانا نے میرے والد ماجد حضرت علی سے فرمایا تھا کہ تیرے اس فرزند کو ایک انسان نما سگ جو مبروص اور یک چشم ہوگا اور اس کے بدن پر خنزیر کی طرح بال ہوں گے قتل کرے گا۔ شمر کو یہ سن کر غصہ آیا اور کہنے لگا اگر تیرے نانا نے مجھے کتے سے مشابہت دی ہے تو میں تجھے پس گردن سے ذبح کروں گا۔ پس اس شقی نے امام کو منہ کے بل لٹایا اور پس گردن ذبح کرنا شروع کیا اور بارہ ضربوں کے بعد سر کو تن سے جدا کر کے نوکِ نیزہ پر بلند کیا۔

مختار کے خروج کی خبر سن کر یہ حرام زادہ اپنے ہم خیال و ہم کردار لوگوں کی ایک جماعت کے ہمراہ بصرہ کی طرف بھاگا تاکہ مصعب بن زبیر کی فوج کے ساتھ مل جائے۔ مختار نے ایک سو آدمی اس کی گرفتاری کے لئے روانہ کئے چنانچہ انہوں نے کلسانیہ بستی میں ان پر چھاپہ مارا۔ مقابلہ کرنے کے بعد آخر کار گرفتار ہوا۔ پس انہوں نے اس کو قتل کر کے اس کی لاش کو گھوڑوں کے سموں میں پامال کیا اور اس کا سر قلم کر کے مختار کی طرف بھیج دیا۔ جو بعد میں حضرت محمد بن حنفیہ کی خدمت میں بھیجا گیا۔

بحار الانوار میں امالی شیخ سے منقول ہے کہ شمر نے جنگل کی طرف فرار کیا۔ مختار نے ابو عمرہ کو ایک دستہ فوج دے کر اس کی گرفتاری کے لئے روانہ کیا وہ ملعون مقابلہ کرنے کے بعد آخر کار گرفتار ہو گیا۔ مختار نے ایک دیگ میں تیل ڈال کر گرم کیا اور اس ملعون کو پکڑ کر اس میں ڈال دیا گیا۔ یہاں تک کہ وہ اس میں جل کر کوئلہ ہو گیا اور شمر کے تمام ساتھیوں کو تہ تیغ کر کے ان کے سروں کو ایک شاہراہ پر لٹکایا گیا۔

عبد اللہ بن معاذ جس نے فاطمہ دختر حسین کے گوشوارے اتارے، کان زخمی کئے۔ مختار نے پوچھا تو کہا کہ ظلم کر کے کہتا تھا اگر میں نہ کروں تو کوئی اور لے جائے گا۔ پس روتا بھی تھا اور ظلم بھی کرتا تھا۔ پس اس کے اعضا کاٹ کر اس کو مارا گیا کہ گوشت اتر گیا اور پگھلا ہوا سکہ اس کے حلق میں ڈال دیا گیا۔

حرملہ بن کاہل ملعون منہال بن عمرو سے روایت ہے کہ میں حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپ نے دریافت فرمایا

کو حرملہ بن کاہل کا کیا ہوا؟ تو فوراً میرے ایک ساتھی بشر بن غالب اسدی نے جواب دیا کہ ہم کوفہ میں اسے زندہ چھوڑ کر آئے ہیں۔ اس وقت امام نے ہاتھ آسمان کی طرف بلند فرمائے اور دُعا کی اَللّٰھُمَّ اَذِقْہُ حَرَّ الْحَدِیْدِ اَللّٰھُمَّ اَذِقْہُ حَرَّ النَّارِ۔ یعنی اے اللہ اس کو لوہے کی گرمی اور آگ کی حرارت کا عذاب چکھا۔

منہال کہتا ہے جب ہم واپس کوفہ میں پہنچے تو مختار نے خروج کیا ہوا تھا اور میرے اس کے ساتھ پہلے سے دوستی کے مراسم تھے لہٰذا میں سوار ہو کر اس کو ملنے گیا دیکھا تو وہ گھر سے باہر آرہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی کہنے لگا۔ اے منہال تو نے اس کارِ خیر میں ہمارے ساتھ حصّہ کیوں نہیں لیا؟ میں نے جواب دیا کہ میں حج کو گیا تھا اور ابھی واپس آیا ہوں اور تجھے ملنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔ پس میں اس کے ہمراہ روانہ ہوا اور کناسۂ کوفہ میں ہم پہنچے تو مختار کسی انتظار میں وہاں ٹھہر گیا اتنے میں ایک جماعت پہنچی اور آتے ہی انہوں نے حرملہ کی گرفتاری کی مبارک باد پیش کی۔ جب وہ ملعون حاضر کیا گیا تو امیر مختار نے ایک قصاب کو بلا کر اس کی ہاتھ پاؤں کی تمام انگلیاں بند بند سے جدا کیں اور پھر اس کے ہاتھ پاؤں قطع کئے اور تمام اعضاء کو ٹکڑے ٹکڑے کیا پھر ایک بڑی آگ روشن کر کے اس کے ناپاک جسم کو اس میں ڈال دیا کہ وہ خاکستر کا ڈھیر ہو گیا۔

منہال کہتا ہے کہ میری زبان سے تسبیح و تکبیر جاری ہوئی تو مختار نے سوال کیا کہ اس میں شک نہیں کہ ذکرِ خدا ہر وقت اچھا لگتا ہے لیکن اس وقت تیری زبان پر تسبیح کا جاری ہونا تعجب کو ظاہر کرتا ہے۔ پس منہال نے جواب دیا کہ میں حج کے بعد خدمتِ امام زین العابدینؑ میں حاضر ہوا تھا۔ اور امام کی زبان سے میں نے حُرملہ کے متعلق یہ کلمات سنے تھے لہٰذا اب امام پاک کی دُعا کی مقبولیت پر تعجب کر رہا ہوں۔ مختار نے جب سُنا تو گھوڑے سے اُتر کر دو رکعت نماز ادا کی اور سجدہ شکر بجا لایا۔ پس ہم دو گھوڑوں پر سوار ہو کر چلے جب میرے گھر کے قریب سے گذر ہوا تو میں نے مختار کو کھانے کی دعوت دی۔ مختار نے جواب دیا اے منہال: تو نے مجھے خبر دی ہے کہ میرے مولا حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام نے اس طرح دُعا فرمائی تھی اور خدا نے ان کی دُعا کو میرے ہاتھوں پر مستجاب فرمایا ہے۔ لہٰذا میں اب کس طرح کھانا کھاؤں بلکہ میں نے اس نعمتِ خداوندی کے شکر میں آج روزہ کی نیت کر لی ہے۔ منہال کہتا ہے میں نے کہا خدا تجھے اور توفیق دے۔

سہیل بن حریف خزاعی

کو مختار کے پیش کیا گیا مختار نے پوچھا تو وہ ہے کہ قافلۂ اسیرانِ اہل بیت کے اونٹوں کو مارتا تھا تاکہ تیز دوڑیں اور اہل بیت کے اسیر گر پڑیں۔ اس نے انکار کیا۔ لیکن مختار نے اس کے ہاتھ پاؤں قلم کر کے دھوپ میں اس کو ڈال دیا اور وہ تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

ابو الحنوف جعفی لعنہ :۔ اس ملعون نے امام مظلوم کی پیشانی کو پتھر سے زخمی کیا تھا۔

ابو قدامہ عامری لعنہ :۔ اس ملعون نے امام کے دل پر تیر مارا تھا جس کو امام مظلوم نے پس پشت سے کھینچا تھا۔

صالح بن وہب مزنی لعنہ :۔ اس حرامزادہ نے امام مظلوم کے پہلو پر نیزہ مارا تھا۔

ابحر بن کعب لعنہ :۔ امام مظلوم کے آخری استغاثہ پر جب شہزادہ عبداللہ بن حسن امام پاک کی خدمت میں پہنچا تھا تو اس ملعون نے اس معصوم شہزادہ کو اپنے ظلم کا نشانہ بنایا تھا۔

ابو ایوب غنوی لعنہ :۔ اس نے امام مظلوم کے حلق پر تیر مارا تھا۔

نصر بن خرشنہ لعنہ :۔ اس ملعون نے بھی امام مظلوم کے جسم نازنین پر ایک زخم کا اضافہ کیا تھا۔

عمرو بن خلیفہ جعفی لعنہ :۔ اس ملعون نے بھی امام پاک کے زخمی جسم کو اپنے ظلم کا نشانہ بنایا تھا۔

عبداللہ بن صلمت، عبدالرحمن بن صلمت، عثمان بن خالد اور بشر بن سوط۔ یہ چاروں حضرت عبدالرحمن بن عقیل کے قتل میں شریک تھے۔

امام مظلوم نے بروز عاشورا ان پر بددعا کی تھی جو مقبول ہوئی۔ مختار کے حکم سے یہ سب گرفتار ہو کر پیش ہوئے تو ان سب کو انتہائی ذلت و خواری سے قتل کرایا گیا اور ان کے نجس مردوں کو نذر آتش کرایا گیا۔

مخزن البکاء مجلس ہفتم میں ہے کہ جب مسلم بن عقبہ نے یزید عنید کے حکم سے مدینہ کو تاراج کیا اور تین روز تک قتل عام جاری رکھا۔ اور مسجد نبوی میں اس قدر مسلمان بے دریغ تہ تیغ کئے گئے کہ مسلمانوں کا خون منبر رسول سے جاری ہوا۔ اور قبر نبوی تک پہنچا۔ اشقیاء بنی اُمیہ نے سادات کے گھروں کی بے حرمتی بھی کی جس کے نتیجہ میں سادات کے بہت سے افراد بھوک پیاس کی تکلیف سے جاں بحق ہو گئے اور اکثر ترک وطن کر کے بے خانماں ہو گئے چنانچہ قاسم بن عبدالرحمن بن عقیل اپنی بیوہ ماں اور تین بہنوں کو ساتھ لے کر گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ اور جنگلوں کی خاک چھان کر آخر کار اس وقت وارد کوفہ ہوا جب مختار تخت حکومت پر فائز تھا۔

حضرت عبدالرحمن بن عقیل کا قاتل عثمان بن خالد جہنی عبدالرحمن کے گھوڑے پر سوار ہو کر بصرہ کی طرف فرار کرنا چاہتا تھا کہ مختار کی پولیس کے ایک گشتی دستے نے اسے گرفتار کر لیا۔ پولیس افسر ابو عمرو نے مختار کو اس کی گرفتاری کی اطلاع دی اور لوگوں نے جب عبدالرحمن بن عقیل کا گھوڑا دیکھا تو بہت گریہ و بکا ہوا۔ اس ملعون کو باندھ کر لوگ تازیانے مار رہے تھے اور ہر طرف سے اس پر لعنت کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔

اسی اثنا میں پولیس انچارج ابو عمرو نے ایک حسین و جمیل لڑکے کو مختار کے سامنے پیش کیا جب کہ ان دو لوگوں کی

آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ مختار نے سبب پوچھا تو ابو عمرو نے جواب دیا کہ یہ لڑکا حضرت عبدالرحمٰن بن عقیل کا فرزند دلبند ہے۔ یہ سنتے ہی مختار اپنی مسند سے اٹھا اور شہزادے کو گلے لگا کر خوب رویا اور دریافت کیا آپ یہاں کیسے تشریف لائے ہیں؟ شہزادہ نے جواب دیا آج تیسرا دن ہے میں اس شہر میں وارد ہوا ہوں اور سفر کی نوعیت و کیفیت بھی بتلائی۔ مختار نے پوچھا کہ تنہا ہو؟ تو جواب دیا نہیں بلکہ میرے ساتھ بیوہ ماں اور تین ہمشیرگان بھی ہیں ہم تیری حکومت کا چرچا اور قاتلانِ امام حسین سے بدلہ لینے کی خبر سن کر یہاں آئے ہیں اور آج میں نے سنا ہے کہ میرے پدر نامدار کا قاتل گرفتار ہوا ہے۔ لہٰذا قصاص کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ چنانچہ اس ملعون کو شہزادہ کے سپرد کیا گیا اور شہزادہ نے اس ملعون کو اپنے باپ کے قصاص میں قتل کر کے دارالبوار پہنچایا اور مختار نے قاسم کو تین ہزار مثقال سونا اور پردہ داروں کو دو ہزار دیا اور ابراہیم نے پانچ ہزار دیا۔ باقی اہلِ شہر نے مکان مہیا کیا اور شہزادہ نے مع ساداتیوں کے وہاں قیام کیا۔

زیاد بن مالک ضبعی۔ عمر بن خالد غنوی۔ عبدالرحمٰن بن ابی خشکارہ بجلی اور عبداللہ بن قیس خولانی

ان چار افراد نے خیام کی بے حرمتی کی تھی اور زیورات و پارچات لوٹے تھے۔ مختار نے ان سے بیان لے کر ان کو سر بازار تہ تیغ کیا۔

عمر بن سعد جب مختار نے خروج کیا تو عمر بن سعد پوشیدہ ہو گیا تھا اور عبداللہ بن جعدہ بن ہبیرہ سے اس نے خواہش کی کہ مختار سے میرے لئے امان نامہ کی سفارش کیجئے (یہ عبداللہ بن جعدہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کا بھانجا تھا اور مختار کا مقرب خاص تھا) چنانچہ بعض وجوہ کی بنا پر عبداللہ بن جعدہ نے اس کی درخواست منظور کی اور مختار سے امان نامہ لکھوایا جس کا خلاصہ تھا کہ ابن سعد اس وقت تک امان میں ہے جب تک کہ اس سے کوئی حدث صادر نہ ہو۔

اس امان نامہ کے بعد عمر بن سعد ظاہر ہو گیا اور گاہ بگاہ مختار کے دربار میں بھی آجایا کرتا تھا۔ ایک دن مختار نے بیان کیا کہ کل میں ایک ایسے شخص کو قتل کروں گا جس کی علامتیں فلاں فلاں ہوں گی اور اس کے قتل سے ملائکہ مقربین اور جملہ مومنین خوش ہوں گے۔ چنانچہ یہ خبر عمر بن سعد تک پہنچ گئی اور راتوں رات گھوڑے پر سوار ہو کر اس نے راہِ فرار اختیار کی۔ تھوڑا سا سفر کیا تھا کہ اس پر نیند غالب آئی اور قربوسِ زین پر سر رکھ کر سو گیا اور گھوڑا آگے جانے کی بجائے واپس پلٹ آیا۔ جب اس ملعون کی آنکھ کھلی تو اپنے آپ کو کوفہ میں پایا پس فوراً گھر میں داخل ہو گیا۔ چنانچہ جاسوسوں نے مختار کو اس امر کی اطلاع دے دی۔ مختار نے کہا جس شخص کی گردن میں خونِ حسین کا طوق موجود ہے وہ کہاں فرار کر سکتا ہے۔ پس عمر بن سعد نے اپنے بیٹے حفص کو مختار کے پاس دوبارہ امان نامہ حاصل کرنے کے لئے بھیجا۔

مختار نے اس سے پوچھا کہ تیرا باپ کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ گھر میں ہے اور امان نامہ کی تجدید کی درخواست

کرتا ہے۔ مختار نے کہا کہ بیٹھ جاؤ۔ پس ابو عمرہ کو بلایا اور اس کے کان میں کہا کہ عمر سعد کے گھر جاؤ اور اس کو جس حالت میں دیکھو قتل کر دو۔ اور اس کا سر میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ ابو عمرہ پہنچا تو ابن سعد ابھی رختِ خواب میں تھا۔ ابو عمرہ نے کہا تجھے امیر مختار نے بلایا ہے۔ عمر بن سعد نے اُٹھنے کا ارادہ کیا کہ اس کا پاؤں اچانک قمیص کے دامن میں اُلجھ گیا اور وہ گر گیا۔ ابو عمرہ نے تلوار سے اس کا سر قلم کر لیا اور مختار کے پاس لایا۔ مختار نے اس کے لڑکے سے پوچھا کہ اس کو پہچانتا ہے یہ کون ہے؟ حفص نے جواب دیا ہاں لیکن اس کے بعد میرا جینا بھی فضول ہے۔ پس مختار نے حکم دیا اور اس کا سر جدا کیا گیا۔

مختار کہنے لگا کیا عمر بن سعد حسین کے بدلے میں اور حفص علی اکبر کے بدلے میں ہو سکتا ہے؟ پس فوراً خود ہی جواب دیا نہیں، خدا کی قسم ہرگز نہیں ہو سکتا بلکہ اگر پوری قوم قریش میں سے تین چوتھائی کو تہ تیغ کروں تب بھی امام مظلوم کی ایک انگلی کا بدلہ بھی نہیں ہو سکتا۔ پس عمر بن سعد اور اس کے بیٹے حفص کا سر مختار نے حضرت محمد بن حنفیہ کی خدمت میں روانہ کر دیا کیونکہ اس سے پہلے محمد بن حنفیہ نے اس کو سرزنش کی تھی کہ ابھی تک عمر بن سعد کو کیوں نہیں قتل کیا گیا۔ پس جب یہ دونو سر پہنچے تو محمد بن حنفیہ نے سجدہ شکر ادا کیا اور مختار کے حق میں دُعا کی۔

عبداللہ بن عقبہ کو مختار کے سامنے لایا گیا تو اس نے پوچھا۔ تو وہ ملعون ہے جو راہِ شام میں امام مظلوم کے سر کو نیزہ پر سوار کرتا تھا اور زینب عالیہ کی پشت پر تازیانہ بھی مارتا تھا تو اس نے انکار کیا۔ پس مختار نے اس کا بند بند جدا کر کے اس کو واصلِ جہنم کیا۔ مخزن البکا مجلس ۲۱۔

زید بن رقاد یہ ملعون حضرت عبداللہ بن مسلم کا قاتل تھا۔ امیر مختار نے عبداللہ بن کامل کو اس کی گرفتاری کے لئے روانہ کیا۔ اس نے فرار کرنے کی ہر چند کوشش کی لیکن فائدہ مند ثابت نہ ہوئی۔ عبداللہ بن کامل کے ساتھی ننگی تلواریں لے کر اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کو گرفتار کر لیا۔ ابن کامل نے حکم دیا کہ تلوار کی بجائے اس پر پتھر اور تیر برسائے جائیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور ابھی رمقِ جان اس میں موجود تھی کہ اس کے جثہ ناپاک کو نذرِ آتش کر دیا گیا۔

اس ملعون نے عبداللہ بن مسلم کو تیر مارا تھا۔ جب حضرت عبداللہ نے اپنا ہاتھ اپنے منہ کے بچاؤ کے لئے بڑھایا تو تیر ہاتھ سے پار ہو کر پیشانی سے پیوست ہو گیا اور ہر چند کوشش کی لیکن ہاتھ پیشانی سے چھڑایا نہ گیا۔ پھر اس ملعون نے دوسرا تیر مار کر اس مظلوم کو شہید کر ڈالا اور پھر لاش پر پہنچ کر تیر نکالنے کی ہر چند کوشش کی لیکن تیر کا پھل پیشانی میں ٹوٹ گیا اور نکل نہ سکا۔

بجدل بن سلیم اس ملعون نے انگوٹھی کی لالچ میں امام مظلوم کی انگلی کو شہید کیا تھا۔ جب گرفتار ہو کر مختار کے

سامنے پیش کیا گیا اور اس کے ظلم کی نوعیت بیان کی گئی تو مختار بہت رویا۔ پس اس کی انگلیوں کو اور پھر ہاتھ پاؤں کو قطع کرنے کا حکم دیا اور اسی عذاب سے ہی وہ واصل جہنم ہوا۔

عمرو بن صبیح لعنہ

اس نے بیان کیا کہ میں کربلا میں نیزہ ہاتھ میں لے کر جنگ کرتا رہا لیکن میں نے قتل کسی کو نہیں کیا پس بحکم مختار نیزوں سے ہی اس کے جسم کو پارہ پارہ کر دیا گیا۔

قیس بن اشعث لعنہ

اس ملعون نے امام مظلوم کی چادر اتاری تھی اور اس نے عبداللہ بن کامل سے پناہ لی تھی، اور اس کے گھر میں پنہاں تھا۔ مختار کو بھی خفیہ ذریعے سے معلوم ہو گیا لیکن خاموش رہا۔ کیونکہ عبداللہ بن کامل اس کے مخصوص دوستوں میں سے تھا۔ ایک دن عبداللہ بن کامل سے کہا مجھے اپنی انگوٹھی دے دو میں دیکھنا چاہتا ہوں چنانچہ اس سے انگوٹھی لے کر اپنی انگلی میں پہن لی اور ابن کامل کو کسی کام کے لئے بھیج دیا اور ابوعمرہ کو بلا کر اُسے وہی انگوٹھی دی اور فرمان دیا کہ ابن کامل کے گھر چلے جاؤ اور اس کی عورت کو یہ انگوٹھی دکھا کر کہو مجھے عبداللہ بن کامل نے بھیجا ہے (اور یہ انگوٹھی اس کی نشانی ہے) میں قیس بن اشعث سے ملنا چاہتا ہوں۔ پس وہ عورت تجھے قیس تک پہنچا دے گی۔ اس کے بعد بلا تامل اس کا سر قلم کر کے میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ ابوعمرہ نے تعمیل حکم کی اور قیس کا سر لا کر مختار کے قدموں میں ڈال دیا۔ مختار نے کہا (یہ امام مظلوم کی چادر کا بدلہ ہے)

جب عبداللہ بن کامل کو خبر ہوئی تو اس نے مختار سے شکوہ کیا کہ تو نے میری امان کو توڑ دیا ہے۔ مختار نے جواب دیا۔ اے ابن کامل! تیرے باپ پر خدا کی رحمت ہو کیا اولاد پیغمبر کے قاتل کو امان دینا جائز ہے؟)

آقائے شیخ ذبیح محلاتی فرماتے ہیں اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مختار کا دشمنان آل محمد کو قتل عام کرنا طلب اقتدار کے لئے نہیں تھا بلکہ محض جذبۂ انتقام کے ماتحت تھا اور یہ اس کے جوش ولا کا نتیجہ تھا اور وہ درحقیقت امام مظلوم کے قاتلین کو نیست و نابود کرنا چاہتا تھا ورنہ عبداللہ بن کامل جیسے مخصوص دوستوں کے امان یافتہ لوگوں کے درپے قتل ہرگز نہ ہوتا۔ اس کے مقابلہ میں عبداللہ بن زبیر جو صرف اقتدار کا خواہش مند تھا وہ ابتداء میں انتقام خون حسینؑ کا نام لیتا تھا لیکن جب اس کی حکومت کسی حد تک مضبوط ہو گئی تو امام مظلوم کے قاتلین کو خود امان دیتا تھا اور اس کی فوج کوفہ کے بھگوڑوں کی پناہ گاہ بن گئی چنانچہ مختار کے خوف سے جو بھی بھاگتا تھا مصعب بن زبیر کی فوج میں اس کو قبول کر لیا جاتا تھا جیسا کہ صفحاتِ تاریخ اس امر کے شاہد بین ہیں، چنانچہ منقذ بن مرۃ قاتل شہزادہ علی اکبر کا ذکر بھی گذر چکا ہے۔

سنان ابن انس لعنہ

اس ملعون نے میدان کربلا میں بہت ظلم کئے، چنانچہ جب امام مظلوم تپتی ہوئی زمین پر زخمی جسم

سے ساتھ نہایت اطمینان و سکون محوِ مناجات پروردگار تھے تو اس حرامزادے نے آپ پر نیزہ کا ایک وار کیا جو امام کی بغل میں لگا اور سینۂ اقدس میں سوراخ کر گیا پھر دور ہٹ کر ایک تیر مارا جو آپ کے حلق مبارک پر پیوست ہوا۔
مختار نے ایک دستہ فوج اسکی گرفتاری کے لئے روانہ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ بصرہ کی طرف فرار کر کے مصعب بن زبیر کی فوج سے جا ملا ہے مختار نے خفیہ پولیس کو سخت حکم دیا کہ اس ملعون کی صحیح خبر معلوم کریں چنانچہ اسکا سراغ مل گیا اور معلوم ہوا کہ وہ بصرہ سے قادسیہ کی طرف چلا گیا ہے پس ایک دستہ اسکی تلاش میں روانہ ہوا چنانچہ قادسیہ اور عذیب کے درمیان اس کو پکڑا گیا۔ مختار نے حکم دیا کہ اس کی ہر انگلی جدا جدا کاٹی جائے پھر اس کے ہاتھ پاؤں بند بند سے جدا کئے گئے پس اُبلتے ہوئے تیل کی دیگ میں اس کو ڈال دیا گیا کہ وہ ملعون اس میں جل کر راکھ ہو گیا۔

محمد بن اشعث لعنہ۔ یہ شخص فرار کر گیا تھا اور اس کے مکانات اور عالی شان محلات قادسیہ میں تھے پس مختار کے حکم سے ان کو منہدم و مسمار کر دیا گیا۔

عبداللہ بن عمرو خشعمی لعنہ۔ اس نے اصحاب حسینؑ پر بارہ تیر مارے تھے۔ یہ خود بھاگ گیا تھا پس مختار نے اس کا گھر منہدم کر دیا۔

عبداللہ بن عقبہ غنوی لعنہ۔ یہ ابوبکر بن حسن بن علی کا قاتل تھا خود بھاگ گیا تھا اور مختار کے حکم سے اس کا گھر ویران کر دیا۔

شبث بن ربعی لعنہ۔ سردارانِ کوفہ کی ایک جماعت کے ساتھ بصرہ کی طرف بھاگ گیا تھا مختار نے ان کے گھروں کو مسمار کرا دیا۔

اسماء بن خارجہ۔ یہ بھی سردارانِ کوفہ کی ایک جماعت کے ساتھ بصرہ میں مصعب کے لشکر سے جا ملا تھا۔ بحکم مختار ان سب کے گھروں کو برباد کر دیا گیا۔

امام مظلوم کے قاتلین نے مختار کی گرفت سے بچنے کے لیے بڑی کوششیں کیں چنانچہ بعضوں نے مکہ کا رُخ کیا اور عبداللہ بن زبیر سے جا ملے اور بعض بصرہ میں پہنچ کر مصعب بن زبیر کی فوج میں داخل ہو گئے۔ اور بعض جنگلوں میں آوارہ منتشر ہو گئے۔ بہر کیف جو مختار کی گرفت میں آ جاتے تھے ان کو قسم قسم کی سزائیں دیکر واصل جہنم کیا جاتا تھا اور جو بچ گئے مختار نے ان کے گھروں کو برباد و تاراج کر دیا۔ ان کا سامان لُوٹ لیا۔ اور ان کو نذرِ آتش کر دیا۔

عبیداللہ بن زیاد ۔ حصین بن نمیر ۔ شرجیل بن ذی الکلاع

جب امیر مختار نے کوفہ کو دشمنانِ حسین سے پاک وصاف کر دیا۔ باختلافِ روایات ابراہیم بن مالک اشتر کو ۱۲ ہزار یا ۹ ہزار یا ۲۰ ہزار کے لگ بھگ فوج دیکر ۲۲ ذی الحجہ کو ابن زیاد کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا مختار خود ابراہیم کی مشایعت کے لیے شہر سے باہر تک آیا پس ابراہیم کو چند ہدایات دیکر روانہ کیا اور خود واپس آگیا چنانچہ ابراہیم نہایت تیزی سے سفر کرکے نہر خازر کے کنارہ پر پہنچا کر یہاں سے موصل پانچ فرسخ یعنی ۱۵ میل دور تھا۔

اس طرف ابن زیاد بروایت سبط بن جوزی تیس ہزار اور بروایت ابن نما اسی ہزار جنگجو فوج کے ہمراہ موصل پر حملہ آور ہوا۔ اور اس کو فتح کرکے آگے بڑھا اور ابراہیم کے لشکر گاہ کے مقابلہ میں خیمہ کش ہوا۔

عمیر سلمی جو سردارانِ لشکر ابن زیاد میں سے تھا اور دل سے مروانیوں کو بُرا سمجھتا تھا اس نے ابراہیم کو پیغام بھیجا کہ میں آج رات کو تیری ملاقات کے لئے آؤں گا۔ جب رات ہوئی تو عمیر ایک شخص فرات بن ابراہیم نامی کے ہمراہ ابراہیم کی جانب روانہ ہوا۔ راستہ میں ابن زیاد کے فوجی پوچھتے تو جواب میں کہتا تھا کہ ہم حصین بن نمیر کی فوج کے پیشرو ہیں۔ پس جب ابراہیم کے پاس پہنچے تو ابراہیم کی بیعت کی اور عمیر نے کہا کہ میرا تمام قبیلہ بنی مروان کا دشمن ہے۔ اور میں فوج ابن زیاد کا علمبردار ہوں۔ پس جب کل کے دن آتش حرب شعلہ زن ہو تو آپ میسرہ لشکر ابن زیاد پر حملہ کریں ہم بھاگ جائیں گے اور آپ کی فتح ہوگی اور ابراہیم جانتے تھے کہ عمیر سچ کہہ رہا ہے۔

اُس رات ابراہیم نے نیند نہیں کی اور ساری رات اپنی فوج کو دشمنانِ دین سے جہاد کرنے کے لئے اُبھارتا رہا۔ اور امام مظلوم کی مظلومی کی داستان دہرا دہرا کر مومنوں کو انتقام پر آمادہ کرتا رہا اور کہا خدا کی قسم فرعون نے بنی اسرائیل پر وہ ظلم نہیں کیا تھا جو ان لوگوں نے عترتِ رسُول پر کئے ہیں۔

جب صبح نمودار ہوئی تو نمازِ صبح ادا کی اور لڑائی کے لئے صف آرائی کی اور طرفین سے جنگ شروع ہوئی پہلے پہل ابن زیاد کی فوج کی جانب سے ابن ضبعان نامی ایک شخص نکلا اور رجز خوانی کرتا ہوا آگے بڑھا اس طرف ابراہیم کی فوج سے ایک شخص احوص بن شداد ہمدانی رجز پڑھتا ہوا آگے بڑھا اور شامی سے پوچھا تیرا نام کیا ہے تو اس ملعون نے کہا میرا نام ہے منازل الابطال دبہادروں کو پچھاڑنے والا) پس احوص نے کہا میرا نام ہے مقرب الآجال (موتوں کے قریب کرنے والا) پس ایک ہی ضربت سے اس کو فی النار کیا پھر دوسرا شخص داود نامی آگے بڑھا احوص نے اس کو بھی ایک جنبش تلوار سے جہنم پہنچا دیا۔

حصین بن نمیر

جب حصین بن نمیر نے یہ منظر دیکھا تو یہ ملعون چونکہ لشکر کے میمنہ کا علمبردار تھا حکم دیا کہ ابراہیم کے لشکر کے میسرہ پر یکبارگی حملہ کریں چنانچہ انہوں نے حملہ کیا اور ایک ہی حملے میں ابراہیم کی فوج کے کافی سپاہی مارے گئے پس حصین میدان میں آگے کو بڑھا اور رجز پڑھ کر مبارز طلبی کرنے لگا تو ابراہیم کی فوج سے شریک تغلبی شعلہ جوالہ بن کر اس کے مقابلہ میں پہنچا ان دونو کے درمیان مقابلہ بڑے زور و شور کا ہوا کافی ردو بدل کے بعد تغلبی جوان نے حصین ابن نمیر کو واصل جہنم کیا۔

یہ ملعون نہایت سفاک دشمن دین تھا۔ کوفہ میں حضرت مسلم بن عقیل کے قتل میں اس کا بڑا ہاتھ تھا اور کربلا میں امام مظلوم پر اس کا تشدد حد و اندازہ سے زیادہ تھا۔ یہ شخص واقعہ حرہ کے مظالم میں پیش پیش تھا اور ابن زبیر کے ساتھ جنگ میں بیت اللہ کی توہین میں یہ حرامزادہ نمایاں کردار کا مالک تھا۔

شرجیل بن ذی الکلاع

حصین بن نمیر کے قتل کے بعد تغلبی نوجوان نے شرجیل کو بھی واصل جہنم کیا یہ بھی رئیس فوج تھا۔ اور اب تو لڑائی کی گھما گھمی حد سے بڑھ گئی اور لوہے پر لوہے کی آواز آہن گروں کے بازار کی یاد کو تازہ کر رہی تھی۔ گرز گرز پر، نیزہ نیزہ پر اور تلوار تلوار پر پڑ رہی تھی طرفین کے نعروں سے فضا میں ایک قیامت کی گونج تھی اور گرد و غبار کی کثرت فلک نیگوں پر پردہ ڈال چکی تھی اور دن کو رات دکھائی دیتی تھی۔ ہر طرف سے خون کی نہریں جاری تھیں۔ ابراہیم بن مالک خود مصروف جنگ تھا اور دوران جنگ میں خود سر سے بلند کر کے آواز دی۔ اے اللہ کی فوج ہوشیار رہو یہ سن کر مختار کی فوج میں جوش تازہ ہوا۔ فلک شگاف نعرہ تکبیر اور اشارہ سے ادا کی گئی پس ابراہیم کی فوج شامی فوج پر چھا گئی اور کشتوں کے پشتے لگ گئے شامیوں کے قدم اکھڑ گئے اور موصل کی جانب بھاگ کھڑے ہوئے اور ابراہیم شیر غضبناک کی طرح حملہ پر حملہ کر رہا تھا اور شامی فوج ٹڈی دل کی مانند متفرق ہو رہی تھی۔ شامی سپاہی خوف وہراس سے اپنے آپ کو نہر خازر میں گراتے تھے کہ تلواروں سے مارے جانے والوں کی تعداد سے ڈوب کر مرنے والوں کی تعداد زیادہ ہو گئی۔ ابراہیم کی فوج کو بہت زیادہ غنیمت ہاتھ آئی۔

ابن زیاد لعین

جب لڑائی کا غبار ختم ہوا۔ اور جنگ و جدال کی آتش فرو ہوئی تو ابراہیم نے فرمایا میں نے نہر خازر کے کنارے ایک ایسے شخص کو قتل کیا ہے جو تنہا جھنڈے کے نیچے تھا اور اس سے خوشبو کستوری کی آ رہی تھی اور غالباً ابن زیاد ہی ہوگا چنانچہ جب تلاش کیا گیا تو وہ واقعی عبیداللہ بن زیاد ہی نکلا پس ابراہیم سجدۂ شکر میں گر گیا اور اس کے بعد ابن زیاد کا سر قلم کر کے اس کے جسم کو الٹا سولی پر لٹکا دیا گیا اور آگ میں جلا دیا گیا اس کے بعد حصین بن نمیر کا سر ابن زیاد کا سر اور دوسرے سرداران لشکر شام کے سر مختار کی طرف روانہ کئے گئے اور ابن زیاد کو

بروز عاشورا سنہ ۶۷ھ میں قتل کیا گیا۔

جب ابن زیاد کا سر مختار کے سامنے رکھا گیا تو مختار اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے جوتے سے اس ملعون کے منہ کو رگڑا ، پھر جوتا اتار کر غلام کی طرف پھینکا کہ اس کو پاک کرے کیونکہ ایک کافر نجس کے منہ سے لگا ہوا ہے پس اُس کے سر کو اسی مقام پر نصب کیا گیا جہاں امام مظلوم کے سر پاک کو نصب کیا گیا تھا فوراً ایک سانپ ظاہر ہوا جو اس ملعون کے منہ میں داخل ہو کر ناک کی سوراخ سے نکل آیا اور تین دفعہ ایسا کرنے کے بعد وہ غائب ہو گیا۔ اس کے بعد اس ملعون کے سر بخس اور باقی سروں کو رحبۂ کوفہ میں نصب کیا گیا چنانچہ پھر سانپ نمودار ہوا اور باقی سروں کو چھوڑ کر ابن زیاد کے سر کے پاس آیا اور منہ سے داخل ہو کر سوراخ بینی سے نکلا اور کئی بار ایسا کیا۔

امیر مختار نے ان سروں کو اسی ہزار دینار کے ہمراہ حضرت محمد بن حنفیہ کی خدمت میں بھیجا اور اس مضمون کا ایک خط لکھا ، "میں نے آپ کے انصار اور شیعوں کو آپ کے دشمنوں کے مقابلہ میں بھیجا پس وہ خوشنودی خدا کی خاطر نکلے۔ ان لوگوں کو قتل کر ڈالا پس اللہ کی حمد ہے جس نے آپ لوگوں کا بدلہ لیا اور آپ کے دشمنوں کو ہر جگہ ذلیل و رسوا کیا اور مومنوں کے دلوں کو شفا بخشی۔

محمد بن حنفیہ نے خط پڑھا اور سجدہ شکر ادا کیا اور مختار کے حق میں دعائے خیر کی اور ابراہیم بن مالک اشتر کے حق میں بھی دعا فرمائی پھر یہ سر امام زین العابدین کی خدمت میں بھیجے اس وقت امام مکہ میں تشریف فرما تھے اور جب سر پہنچے تو امام کھانا تناول فرما رہے تھے آپ نے سجدۂ شکر کیا اور فرمایا اللہ کی حمد ہے جس نے میرے دشمن سے میرا بدلہ لیا اور فرمایا کہ خدا مختار کو جزائے خیر دے کیونکہ جب ہمیں ابن زیاد کے پیش کیا گیا تو یہ ملعون کھانا کھا رہا تھا اور میرے بابا کا سر اس کے سامنے رکھا ہوا تھا پس میں نے دعا کی تھی اے پروردگار! اس وقت تک مجھے موت نہ آئے جب تک ابن زیاد کے سر کو اپنے سامنے دیکھ نہ لوں۔

حجۃ الاسلام علامہ سید محسن عاملی سے کتاب "اصدق الاخبار ص ۸" پر مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا واقعہ ہائلہ کربلا کے بعد کسی ہاشمیہ عورت نے آنکھ میں سرمہ نہیں لگایا تھا اور نہ مہندی لگائی تھی اور پانچ برس تک ان کے گھروں سے کھانا پکانے کے لئے دھواں نہیں نکلا تھا یہاں تک کہ عبید اللہ بن زیاد قتل ہوا نیز حضرت فاطمہ بنت امیر المومنین علیہ السلام فرماتی ہیں۔ ہم میں سے کسی عورت نے نہ آنکھ میں سرمہ لگایا ، نہ مہندی لگائی اور نہ کنگھی کی یہاں تک کہ ابن زیاد قتل ہوا۔

شہادتِ مختار

امیرِ مختار نے کوفہ کی حکومت سنبھالنے کے بعد اٹھارہ ماہ کے عرصہ میں قاتلینِ امامِ مظلومؑ میں سے اٹھارہ ہزار ملاعین کو تہ تیغ کیا اگر ان کو ساتھ ملایا جائے جنہیں ابراہیم بن مالک اشتر نے نہرِ خازر کے کنارے پر قتل کیا تھا تو مقتولین کی کل تعداد ستر ہزار سے بڑھ جاتی ہے۔ اس دوران میں عبداللہ بن زبیر مکہ میں اور اس کا بھائی مصعب بن زبیر بصرہ میں ظاہراً خاموش تماشائی بنے رہے۔ اور اندرونی طور پر وہ مختار کے فعل پر راضی تھے کیونکہ بنی اُمیہ ابن زبیر کے دشمن تھے

نہرِ خازر کے واقعہ کے بعد مصعب بن زبیر نے سات ہزار فوجی سپاہی لے کر مختار پر چڑھائی کی۔ مختار کو جب اطلاع پہنچی تو اس نے ایک خطبہ میں کوفیوں سے خطاب کیا۔ اے اہلِ کوفہ تمہارے اس شہر کے باشندوں نے بغاوت کر کے تم پر چڑھائی کی ہے جس طرح وہ اس سے قبل فرزندِ پیغمبر کو قتل کر چکے ہیں۔ اب وہ ابن زبیر کیساتھ ملکر تمہارے قتل کے درپے ہیں لہٰذا ان کے مقابلہ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ پس چار ہزار جنگی مرد تیار ہو گئے اور حمام اعین کے نزدیک دونوں فوجوں نے ایکدوسرے کے بالمقابل پڑاؤ کیا۔ مصعب نے مختار کو عبداللہ بن زبیر کی دعوت دی مختار نے جواباً ہم دونوں کو چاہیئے کہ خونِ حسینؑ کا انتقام لیں۔ اور ایک مجلسِ شوریٰ کے ذریعے اپنا سربراہ تجویز کر لیں پس جس کو آلِ محمدؐ سربراہ مقرر فرمائیں اسکو تسلیم کر لیں اور اس کے ماتحت رہ کر کام کریں لیکن اس تجویز کو مصعب نے تسلیم نہ کیا اور آخر کار لڑائی چھڑ گئی مختار کی فوجوں نے شکست کھائی اور مختار اپنے ساتھیوں سمیت کوفہ کے دارالامارہ میں محصور کر دیا گیا۔

مختار کو اپنی موت کا یقین تھا اس نے اپنی زوجہ ام ثابت کو وداع کیا غسل کر کے اپنے بدن پر خوشبو لگائی اور حنوط کر کے دارالامارہ سے باہر نکلا جہاد کر کے جامِ شہادت نوش کیا اس کا سر قلم کر کے مصعب کی طرف بھیجا گیا یہ واقعہ ۶۷ھ کا ہے۔

مختار کے متعلق عقیدہ

مختار اچھے اعتقاد کا مالک تھا اور واقعات بتلاتے ہیں کہ وہ محبِ اہلبیت اور خالص و مخلص شیعہ علی تھا آقا شیخ ذبیح محلاتی فرماتے ہیں کہ مختار کے دورِ زندگی پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ محبت و ولائے اہلبیت میں فنا کے درجہ تک پہنچا ہوا تھا اور ابتدائے عمر سے اس کو خاندانِ عصمت کے ساتھ وابستگی تھی۔ نیز اس کا علم و کمال حضرت محمد بن حنفیہ اور حضرت عبداللہ بن عباس کی شاگردی کا رہینِ منت تھا اور خاندانِ بنی اُمیہ سے اُس کو

حبشہ سے دشمنی تھی خلاصہ یہ کہ مختار صحیح الاعتقاد شیعہ تھا واللہ اعلم۔

اکثر علمائے اعلام نے اعتراف کیا ہے کہ مختار حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام کی امامت کا قائل تھا مثلاً محقق اردبیلی اعلی اللہ مقامہ نے حدیقۃ الشیعہ میں۔ علامہ حلی اعلی اللہ مقامہ نے خلاصہ میں۔ ابن نما اعلی اللہ مقامہ نے ذوب النظار میں۔ قاضی نور اللہ تستری اعلی اللہ مقامہ نے مجالس المومنین میں۔ علامہ خوئی اعلی اللہ مقامہ نے شرح نہج البلاغہ جلد ثانی ۲۸۸ پر علامہ سید محسن عاملی اعلی اللہ مقامہ نے اصدق الاخبار میں۔ اور ان کے علاوہ رجال ابن داؤد، رجال ابو علی، رجال کشی، نقض الفضائح مصنفہ شیخ عبد الرزاق رازی، تنزیہ المختار مصنفہ سید عبد الرزاق مقرم، رجال ماسقانی اور منتہی المقال حائری وغیرہ میں اس امر کی تصریح موجود ہے۔ علی ما حکی۔

اور بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ اگر مختار کا عقیدہ و مذہب درست نہ ہوتا تو امام اس کے حق میں رحمت کی دعا نہ کرتے کیونکہ اگر کوئی عالم کسی شخص کے حق میں رحمت کی دعا کرتے ہیں تو اس سے اس شخص کا مومن ہونا سمجھا جاتا ہے تو اگر کسی کے حق میں امام معصوم رحمت کی دعا کرے اور بار بار کرے تو پھر اسکے ایمان میں کیا شک ہو سکتا ہے؟

بہرکیف علماء کی ایک جماعت مختار کی مداح ہے اور علامہ مجلسی اعلی اللہ مقامہ نے مختار کے متعلق دو طرف کے قول کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ چونکہ مختار کے ہاتھوں ایک خیر کثیر کا کام سرزد ہوا ہے اس لئے امید کی جاسکتی ہے کہ وہ ناجی ہی ہوگا۔ (جلاء العیون)

احادیث در مدح مختار

(۱) بروایت رجال کشی امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے لَا تَسُبُّوا الْمُخْتَارَ فَاِنَّهٗ قَتَلَ قَتَلَتَنَا وَطَلَبَ بِثَارِنَا وَزَوَّجَ اَرَامِلَنَا وَقَسَمَ فِيْنَا الْمَالَ عَلَى الْعُسْرَةِ۔ ترجمہ۔ مختار کو گالی نہ دو کیونکہ اس نے ہمارے قاتلوں کو قتل کیا ہے اور ہمارا بدلہ لیا ہے اور ہماری بیواؤں کی شادی کرائی ہے اور ہم میں تنگدستی کی حالت میں مال تقسیم کیا ہے۔ یہ روایت صاف بتلاتی ہے کہ امام معصوم مختار کے فعل پر دل وجان سے راضی تھے۔

(۲) بحار الانوار میں بروایت رجال کشی منقول ہے ایک مرتبہ عید قربان کے دن مختار کا لڑکا حکم امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا امام نے دریافت کیا کہ تو کون ہے اس نے جواب دیا میں مختار کا لڑکا حکم ہوں آپ نے اس کو زیادہ قریب کیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضور اس کو اپنی گود میں بٹھانا چاہتے ہیں پس اس نے عرض کی حضور لوگ میرے باپ کو برا بھلا کہتے ہیں ان کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے کیونکہ میں آپ کے فرمان کو آخری

فیصلہ سمجھتا ہوں۔ آپ نے پوچھا کہ لوگ تیرے باپ کو کیا کہتے ہیں تو اس نے جواب دیا کہ کہتے ہیں وہ جھوٹا اور کذاب تھا آپ نے فرمایا سبحان اللہ! میں نے اپنے والد سے سنا ہے کہ میری والدہ کا حق مہر ان روپوں سے تھا جو مختار نے ہماری طرف بھیجے تھے مختار نے ہمارے گھروں کو آباد کیا اور اس نے ہمارے دشمنوں کو قتل کیا ہے اور ہمارے خون کا بدلہ لیا پھر فرمایا خدا مختار پہ رحمت نازل فرمائے۔ یہ روایت صاف طور پر دلالت کرتی ہے کہ مختار مرد مومن تھا اور اس کا فعل امام کی نظر میں درست تھا اور امام کا اس کے حق میں رحمت کی دعا کرنا اسکے مومن ہونے کے لئے کافی وعوانی ہے اور مرزا حبیب اللہ خوئیؒ نے شرح نہج البلاغہ جلد ۱۵ صفحہ ۵۵ پر اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ مختار کی فضیلت کے لئے صرف یہی حدیث کافی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ مختار نے جو آلِ محمدؐ کی مالی اعانت کی ہے یہ رقم بھی تو وہی ہے جو مختار کی فوجوں نے دشمنانِ دین کو شکست دیکر بذریعہ غنیمت حاصل کی تھی یا جن لوگوں کے گھروں کو مختار نے تاخت و تاراج کیا تھا ان سے درآمد شدہ مال تھا پس آلِ محمدؐ کے نزدیک اس مال کی پذیرائی بلکہ اس پر مدح گستری صاف بتلاتی ہے کہ مختار کا جہاد شرعی تھا اور امام وقت اس پر رضامند تھے پس اس لحاظ سے مختار کی موت یقیناً موت شہادت ہوتی ہے اور مختار کے ناجی ہونے میں کوئی شک و شبہ بھی باقی نہیں رہتا۔

(۳) جب ابن زیاد کا سر امام زین العابدین علیہ السلام کے پاس پہنچا تو امام نے سجدۂ شکر کیا اور فرمایا جزا اللہ المختار خیراً۔ خدا مختار کو جزائے خیر دے۔ امام کی مختار کے حق میں یہ دعا مختار کے مومن ہونے کی شاہد ہے۔

(۴) بروایت رجال مامقانی امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ مجھ سے اپنے والد ماجد نے فرمایا کہ جب کبھی مختار کی آمد ہوتی تھی تو حضرت فاطمہ بنت امیر المومنین مختار کے لئے بستر درست کرتی تھیں اور اس کے لئے سرہانہ مہیا فرماتی تھیں (یعنی اس کی مہمان نوازی یہ مخدومہ خود کرتی تھیں) کیونکہ اس نے ہمارا بدلہ لیا ہے۔

(۵) بروایت رجال کشی اصبغ سے منقول ہے۔ کہتا ہے میں نے مختار کو بچپنے میں دیکھا کہ حضرت امیر علیہ السلام اس کو اپنے زانوئے پاک پر بٹھا کر اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہے تھے اور فرما رہے تھے۔ یا کیس یا کیس۔ یعنی اے دانائے دانا (کیس کا معنی ہے دانا)۔ اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ مختار بچپنے سے ہی اہل بیت کو محبوب و پیارا تھا۔

(۶) بروایت کشی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے مَا امْتَشَطَتْ مِنَّا هَاشِمِيَّةٌ وَلَا اخْتَضَبَتْ حَتّٰى بَعَثَ اِلَيْنَا الْمُخْتَارُ بِرُؤُسِ الَّذِيْنَ قَتَلُوا الْحُسَيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ یعنی ہم میں سے کسی ہاشمی عورت نے سر پر کنگھی نہیں پھیری اور نہ مہندی لگائی جب تک کہ مختار نے قاتلینِ حسینؑ کے سر نہیں بھیجے اور جناب فاطمہ بنت امیر المومنین علیہ السلام سے بھی اسی مضمون کی حدیث وارد ہے۔ جو پہلے کہیں ذکر

کی جا چکی ہے ۔ بہر کیف مختار کی خدمات کا آلِ محمدؐ اعتراف کرتے تھے ۔ اور اس سے نہایت خوشنود و خورسند تھے ۔ حتیٰ کہ حضرت محمدؐ بن حنفیہ نے فرمایا کہ حضرت عبدالمطلب کی اولاد کے ہر فرد کی گردن پر مختار کا احسان اور حق ہے ۔ خدا مختار پر رحم کرے ۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مومن کو خوش کرنا بہت سی نیکیوں کے مقابلہ میں خدا کو محبوب تر ہے ۔ کسی عسرت زدہ مومن کو خوشحال کرنا اور کسی مصیبت زدہ مومن کے لئے دلجوئی کے اسباب مہیا کرنا اللہ کے نزدیک بہت بڑا کارِ خیر ہے ۔ پس جب ایک مومن سے حسنِ سلوک کی یہ حالت ہے تو جو مومنوں کے سردار و امام ہیں اگر کوئی شخص حالت عسرت میں ان کی خبر گیری کرے حالت کس مپرسی میں ان کی دلجوئی کرے ان کے شکستہ دلوں پہ مرہم لگائے ۔ ان کے غم و اندوہ کو کم کرے ۔ ان کے دکھ درد کا علاج کرے اور ان کے دشمنوں سے انتقام لے کر انکے غم زدہ دلوں کو شاداں کرے اور چھ سال کے طویل عرصہ سے گریاں آنکھوں کے سامنے نوید مسّرت لائے تو اس سے بڑھ کر اور نیکی کیا ہو سکتی ہے یقیناً ایسا شخص ناجی اور جنتی ہے ۔

قول مخالف کی تردید

خانوادۂ عصمت سے متحارب گروہ نے جس طرح اہل بیتِ اطہار کے دامنِ عصمت کو بعض اوقات اپنی من گھڑت اور بے سروپا داستانوں کی بدولت داغدار کرنے کی کوشش کی ہے ۔ اسی طرح انہوں نے اپنی خانہ ساز احادیث کے بل بوتہ پر اہل بیت کے ساتھ تمسک رکھنے والے بعض ممتاز کارکن افراد کے دامنِ شرافت کو بُری طرح ملوث کرنے کی سعی نا مشکور میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ۔

اور ابتدائی اموی دور اس جانبدارانہ دینی پالیسی کے جنم کا موجب تھا ۔ اس کے بعد حزب اقتدار نے حزب اختلاف پر ہر دور میں اپنی وسعت بھر کیچڑ اچھالا ۔ حتےٰ کہ صاحبانِ اقتدار کے ہر غلط سلط اقدام کو دینی اقدار کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی گئی اور اہل بیت اور ان کے نام لیواؤں کی ہر بات کو ناجائز اور غلط رنگ میں عوام کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ۔

چنانچہ وہ صحابی رسولؐ جس کی صداقت کے متعلق زبانِ رسالت سے یہ اعلان صادر ہوا کہ پشتِ زمین پر سقفِ نیلگوں کے نیچے کسی ماں نے ابوذر سے سچا بچہ نہیں جنا چونکہ یہ بزرگوار صاحبانِ اقتدار کے خزانہ جمع کرنے کیخلاف پُرزور احتجاج کرتا تھا لہٰذا خانوادۂ رسالت سے برسرِ پیکار جماعت نے اس بزرگوار کو کمیونزم کا حامی د

محرک قرار دیا۔ اسی طرح حضرت سید الشہداء کے خون کو دبانے کی خاطر اور یزید و ابن زیاد کو بری الذمہ ثابت کرنے کی غرض سے حضرت علی کے بعض شہزادوں کو حسینی مشن کے مخالف ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی اور لکھ دیا کہ عمر بن علی حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد امام حسین کو ہی اس معاملہ میں قصور وار سمجھتے تھے حالانکہ ہم نے متعدد علمائے شیعہ کی تصانیف سے ثابت کیا ہے کہ یہ بزرگوار شہدائے کربلا میں سے تھے۔

پس اسی قسم کے بے سرا پا اتہامات والزامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مختار معاذ اللہ دین اہل بیت سے منحرف تھا یا یہ کہ وہ محمد بن حنفیہ کی امامت کا قائل تھا وعلی ہذا القیاس۔ چنانچہ تاریخ طبری صد۹ سے منقول ہے کہ جب امام حسن علیہ السلام زخمی ہو کر مدائن میں سعد بن مسعود ثقفی کے پاس پہنچے جو آپ کی جانب سے مدائن کا گورنر تھا تو مختار نے جو اس وقت ابتدائے شباب میں تھا اپنے چچا سعد بن مسعود سے کہا کہ امام حسن کو گرفتار کر کے معاویہ کے حوالے کیا جاوے تاکہ وہ اس کے بدلہ میں عراق کی حکومت دے دے پس اس کو چچا نے لعن وطعن کیا اور بعض شیعوں نے اس کے قتل کا ارادہ کیا لیکن اس کے چچا کی سفارش سے اس کو معاف کر دیا گیا۔

یہ روایت چند وجوہ سے غلط اور خود ساختہ ہے (۱) علمائے شیعہ کے نزدیک تاریخ طبری ناقابل اعتبار ہے اور اس میں اکثر مطالب غلط اور بے بنیاد درج ہیں۔ چنانچہ یہ بھی انہی میں سے ایک ہے (۲) اس کا راوی مجہول ہے جس کا کتب رجال میں کہیں نام ونشان تک نہیں (۳) اس روایت میں ہے کہ مختار اس وقت اول شباب میں تھا۔ حالانکہ اس کی ولادت سلہ میں ہے اور یہ واقعہ سلہ کا ہے پس مختار کی عمر اس وقت تقریباً چالیس برس تھی لہٰذا اس کو نوجوان کہنا درست نہیں۔ کیونکہ وہ اس وقت پورا آزمودہ کار جوان تھا۔

(۴) اس کے مقابلہ میں کامل بہائی سے ایک روایت منقول ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ کا غلام قنبر مدائن میں آیا تو اس کے پاس ایک شیشی تھی جس میں زہر تھا اور ایک خط تھا جو امام حسن علیہ السلام کے ایک غلام اسماعیل نامی کو لکھا گیا تھا۔ قنبر نے بیان کیا کہ میں نے راستہ میں ایک شخص کو مقتول پایا ہے جس کے قریب توبرہ میں یہ شیشی اور خط موجود تھے جن کو میں اٹھا لایا ہوں اس خط میں معاویہ نے اسماعیل کو لکھا تھا کہ امام حسن کے قتل کے لئے میں نے زہر بھیجی ہے لہٰذا تم اس کو قتل کر دو۔ امام حسن نے وہ خط پڑھ کر سرہانے کے نیچے رکھ دیا اور اس کے مضمون کو ظاہر نہ فرمایا لیکن ابن عباس نے اٹھا کر اسے پڑھ لیا۔ مختار کو جب اس مضمون کا پتہ چلا تو وہ اسماعیل کو مجلس سے باہر لے گیا اور اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ یہ روایت پہلی طبری کی مفروضہ روایت سے معارض ہے اور مختار کے ایمان پر دلالت کرتی ہے۔

(۵) طبری والی روایت بنا برصحت کے علمائے شیعہ نے بالفاظ دیگر بیان کی ہے جس سے مختار کی قوت ایمانی پر روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ مختار کی اچھی خو پر پردہ ڈالنے کے لئے بنی اُمیّہ کے وظیفہ خوار ہمیشہ سے اپنے آپ کو وقف رکھتے تھے اور واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا ان کا شیوہ تھا۔ چنانچہ صدوق سے علل الشرائع میں اس طرح منقول ہے کہ معاویہ نے عمرو بن حریث، اشعث بن قیس، حجر بن حارث اور شبث بن ربعی کو جُدا جُدا خطوط لکھے کہ اگر تو نے امام حسن کو قتل کر ڈالا تو میں تجھے دو لاکھ درہم نقد کے علاوہ فوج کی افسری اور اپنی ایک لڑکی نکاح میں دوں گا۔ حضرت امام حسن علیہ السّلام کو چونکہ معلوم تھا لہٰذا آپ ہمیشہ قمیص کے نیچے زرہ پہنے رکھتے تھے۔

پس بنا بر روایت فاضل دہیلی جو انہوں نے کتاب (المختار الثقفی) میں ذکر کی ہے کہ مختار کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں میرا چچا اس حرص و لالچ کے پھندے میں نہ پھنس جائے چنانچہ اسی فکر میں ہی تھا کہ شریک اعور سے اس کی ملاقات ہوئی اور شریک چونکہ مشہور و معروف شیعہ تھا۔ مختار نے اس کے سامنے اپنی تشویش ظاہر کی اور معاویہ کی چالبازی سے اس کو آگاہ کیا اور کہا کہ مجھے خطرہ ہے کہیں میرا چچا معاویہ کے دام تزویر میں نہ پھنس جائے۔ پس شریک نے اس کو مشورہ دیا کہ اس طریقہ سے اس کا امتحان کرو اگر واقعاً لالچ و طمع اس کے دل میں ہوگا تو ظاہر ہو جائے گا پس امام کو کسی دوسری جگہ منتقل کر دیں گے۔ چنانچہ مختار نے اپنے چچا سے کہا کہ امام حسن کو گرفتار کر کے معاویہ کے سپرد کر دیں تاکہ اس کے انعام میں ہمیں عراق کی حکومت دے دے۔ پس اس کے چچا نے اس کو فوراً جھڑک دیا اور مختار کو معلوم ہو گیا کہ میرا چچا لالچ و طمع دنیاویہ میں آ کر گمراہ ہونے والا نہیں ہے۔ پس یہ روایت درحقیقت مختار کی مدح میں تھی اور دشمنان اہل بیت نے مختار کی عظمت کو کم دکھانے کے لئے اس کو توڑ مروڑ کر پیش کیا۔ اور اس طریقہ سے بنی اُمیّہ کے ساتھ اپنی وفاداری کا فریضہ ادا کیا۔

اسی طرح ایک روایت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے کشی میں منقول ہے کہ مختار امام علی زین العابدین علیہ السّلام کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کیا کرتا تھا سو اوّلاً تو اس روایت کے راوی مجہول ہیں اور ثانیاً اکثر روایات سے ثابت ہے کہ مختار امام زین العابدین کی امامت کا قائل تھا اور اس روایت کے مقابلہ میں خود امام جعفر صادق علیہ السّلام سے کشی نے ہی مختار کی مدح نقل کی ہے جس کو اخبار مدح مختار میں چھٹے نمبر پر درج کیا جا چکا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اس قسم کی مفروضہ روایات دشمنان اہل بیت کی اموریت نوازی کا شاخسانہ ہے۔ اسی طرح مختار کا حضرت محمد بن حنفیہ کی امامت کا قائل ہونا بھی کسی اموی خوشامدی زبان کا اگلا ہوا کلمہ ہے جو مدح یزیدی کو خوش کرنے کے لئے الاپا گیا ہے۔

البتہ اس مقام پر دو روایتیں جو امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہیں مختار کے متعلق بدظنی کی موجب ہیں۔

(۱) بروایت تہذیب سند کے ساتھ احمد ابن ہلال بواسطہ ایک گمنام راوی کے امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتا ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ پل صراط پر گذریں گے ان کے پیچھے علیؑ ان کے پیچھے حسنؑ اور ان کے پیچھے حسینؑ ہونگے جب درمیان میں پہنچیں گے تو مختار حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں عرض کرے گا کہ میں نے آپ کے خون کا بدلہ لیا تھا پس حضرت رسالت مآبؐ فرمائیں گے اے حسینؑ! تم اس کی فریاد رسی کرو۔ پس حضرت امام حسین علیہ السلام عقاب تیز پرواز کی طرح جا کر اس کو آتش جہنم سے نکال لائیں گے۔

(۲) بحار الانوار میں سماعہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا کہ بروز محشر حضرت رسالت مآبؐ امیر المومنینؑ اور حسنینؑ دوزخ کے کنارے پر ہوں گے اور جہنم سے ایک آواز آئے گی۔! یا رسول اللہ! میری امداد کیجئے تو آپ اس کو کوئی جواب نہ دیں گے۔ پھر امیر المومنینؑ کو پکارے گا مولا میری مدد کیجئے تو وہ بھی اس کو کوئی جواب نہ دیں گے پھر امام حسینؑ کی خدمت میں عرض کرے گا۔ اے مولا! میں نے آپ کے دشمنوں سے انتقام لیا تھا تو حضرت رسولؐ خدا فرمائیں گے اے بیٹا حسینؑ اس نے تیرے اوپر حجت تمام کر دی ہے پس امام حسینؑ تیز پرواز عقاب کی مانند اس کو آتش دوزخ سے نکال لیں گے۔ سماعہ کہتا ہے میں نے دریافت کیا حضور! وہ شخص کون ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا وہ مختار ہوگا۔ میں نے پوچھا وہ جہنم میں کیوں جائے گا؟ تو فرمایا اس کے دل میں شیخین کی تھوڑی سی محبت تھی اور مجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کو برحق نبی مبعوث فرمایا اگر جبریل و میکائیل کے دلوں میں بھی ان دو کی ذرہ بھر محبت موجود ہو تو خدا ان کو بھی اُلٹے منہ دوزخ میں ڈالے گا۔

یہ روایت منتخب میں بھی مذکور ہے لیکن اس میں اس طرح ہے کہ مختار سلطنت کی محبت رکھتا تھا اور دنیا کی زینت و رونق کا دلدادہ تھا اور دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے کیونکہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے نبی مبعوث فرمایا ہے۔ اگر جبریل و میکائیل کے دل میں دنیا کی ذرہ بھر بھی محبت ہو جائے تو خدا ان کو بھی اُلٹے منہ جہنم میں داخل فرمائے گا۔

پہلی روایت جو تہذیب میں منقول ہے اس کا جواب تو یہ ہے کہ اولاً تو احمد بن ابی ہلال مقبول راوی نہیں ہے جیسا کہ بعض کتب رجال والوں سے منقول ہے اور ثانیاً احمد بن ابی ہلال نے جس سے روایت لی ہے اس کا نام نہیں لیا لہٰذا گمنام شخص کی روایت قطعاً قابل قبول نہیں ہو سکتی جس طرح کہ علمائے اصول کا مسئلہ ہے۔

اور دوسری روایت کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ سماعہ نامی تین شخص ہیں (۱) سماعہ حناط (۲) سماعہ بن عبدالرحمٰن مزنی

(۳) سماعہ بن مہران ۔ پہلا اور دوسرا مجہول الحال ہیں اور تیسرے کے عقیدہ کے متعلق اختلاف ہے بعض اس کو فطحی بعض واقفی اور بعض اثنا عشری کہتے ہیں۔ بنابریں روایت مجہول ہے لہٰذا قابلِ قبول نہیں ہو سکتی۔

اور بالفرض اگر یہ دو حدیثیں صحیح بھی مانی جائیں تب بھی یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ مختار مومن تھا اور صحیح الاعتقاد تھا کیونکہ اگر اس کا اعتقاد فاسد ہوتا تو یقیناً نجات نہ پا سکتا۔ پس کسی وقت بھی اس کا آتشِ جہنم سے نجات پالینا اس کے مومن ہونے کی دلیل ہے۔ ممکن ہے۔ پہلے کچھ عرصہ کے لئے اپنے بعض سابقہ گناہوں کی وجہ سے مستحق جہنم قرار دیا گیا ہو اور پھر امام حسینؑ کی شفاعت سے نجات حاصل کرے جس طرح بعض دوسرے گنہگار شیعوں کا بھی یہی حال ہوگا۔

بعض دشمنانِ دین نے یہ بھی مشہور کیا ہوا ہے کہ مختار نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور وہ کہتا تھا کہ مجھے وحی ہوتی ہے۔ دروغ گو را حافظہ نہ باشد۔ ایک طرف کہتے ہیں کہ مختار محمد بن حنفیہ کی امامت کا قائل تھا اور لوگوں کو اس کی امامت کی طرف راغب کرتا تھا اور دوسری طرف یہ کہ وہ خود اپنی ذات کے لئے نبوت کا مدعی تھا۔ خیال کیجئے جو شخص خود اپنی نبوت کا قائل ہو وہ کسی دوسرے کی امامت کا پرچار کیونکر کر سکتا ہے نیز کہتے ہیں مختار کا ایک غلام تھا جس کا نام جبریل تھا پس جب کہتا تھا کہ مجھے جبریل نے خبر دی ہے تو لوگ سمجھتے تھے کہ وہ وحی کا دعوےٰ کر رہا ہے بہرکیف مختار کے متعلق اس قسم کی افواہیں دشمنانِ اہل بیت کے تعصب کی پیداوار ہیں۔ ان کو درخورِ اعتنا نہ سمجھنا چاہیئے اور یہی عقیدہ درست ہے کہ مختار پکا شیعہ اور موالی تھا۔ البتہ ہم اس کو معصوم نہیں تسلیم کرتے کہ اس سے کبھی گناہ سرزد بھی نہ ہوا ہو بلکہ وہ مومن تھا۔ محبِ اہل بیت تھا اور اس نے اہل بیت کے افسردہ اور غمزدہ دلوں کو خوشنود کیا اور اس کی یہ نیکی بہت سی نیکیوں سے بڑھ کر ہے۔

شیخ عباس قمی اعلی اللہ مقامہ نے منتہی الآمال میں فرمایا ہے کہ مختار نے امامؑ کے قلبِ مبارک کو شاد کیا بلکہ مصیبت زدہ اور شکستہ دل سادات اور آلِ پیغمبرؐ کے ایتام و ارامل کے زخمی دلوں پر مرہم لگائی اور ان کو خوشحال و خوشنود کیا جو پانچ سال کے طویل عرصہ سے سوگواری اور آہ و زاری میں شب و روز بسر کر رہے تھے اور صرف بطریق ظاہرداری ان کا شریکِ غم نہیں ہوا بلکہ ان کی تسلی خاطر اور سکون نفس کے موجب ہونے کے علاوہ ان کے گھروں کو آباد کیا اور مالی امداد سے ایک بڑی حد تک ان کی دستگیری کی۔

کتب معتبرہ میں وارد ہے کہ ایک مسلمان کا ہمسایہ ایک کافر تھا اور وہ ہمیشہ مسلمان کے ساتھ نیکی برتتا تھا جب اس کافر پر موت آئی تو حسبِ وعدہ پروردگار دوزخ میں بھیجا گیا۔ خداوند کریم نے آگ کے درمیان اس

کے اردگرد ایک پردہ بنا دیا کہ اس پر آگ اثر نہ کر سکے اور اس کے رزق کا انتظام بھی علیحدہ فرما دیا اور اس کو کہا گیا کہ اپنے مسلمان ہمسایہ سے نیکی کرنے کا یہ تجھے بدلہ دیا جا رہا ہے پس جب ایک کافر مسلمان پر احسان کرے، تو اس کے عوض میں آتشِ جہنم سے اس کو بچا لیا جاتا ہے تو جو شخص آلِ محمدؐ پر احسان کرے اور ان کی مصیبتوں کا علاج کرے وہ کس طرح دوزخ میں ڈالا جا سکتا ہے پس ثابت ہوا کہ مختار ناجی ہے اور اس کا فعل اہلبیت کی بارگاہ میں مقبول ہے بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ جو کچھ مختار نے کیا اگر کسی انسان سے اس کے فعل کا عشر عشیر بھی صادر ہو جاوے تو وہ اس کی نجات کے لئے کافی ہے۔

حضرت قنبرؓ غلام امیر المومنین علیہ السّلام

بنا بر مشہور مختار کی طرح قید میں تھے اس لئے واقعہ کربلا میں شریک نہ ہو سکے۔

پانچواں باب

حضرت محمدؐ بن امیر المومنین علیہ السلام معروف بہ محمدؐ بن حنفیہ

آپ کی والدہ ماجدہ کا نام خولہ تھا جو ایاس بن جعفر کی دختر تھیں۔

آپ کا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم تھی۔ فرسان الہیجا میں ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسالت مآبؐ نے خولہ کی طرف دیکھ کر فرمایا یا علی اگر اس بیوی سے خدا تجھے لڑکا دے تو اس کا نام میرے نام سے رکھنا اور اس کی کنیت میری کنیت قرار دینا پس حضرت رسالت مآبؐ کا نام و کنیت سوائے محمد بن حنفیہ کے کسی کے لئے جائز نہیں سوائے بارہویں امام کے۔

ایک دفعہ طلحہ نے حضرت علی کو طعنہ دیا کہ آپ نے جرأت کی ہے کہ اپنے لڑکے کا نام اور کنیت حضرت رسولؐ خدا کے نام اور کنیت کے موافق تجویز کی ہے تو حضرت علی نے فرمایا جری وہ ہے جو خدا اور رسول پر جرأت کرے پھر چند صحابہ کو بلوا کر ان سے دریافت کیا کہ تم لوگ گواہ نہیں ہو کہ حضرت رسولؐ خدا نے مجھے اجازت دی تھی کہ اپنے لڑکے کا نام اور کنیت انہی کے نام اور کنیت سے رکھوں پس تمام نے گواہی دی کہ واقعی حضرت رسالت مآبؐ نے حضرت علی کو اجازت دی تھی۔

ابن صفوری کی کتاب صفوۃ الصفوہ سے بروایت محمد بن حنفیہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ میں نے حضرت رسالت مآبؐ سے دریافت کیا تھا کہ اگر میرا لڑکا پیدا ہو تو کیا میرے لئے جائز ہے کہ اس کا نام اور کنیت آپ کے نام اور کنیت کے موافق رکھ لوں تو آپ نے فرمایا ہاں۔

آپ کی ولادت ۱۵ھ کو ہوئی بنا بر مشہور۔ اور وفات ۸۱ھ عبدالملک بن مروان کے زمانِ حکومت میں ہوئی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے پس بنا بر مشہور آپ کی عمر شریف ۶۶ برس تھی تقریباً۔

محمدؒ بن حنفیہ کی شجاعت

کتب سیر و تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اپنے پدر بزرگوار کے بعد شجاعت میں محمد بن حنفیہ اپنی نظیر آپ ہی تھا فن سپہ گری اور حرب و ضرب میں اپنے باپ حضرت امیرؑ کا شاگرد تھا۔ کتاب نہایہ ابن اثیر سے منقول ہے کہ محمد بن حنفیہ سادات قریش اور شجاعانِ نامور میں سے تھا۔

کتاب مستطرف کی جلد اول سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ایک زرہ خریدی تھی اور وہ قدرے لمبی تھی اس کو کچھ چھوٹا کرانا مقصود تھا تو محمد بن حنفیہ نے حاضر ہو کر عرض کی بابا جان! جس قدر نا مناسب ہے اس پر نشان کر دیجئے۔ پس حضرت امیرؑ نے نشان کر دیا اور محمد نے اس کو پکڑ کر اپنے ہاتھوں سے زائد مقدار کو الگ کر کے رکھ دیا۔ عبد اللہ بن زبیر جب اس واقعہ کو نقل کرتا تھا تو اس کے جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی تھی

ایک دفعہ بادشاہِ روم نے دو پہلوان معاویہ کے دربار میں بھیجے ایک بہت قد آور تھا اور دوسرا بڑا زور آور تھا۔ معاویہ نے سمجھا کہ شاہ روم نے فخر و مباہات کے طور پر ان دونوں کو میرے پاس بھیجا ہے پس قد آوری میں تو اس پہلوان کے مقابلہ میں ہمارے پاس قیس بن سعد موجود ہے لیکن زور آور اس پہلوان کے مقابلہ میں کس کو تلاش کریں؟ اس تحیر میں تھا کہ عمرو بن عاص نے کہا علی کا شیر فرزند محمد بن حنفیہ جو موجود ہے چنانچہ معاویہ نے قیس بن سعد اور محمد بن حنفیہ کو بلوا لیا۔ پس قیس چونکہ بہت لمبی قد رکھتا تھا۔ اس کا زیر جامہ جب رومی دراز قد کو پہنایا گیا تو اس کو سینہ تک آگیا اور وہ شرمندہ ہوا۔ جب دوسرا پہلوان محمد بن حنفیہ کے مقابلہ میں آیا تو محمد نے اس سے فرمایا دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کرے یا تو تو بیٹھ جا اور میں تجھے اٹھاتا ہوں یا میں بیٹھتا ہوں اور تو مجھے اٹھا لے۔ پس رومی بیٹھ گیا اور محمد نے پہلی جنبش سے اس کو بلند کر لیا پھر محمد بیٹھا تو رومی نے ہر چند کوشش کی لیکن محمد کو اپنی جگہ سے سر مو نہ بلند کر سکا۔ پھر آپ نے فرمایا میں کھڑا ہوتا ہوں تو مجھے زمین پر بٹھا دے یا تو کھڑا ہو جا اور میں تجھے زمین پر بٹھاتا ہوں چنانچہ رومی کھڑا ہو گیا اور محمد بن حنفیہ نے اپنے ہاتھ سے اس کے کندھے پر زور دیا تو وہ فوراً بیٹھ گیا اس کے بعد آپ کھڑے ہو گئے تو رومی نے ہر چند اپنے سارے جسم کا زور لگایا لیکن محمد کے جسم میں خم تک نہ آیا پس دونوں رومی پہلوان مغلوب و شرمسار ہو کر واپس پلٹے

جنگ جمل میں محمدؒ بن حنفیہ

کتب معتبرہ سے منقول ہے کہ جنگ جمل کے دن حضرت امیر علیہ السلام نے محمد بن حنفیہ کو اپنے پاس بلایا اور علم فوج اس کے حوالے کیا اور فرمایا

جاؤ بیٹا خوب جنگ کرو اور آگے بڑھ کر عائشہ کے اُونٹ کو تم نے ہی گرانا ہے چنانچہ شیر خدا کے شیر فرزند نے علم تھام لیا اور شعلہ جوالہ کی طرح میدانِ کارزار کا رُخ کیا۔ یہ جاننا چاہیے کہ اس جنگ کے وقت محمد بن حنفیہ کی عمر تقریباً بیس برس تھی اور ابتدائی جوانی کا عالم تھا اور اپنی عمر میں یہ پہلی جنگ تھی جس میں محمد نے حصہ لیا۔ حضرت امیر علیہ السلام اس جنگ میں محمد کو تربیت بھی دیتے رہے اور لڑائی میں بھیجتے بھی رہے گویا یہ جنگ محمد کے لئے فن سپہ گری کی تربیت گاہ تھی۔ جب محمد میدان میں پہنچا تو قبیلہ ازد کا ایک جوان مرد عرصۂ کارزار میں نکلا اور اس نے بنی ازد کو آواز دی یا معشر الازد کروا۔ اے قبیلہ ازد کے جوانو آگے بڑھو تو محمد نے اس کو اس سے مزید کلام کرنے کی مہلت نہ دی ایک ہی ضربت سے اس کا کام تمام کر کے فرمایا یا معشر الازد فرّوا! اے قبیلہ ازد کے جوانو پیچھے بھاگو۔ پھر شیر غضبناک کی طرح صف ہائے اعداء پر یکبارگی حملہ آور ہوا کر دشمنانِ دین کے ہاتھ اور سر ہوا میں پرندوں کی طرح اڑتے ہوئے نظر آتے تھے میدان میں سواروں اور پیادوں کی لاشوں کے انبار لگ گئے۔ شیر خدا کے شیر فرزند کی جوانی کے سامنے جوانیاں سربسجود ہوتی نظر آرہی تھیں آپ کی تلوار شہسوار سوار و راہوار دونوں کے پار ہو کر خونِ اعداء میں بار بار سیراب و سرشار ہوتی جا رہی تھی جس طرف کا رُخ کرتے تھے لوگ بھیڑوں کی طرح میدان چھوڑ کر بھاگتے نظر آتے تھے۔ دشمن کی فوج سے عوف قیسی نامی ایک شخص اپنے زورِ بازو پر اتراتا ہوا تلوار کو ہوا میں لہراتا ہوا آگے بڑھا اور رجز خوانی کرنے لگا لیکن شیرِ خدا کے فرزند نے اسے ایک سے دوسرے مصرعہ تک نہ پہنچنے دیا ایک ہی جنبش تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا اور پھر طوفانِ مہیب بن کر لشکر کے میمنہ و میسرہ پہ یکے بعد دیگرے مسلسل حملہ کرتا ہوا آگے بڑھا اور آخر کار دم لینے کے لئے خدمتِ شہِ ولایت میں ایک دفعہ واپس پلٹ آیا۔

محمد بن حنفیہ نے اگرچہ بہت کچھ جوہر شجاعت دکھائے لیکن حضرت شہِ ولایت کے ایک فرمان کی تعمیل نہ ہو سکی تھی اور وہ یہ کہ آپ نے فرمایا تھا عائشہ کے اونٹ پر حملہ کر کے اس کو گرانا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ قبیلہ بنو ضبہ اونٹ کے ارد گرد دیوارِ آہن بن کر کھڑے تھے اور وہ بارش کی طرح تیر برسا رہے تھے۔ محمد نے خیال کیا جب ان کی تیر باری کم ہو گی یا ترکش خالی ہو جائیں گے تو ان کی طرف اقدام کرنا آسان ہو گا لیکن حضرت علی علیہ السلام یہ چاہتے تھے کہ تیر و تفنگ کے درمیان گھس کر حملہ ہو تا لہٰذا جب محمد واپس آئے تو آپ نے فرمایا بے شک تو میرا فرزند ہے اور اس قسم کی شجاعت تجھ سے متوقع تھی لیکن یہ غیر متوقع بزدلی جو میدان سے تجھے واپس لائی ہے تیری مادری کمزوری سے ہے۔

اپنے بابا سے اشارہ پاکر حضرت امام حسن علیہ السلام نے محمدؐ بن حنفیہ کے ہاتھ سے نیزہ لے لیا اور بروایت ابن شہر آشوب لشکرِ عائشہ پر حملہ آور ہو گئے اور برستے ہوئے تیروں میں گھس کر ایسی جنگ کی کہ فوجِ اعداء کے قدم اکھڑ گئے اور میدان خالی ہو گیا۔ پس آپ نے عائشہ کے اونٹ کے پاؤں پر وار کیا کہ وہ گر گیا اور ہودج زمین پر آپہنچا۔ پس واپس اپنے بابا کی خدمت میں پہنچے اور خون آلود نیزہ سامنے آکر پھینک دیا۔ محمد نے اپنے بھائی کی جرأت و شجاعت دیکھ کر شرمساری اور خجالت سے منہ جھکا لیا۔ حضرت امیر علیہ السلام نے اپنے بیٹے محمد کی دلجوئی کے لئے ارشاد فرمایا بیٹا! شرمساری کی کوئی بات نہیں آخر تو میرا فرزند ہے اور حسن رسالت مآب کا فرزند ہے۔

میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ جنگِ جمل حضرت محمد بن حنفیہ کا تربیتی کورس تھا اور حضرت امیر علیہ السلام اپنے فرزند کو جنگ کرنے کا ڈھنگ تعلیم فرما رہے تھے۔ معمولی سی کمزوری کے اظہار پر سرزنش اس لئے فرمائی کہ یہ پہلی جنگ تھی اور پہلی غلطی پر شاگرد کو ٹوک دینا اس کے آئندہ سنبھل جانے کے لئے ممیز ہوا کرتی ہے لیکن برعکس اس کے اگر استاد شاگرد کو پہلی غلطی پر نہ ٹوکے اور درگذر کرے تو پھر شاگرد سے بڑی بڑی غلطیوں کا امکان ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات پھر استاد کی تنبیہات بھی درخورِ اعتنا نہیں قرار پاتیں۔ اور حضرت امام حسن کے مقابلہ میں محمد کی دلجوئی کرنا ضروری تھا تاکہ دل بوجھ نہ محسوس کرے کیونکہ دل میں احساسِ کمتری کا پیدا ہو جانا مردِ میدان کے لئے ناکامی کا پیش خیمہ ہوا کرتا ہے۔

مروج الذہب میں مسعودی نے اس طرح ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام کی فوج کا علم حضرت محمد بن حنفیہ کے ہاتھ میں تھا۔ پس آپ نے محمدؐ کو جنگ کرنے کا حکم دیا۔ محمدؐ نے انتظار کی تاکہ لشکرِ عائشہ کے تیر اندازوں کے ترکش خالی ہو جائیں۔ حضرت امیر علیہ السلام نے سامنے آکر دریافت فرمایا بیٹا! حملہ کیوں نہیں کرتے ہو؟ تو محمدؐ نے عرض کی بابا جان! تیر باران کے خاتمہ کی انتظار کر رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ اے فرزند! تیر و نیزہ میں گھس کر حملہ کرو۔ خود موت تیری ڈھال بن جائے گی۔ پس محمدؐ نے حملہ کیا لیکن تیروں نے آگے نہ جانے دیا۔ پس حضرت علی نے آگے بڑھ کر محمدؐ سے علم لے لیا اور خود حملہ آور ہوئے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ آپ نے یہ اشعار زبان سے جاری کئے ؎

لَا تَحْذَرَنْ فَمَا يُغْنِيكَ حَذَارُ | إِنْ كَانَ حَتْفُكَ سَاقَهُ الْمِقْدَارُ

ڈرو نہیں کیونکہ اگر تقدیر تمہاری موت کو لائی ہے تو یہ ڈرنا تمہیں بچا نہیں سکے گا۔

وَأَرَى الظَّنِينَ عَلَى الْحِمَامِ بِنَفْسِهِ | لَا بُدَّ أَنْ يَفْنَى وَيَبْقَى الْعَارُ

اور جو شخص موت پر اپنے نفس کا بخل کرے آخر مر جائے گا اور عار ہمیشہ رہے گی

لِلضَّيْمِ فِي حَسَبِ الْأَبِيِّ جِرَاحَةٌ هَيْهَاتَ يَبْلُغُ قَعْرَهَا الْمِسْبَارُ

خوددار انسان کے حسب میں بزدلی ایک ایسا زخم ہے جس کی گہرائی ناپ سے باہر ہے

فَاقْذِفْ بِنَفْسِكَ فِي الْمَهَالِكِ إِنَّمَا خَوْفُ الْمَنِيَّةِ ذِلَّةٌ وَصِغَارٌ

پس خطرات کے مقام پر اپنے نفس کو واگذار کر کیونکہ موت کا خوف ذلت اور پستی ہے

وَالْمَوْتُ حَيْثُ تَقَصَّفَتْ سُمْرُ الْقَنَا فَوْقَ الْمُطَهَّمِ عِزَّةٌ وَفَخَارٌ

اور جہاں گندم گوں نیزے ٹوٹ رہے ہوں وہاں جنگی گھوڑے کی پشت پر بیٹھ کر موت کو لینا باعث عزت و موجب فخر ہوا کرتا ہے۔

ابن ابی الحدید سے اس طرح منقول ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام مہاجرین وانصار کی ایک جماعت کے ساتھ جب کہ حسنین اور محمدؐ بن حنفیہ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ بنفس نفیس خود لشکر عائشہ پر حملہ آور ہوئے اور علم محمدؐ کے ہاتھ میں دے کر اس کو ہودج عائشہ کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔ جب دیکھا کہ محمدؐ تیر بارانی سے کتراتے ہوئے دیر کر رہا ہے خود آگے بڑھے اور محمدؐ کے پیچھے سے آ کر اپنا بایاں ہاتھ محمدؐ کے دائیں کندھے پر رکھا اور فرمایا۔ اقدم لا ام لک۔ یعنی آگے بڑھو۔ اس کے بعد محمدؐ جب بھی اس منظر کا تصور کرتے تھے ان کی آنکھوں سے آنسو کا سیلاب امنڈ آتا تھا اور فرماتے تھے وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے جس کو میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ پس حضرت علی علیہ السلام کو محمدؐ کی حالت پر رقت ہوئی لیکن چونکہ بیٹے کی تربیت مقصود تھی پس علم خود اپنے ہاتھ میں تھام لیا اور خود پیش قدمی کے لئے آگے بڑھے اور ایک ہی لمحے میں عائشہ کی فوج کو گذشتہ دفتر کی طرح لپیٹ کر رکھ دیا اور اسی دوران میں کئی مرتبہ تلوار ٹیڑھی ہو گئی تو اپنے زانوئے مبارک پر رکھ کر اس کو سیدھا کر کے پھر استعمال فرماتے رہے۔ کئی مرتبہ حضرت عمار اور مالک اشتر نے ہاتھ جوڑ جوڑ کر عرض کی کہ حضور ہمیں مرتعد دیجئے لیکن آپ نے پرواہ نہ کی۔ علی پورے میدان پر اس طرح چھا گئے کہ ان کے نعرہ کے مقابلہ میں پوری فوجوں کی شور و غل کی آواز گم ہو جاتی تھی اور سارا میدان شہر خموشاں بنا ہوا تھا۔ آپ کی تلوار شرربار بر چہار سو شعلہ جوالہ بن کر دشمنوں کے سروں پر قہر و غضب پروردگار کی بجلیاں گرا رہی تھی۔ نعرہ تکبیر کی دھمک کے ساتھ ساتھ ذوالفقار کی چمک و دمک صاعقہ و برق کی کڑک اور لشک کا سماں پیدا کر رہی تھی۔ زمین کانپ رہی تھی۔ آسمان لرز رہا تھا۔ دشمنوں کے دل دہل رہے تھے اور پتے پانی ہو رہے تھے نہ قدم جمانا مفید نہ قدم اٹھانا سود مند تھا۔ بس موت کا

بازار گرم تھا۔ خازنانِ جہنم اپنا مال اکٹھا وصول کر رہے تھے۔ حضرت امیر کے ہاتھ کا اشارہ تقدیر کی تحریر تھی ملک الموت کارندوں اور اپنی فعال جماعت کے ہمراہ ملٹی بھیجنے میں مصروف تھا اور داروغہ جہنم انہیں وصول کر کے ہاویہ کے وسیع و عریض پنڈال میں جمع کرتا جا رہا تھا۔ ادھر حضرت محمد بن حنفیہ اپنے بابا کی جنگ کا تماشا دیکھ کر سبق حاصل کر رہے تھے ا پس حضرت امیر علیہ السلام تلوار کو نیام میں اٹھل کر کے ایک مرتبہ واپس پلٹے اور محمد سے فرمایا۔

اِطْعَنْ بِهَا طَعْنَ اَبِيْكَ تُحْمَدِ

اس طرح جنگ کرو جس طرح تیرے باپ نے جنگ کیا ہے تب شاباش کے قابل ہو گے۔

لَا خَيْرَ فِي الْحَرْبِ اِذَا لَمْ تُوْقَدِ

وہ لڑائی ہی کیا ہے جس کی آگ کو بھڑکایا نہ جائے۔

بِالْمَشْرَفِيِّ وَالْقَنَا الْمُقَصَّدِ

تلوار آبدار اور مضبوط نیزہ کے ساتھ

پھر آپ نے فرمایا اَلْحِقِ الْاُوْلٰى بِالْاُخْرٰى۔ یعنی اب اس طرح پُرجوش حملہ کرو کہ پہلی کمزوری پر پردہ پڑ جائے مسعودی نے مروج الذہب میں ذکر کیا ہے کہ خزیمہ ذوالشہادتین نے حضرت امیر علیہ السلام سے محمد بن حنفیہ کو علمِ فوج سپرد کرنے کی درخواست کی۔ چنانچہ اب دوبارہ آپ نے علمِ فوج محمد کو عطا فرمایا۔ پس اب کی بار شیرِ خدا کے شیر فرزند نے اپنے باپ کی پوری امنگوں کے ساتھ جو میدان کا رُخ کیا تو طور و طریقہ نرالا تھا تیور بدلے ہوئے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حیدرِ ثانی قضائے آسمانی بن کر لشکرِ عائشہ پر حملہ آور ہو رہے ہیں اور تھوڑی ہی دیر میں پوری زمین منافقوں کے خون سے رنگین ہو گئی اور محمد نے شجاعت و جرأت کا وہ منظر پیش کیا کہ آزمودہ کاران حرب و ضرب کو اس کے سامنے قدم جمانے کی جرأت نہ ہو سکی۔ ایک طرف علی کے خون کا اثر اور دوسری طرف علی کی تربیت کا ثمرہ کیوں نہ ظاہر ہوتا۔ علی جیسے باپ کا محمد جیسا پسر ہو اور علی جیسے استاد کا محمد جیسا شاگرد ہو تو کیوں نہ اس کا ہر اقدام فتح مندی و نصرت کا زینہ ہو۔ پس بیٹے نے باپ کو میدان سرخرو کھایا اور آخر کار لائق باپ کا لائق بیٹا اور شجاع باپ کا شجاع فرزند اپنے مہربان و ذی شان باپ سے خراجِ تحسین حاصل کر کے رہا۔ اور داد شجاعت لے کے رہا بلکہ صحابہ رسول مہاجرین و انصار پر اپنی شجاعت و جوانمردی کا لوہا منوا کے رہا جبھی تو اختتامِ جنگ پر خزیمہ بن ثابت ذوالشہادتین صحابیٔ رسولؐ نے خدمت شہ ولایت میں عرض کی کہ مولا: اگر آج محمد بن حنفیہ کے علاوہ کوئی دوسرا سالارِ فوج ہوتا تو ہمیں شکست کا منہ دیکھنا پڑتا۔ اور ایک گروہ انصار نے عرض کی مولا: ہم تسلیم کرتے

ہیں کہ حسنین جناب رسالتمآبؐ کے فرزند ہیں اور امام ہیں ورنہ ہمارے نزدیک پورے عرب میں محمد بن حنفیہ کا کوئی فرد و بشر ہمسر نہیں ہے آپ نے فرمایا حسنین شریفین بمنزلہ شمس و قمر ہیں اور محمد بن حنفیہ ان کے مقابلہ میں ایک ستارہ ہے۔ اور حسنین کی فضیلت سے محمد کی کسر شان نہیں ہے۔ اور محمد کی فضیلت اپنے مقام پر ثابت ہے۔ بے شک وہ لڑائی میں ثابت قدم اور جہاد میں صابر ہے۔ لیکن آخر وہ میرا فرزند ہے لیکن حسنین تو رسول اللہ کے فرزند ہیں۔ بروز خمیس ۱۰ جمادی الثانی ۳۶ھ کو جنگ جمل واقع ہوئی (مروج الذہب مسعودی)

اسی جنگ جمل کے موقعہ پر حضرت امیر علیہ السلام نے محمد بن حنفیہ کو جنگ میں ثابت قدم رہنے کے لئے جو کلمات تلقین فرمائے تھے وہ نہج البلاغہ میں اس طرح ہے۔

یَا بُنَیَّ تَزُوْلُ الْجِبَالُ وَلَا تَزُلْ عُضَّ عَلٰی نَاجِذِكَ اَعِرِ اللّٰهَ جُمْجُمَتَكَ وَتِدْ فِی الْاَرْضِ قَدَمَكَ وَارْمِ بِبَصَرِكَ اَقْصَی الْقَوْمِ وَغُضَّ بَصَرَكَ وَاعْلَمْ اَنَّ النَّصْرَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔	اے فرزند۔ اگر پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تو نہ تو قدم نہ ہٹے دشمن خدا پر غضبناک رہو۔ اپنا سر اللہ کے حوالہ کردو اور زمین میں اپنا قدم گاڑ دو اور اپنی نظر دشمنوں کی آخری صف پر رکھو اور طبیعت کو جمع رکھو اور یقین کرو کہ نصرت اللہ کی جانب سے ہے۔

محمد بن حنفیہ جنگ صفین میں

۵ شوال ۳۶ھ کو کوفہ سے روانگی ہوئی۔ بروایت مسعودی اور یکم صفر ۳۷ھ بروز بدھ یہ لڑائی شروع ہوئی۔ اس میں معاویہ کا لشکر ایک لاکھ بیس ہزار تھا۔ بقولے ۸۵ ہزار تھا اور حضرت علی علیہ السلام کی فوج کی تعداد نوے ہزار تھی۔ اسلامی لڑائیوں میں یہ لڑائی نہایت سخت تھی۔ معاویہ کی طرف سے پنتالیس ہزار اور حضرت علی علیہ السلام کی فوج سے پچیس ہزار آدمی گویا کل ستر ہزار آدمی مارے گئے۔

طبقات ابن سعد سے منقول ہے کہ حضرت علی کی پیادہ فوج پر اس جنگ میں حضرت عمار بن یاسر افسر تھا اور علم فوج حضرت محمد بن حنفیہ کے ہاتھ میں تھا اور اس جنگ میں محمد بن حنفیہ نے شجاعت و جرأت کی وہ شان دکھائی کہ اسلامی تاریخ کے اوراق میں اس کی آب و تاب تاقیامت قائم رہے گی۔

نصر بن مزاحم سے کتاب صفین میں منقول ہے کہ حضرت محمد بن حنفیہ نے جنگ صفین میں ایک دن ہی پے در پے تین حملے کئے اور ان کا ہر حملہ دشمنان دین پر قہر پروردگار اور عصا عقوبت تقدیر تھا۔ چنانچہ پہلی دفعہ حضرت امیر علیہ السلام نے محمد کو بلایا اور تیار کر کے فوج شام کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا تو یہ شیر بیشہ شجاعت اسلوب جنگ

سے لیس ہو کر موت کے منہ میں اس طرح کود گیا کہ گویا موت ان کی نگاہوں میں بازیچۂ اطفال تھی پس چشم زدن میں معاویہ کے لشکر کے میمنہ کو درہم برہم کر دیا اور ان کے چیدہ چیدہ نامور پہلوان اور آزمودہ کاران حرب وضرب مردِ میدان بہادروں کو لقمۂ اجل بنا کر اور میدان جیت کر ایک دفعہ واپس دم لینے کے لئے پلٹا اور اپنے بابائے نامدار سے پانی طلب کیا۔ ساقی کوثر نے اپنے جوان اور مجاہد فرزند کو اپنے ہاتھوں پانی کا جام دے کر سیراب کیا اور محمد کی زرہ جو سورج کی تپش اور جنگ کی حرارت کے اثر سے گرم ہو چکی تھی۔ آپ نے اپنے دستِ حق پرست سے اس پر پانی چھڑک کر اس کو ٹھنڈا کیا۔ محمد کے جسم میں کافی زخم لگ چکے تھے لیکن محمد کے ارادے ابھی بہت بلند تھے وہ ایسے باپ کی گودِ عاطفت کے تربیت یافتہ تھے جنہیں موت سے کھیلنا آتا تھا۔ پس اپنے زخموں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے دوبارہ عازمِ جنگ ہوئے اور حضرت امیر علیہ السّلام نے بیٹے کو گلے لگا کر دوبارہ خوشی خوشی روانہ فرمایا۔ آپ نے تلوار آبدار کو نیام سے نکالا اور جھوم جھوم کر میدانِ وغا میں قدم رکھا اور شیرِ غضبناک کی طرح اس بار لشکرِ شام کے میسرہ پر قضائے ناگہانی بن کر حملہ آور ہوئے۔ شیرِ خدا کے فرزند کے ہاتھوں میں آج یداللّٰہی طاقتیں موجود تھیں۔ بازو میں قوت تھی۔ ارادہ میں عزیمت تھی۔ رحمتِ خداوندی کا سایہ سر پر تھا اور شفقتِ پدری پشت پناہ تھی۔ تلوار کی دھار حدِ نگاہ تک دشمنوں کا صفایا کر رہی تھی آج ملک الموت سپیشل معاونین کے ہمراہ مخصوص پروگرام سے ساختہ محمد کے ہاتھ کی جنبش کے ساتھ ملاعین کے ارواح کو جہنمی تاروں میں پے در پے پروتے جا رہے تھے کہ فردا فردا ڈاک سپرد کرنے کا موقع کب تھا۔ پس ہزار دو ہزار کا اکٹھا پارسل داروغہ جہنم کے نام کرتے جاتے تھے۔ ادھر ایک دستہ لقمۂ جہنم بنتا تو اس کی آواز بلند ہوتی ھل من مزید، اتنے میں ادھر شیرِ خدا کے فرزند کی تلوار جہنم کی ڈاک کے لئے دوسرا پارسل تیار کر چکی ہوتی تھی۔ محمد کے نعروں کی گونج سے پورے میدان میں ہیبت چھا جاتی تھی اور جوانوں کے دل دہل جاتے تھے۔ سامنے میدان میں قدم جمانے کی کسی کو جرأت نہ تھی۔ پس صفوں کی صفیں صاف کرتے جاتے تھے اور فضائے گرد آلود میں دشمنوں کے کٹے ہوئے سر اور بازو جابجا منتشر معلوم ہوتے تھے۔ پس فوج شام کے میسرہ کو درہم برہم کر کے ایک مرتبہ پھر بارگاہِ شاہِ ولایت میں حاضر ہوئے اور پانی طلب کیا چنانچہ ساقی کوثر نے پھر اپنے لختِ جگر کو اپنے ہاتھوں جامِ آب عنایت فرما کر سیراب کیا اور محمد کی زرہ پر بھی پانی چھڑکا۔ ابنِ عباس کا بیان ہے کہ اس بار محمد کے جسم پر زخموں کی یہ حالت تھی کہ جسم کا خون زرہ کے حلقوں سے جوش مار کر ابل رہا تھا پس ایک گھنٹہ دم لینے کے بعد حضرت امیر علیہ السّلام نے اشارہ فرمایا اور علی کا زخمی شیر انگڑائی لے کر سہ بارہ اپنے بابا سے دعا حاصل کر کے میدان کی طرف بڑھا اور للکارتے ہوئے معاویہ کے قلب لشکر

پر حملہ آور ہوا اور زخمی جسم کے باوجود یہ تیسرا حملہ پہلے دونوں حملوں سے بڑھ کر کیا کہ ایک مرتبہ صرصر عاصف اور برق خاطف بن کر دشمنوں کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا اور تازہ دم جنگی سپاہی کی طرح دادِ شجاعت دی۔ معاویہ کے قلب لشکر میں ابتری پھیل گئی۔ سوار سے سوار اور پیدل سے پیدل ٹکراتا تھا اور اسی دار و گیر میں علی کا شیر آگے بڑھتا ہوا للکارتا جاتا تھا۔ سواروں اور پیادوں کی ایک جماعت کثیر تہ تیغ ہو گئی کہ معاویہ کی کثیر التعداد فوج میں کمی محسوس ہونے لگی۔ علی کا شیر اب پورے میدان پر چھایا ہوا تھا اور اہلِ شام بھیڑوں کے ریوڑ کی طرح سامنے سے بھاگ چکے تھے۔ پس میدان کو جیت کر آپ واپس آئے تو اس دفعہ جسمِ اطہر پر زخموں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور سارے دن کی لڑائی سے جسم میں تھکان بھی تھی۔ جب باپ کے سامنے آئے تو آنکھوں سے اشکوں کی قطار نمودار ہوئی۔ گویا میدان جیتنے کی خوشی کا اظہار تھا۔ حضرت امیر علیہ السلام بنفس نفیس اپنی جگہ سے اُٹھے اور بیٹے کو گلے سے لگایا۔ اور بیٹے کی دونو آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ اور فرمایا تیرا باپ تجھ پر فدا ہو۔ اے میرے لختِ جگر آج تم نے مجھے خوش کیا اور میرے سامنے تو نے جہاد کا حق ادا کیا ہے۔ لیکن یہ بتاؤ کہ آنکھوں سے آنسو کیوں آ رہے ہیں۔ گھبراہٹ کا اظہار ہے یا خوشی کا اظہار ہے؟ محمد نے عرض کی! بابا جان۔ مردِ میدان میدان سے گھبرایا نہیں کرتے یہ خوشی کا اظہار ہے۔ لیکن عرض خدمت یہ ہے کہ تین مرتبہ پے در پے میدان میں جانے سے اب طبیعت میں خستگی اور تھکاوٹ سی آ گئی ہے اور زخم بھی زیادہ لگ چکے ہیں۔ لہٰذا اب آرام کرنے کے لئے رخصت طلب کرتا ہوں۔ اور اپنے برادرانِ بزرگ حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ کا نام جہاد کے لئے پیش کرتا ہوں۔ یہ سُن کر شاہِ ولایت نے اپنے وفادار مردِ میدان فرزند کی پیشانی پر دوبارہ بوسہ دیا۔ اور فرمایا اے میرے لختِ جگر کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تو میرا فرزند ہے اور یہ دونو جناب رسُولِ خدا کے فرزند ہیں۔ اس لئے ان دونو کو بچانے کی کوشش کرتا ہوں۔ اگر ان کو میرے سامنے کوئی زخم نہ لگے اور کوئی گزند نہ پہنچے۔ ہائے کیسی جفا کار تھی اُمت بے حیا جنہوں نے حسینؑ کو میدانِ کربلا میں زخمی کیا۔ کاش اس وقت حضرت علی ہوتے اور اپنے فرزند گرامی کے زخموں کا جائزہ لیتے۔ محمد نے اپنے باپ سے جب یہ کلمات سنے تو عرض کی بابا جان! میں آپ کا بھی فدیہ ہوں اور اپنے دونو بھائیوں کا بھی فدیہ ہوں۔ خدا ان دونو کو ہر مصیبت سے محفوظ رکھے۔ روایت مذکورہ باختلاف الفاظ بحار الانوار میں بھی موجود ہے۔

مناقب خوارزمی سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ فوج شام سے ایک پہلوان کریب نامی نکلا۔ جس نے پے در پے حضرت علیؑ کی فوج کے تین جوان شہید کئے۔ پس حضرت علیؑ خود آگے بڑھے۔ اور ایک جنبش ید اللّٰہی

سے اس کو واصلِ جہنم کیا۔ پھر اپنے فرزند محمدؐ سے فرمایا۔ بیٹا میدان میں جاؤ۔ اور جو بھی اس پہلوان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے بڑھے اس کو تہ تیغ کرو چنانچہ محمدؐ کھڑا ہو گیا اور یکے بعد دیگرے رجز پڑھتے ہوئے اور اپنے زورِ بازو پر ناز کرتے ہوئے سات پہلوان فوج سے نکلے اور محمدؐ نے بلا مہلت ان کو یکے بعد دیگرے لقمۂ اجل بنا کر واصلِ جہنم کیا۔

علامہ خوئیؒ سے شرحِ نہج البلاغہ جلد ا صفحہ ۲۳۵ میں منقول ہے کہ چونکہ حضرت علی علیہ السلام بار بار میدانِ حرب و ضرب میں اپنے فرزند محمدؐ کو بھیجتے تھے اور حسنین شریفین کو اپنے پاس روک کے رہتے تھے تو کسی کہنے والے نے محمدؐ کو طعنہ دیا کہ حسنین سے علی کی محبت زیادہ ہے۔ دیکھو وہ بار بار تم کو موت کے منہ میں بھیجتا ہے اور حسنینؑ کو نہیں بھیجتا۔ حضرت محمدؐ نے نہایت اطمینان سے اس کو جواب دیا کہ میرے بابا کا یہ فعل بالکل درست اور بجا ہے کیونکہ میں اس کا دایاں ہاتھ ہوں اور حسنینؑ اس کی آنکھیں ہیں۔ لہٰذا وہ اپنی آنکھوں سے حملوں کو اپنے بازو کے ذریعے سے دور کر رہے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حسنین شریفین کے متعلق محمدؐ کے جذبات کیا تھے۔ روایت مذکورہ بحار الانوار میں بھی موجود ہے۔

بروایت توحید صدوقؒ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت محمد بن حنفیہ بڑے قوی القلب اور دلیر تھے۔ ایک مرتبہ طواف بیت اللہ میں ان کا کندھا حجاج بن یوسف کے کندھے سے ٹکرا گیا تو حجاج نے کہا میں تمہارا سر قلم کر دوں گا۔ محمدؐ نے نہایت اطمینان سے اس کو جواب دیا کہ خداوند کریم کے اپنے بندوں کے لئے تین سو وقفے ہیں شاید ان میں سے کسی ایک وقفہ میں وہ مجھے تیرے شر سے محفوظ رکھے گا۔

ایمانِ محمدؐ بن حنفیہ

اس میں شک نہیں کہ حضرت محمدؐ بن حنفیہ کامل الایمان اور صحیح الاعتقاد تھے۔ حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ علیہما السلام کی امامت کے قائل تھے اور ان دونوں کے سچے وفادار تھے جیسا کہ سابقاً ان کے بعض کلمات سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت امیر علیہ السلام کی اپنے اس نورِ دیدہ سے والہانہ محبت تھی بلکہ بعض روایات میں آپ نے ارشاد فرمایا جو شخص میرے ساتھ دنیا و آخرت میں نیکی کرنا چاہے تو اس پر لازم ہے کہ میرے فرزند محمدؐ سے محبت کرے اور اس کے ساتھ نیکی کرے اور بوقتِ شہادت حضرت امیر علیہ السلام کا سرِ اقدس محمدؐ کے زانو پر تھا اور محمدؐ کو آپ نے آخری وصیت فرمائی تھی کہ اپنے دونوں بھائیوں کی اطاعت کرنا اور حسنینؑ کو وصیت فرمائی کہ محمدؐ سے محبت رکھنا کیونکہ وہ تمہارا پدری بھائی بھی ہے اور تمہارے باپ کا پیارا فرزند بھی ہے

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مملکتِ اسلامیہ کے ایک گورنر نے حسنین شریفین کے لئے خدمتِ شاہِ ولایت میں کچھ ہدیہ بھیجا اور محمدؐ کے لئے نہ بھیجا تو آپ نے محمدؐ کے دونوں کندھوں کے درمیان ہاتھ رکھ کر ایک شعر پڑھا جس

سے وہ گورنر سمجھا کہ آپ اس کو محمد کی طرف ہدیہ نہ بھیجنے پر سرزنش کر رہے ہیں۔ پس اس گورنر نے دوسرے روز اتنی مقدار محمد کے لئے بھی ہدیہ روانہ کیا۔

بحار الانوار اور دیگر کتب معتبرہ سے منقول ہے کہ امام حسن علیہ السلام نے محمد بن حنفیہ کو وقت آخر میں طلب کیا اور ان کو وصیت کی جس میں فرمایا کہ اے محمد خداوند کریم ایک باپ کی اولاد میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دیتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم کی اولاد میں بعض کو بعض پر حاصل ہے اور خدا نے حضرت محمد مصطفٰے کو تمام پر فضیلت دی ہے۔ مجھے تیرے متعلق حسد کا کوئی کھٹکا گمان نہیں کیونکہ حسد کافروں کا شیوہ ہے۔ اور مجھے یاد ہے تیرے متعلق بابا نے جنگ بصرہ کے دن فرمایا تھا کہ جو شخص دنیا و آخرت میں میرے ساتھ نیکی کرنا چاہے وہ محمد کے ساتھ نیکی کرے۔ دیکھیے جب میری روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے تو میرا بھائی حسینؑ امام ہوگا اور یہ چیز مخصوص وراثت ہے۔ خداوند کریم نے اس خاندان کو شرف بخشا ہے اور اس پورے خاندان میں سے حضرت محمد مصطفٰے کو نبوت کے لئے منتخب فرمایا ہے اور حضرت محمد مصطفٰےؐ نے علیؑ کو امامت کے لئے نامزد کیا اور انہوں نے امامت مجھے سپرد کی اور میں حسینؑ کے لئے نص کر رہا ہوں۔

حضرت محمد نے عرض کی اے آقا! آپ میرے امام و سردار ہیں اور میں آپ کو وسیلہ جانتا ہوں، کاش آپ سے پہلے میری روح قفس عنصری سے نکل جاتی اور عرض کی کہ میں حسینؑ کو اعلم سمجھتا ہوں ان کو پیغمبر سے زیادہ قرابت حاصل ہے اور وہی واجب الاطاعت امام ہیں۔

خداوند کریم نے محمد مصطفٰے کو منتخب کیا اور حضرت محمدؐ نے حضرت علیؑ کو چنا اور انہوں نے آپ کو نامزد فرمایا اور آپ اپنے بعد حضرت حسینؑ کا انتخاب فرما رہے ہیں۔ ہم نے سر تسلیم خم کیا ہے اور ہم ان کی امامت پر راضی ہیں اور انہی کو ہم اپنا دینی مشکل کشا اور حاجت روا ہی سمجھیں گے۔

بہرکیف حضرت محمد کی زندگی کے واقعات صاف بتلاتے ہیں کہ وہ راسخ الاعتقاد اور کامل الایمان تھے اور ہمارے علمائے محققین کی رائے میں وہ صف اول کے شیعہ اور صاحب علم و فضل بھی تھے۔ چنانچہ جب علامہ حلی اعلی اللہ مقامہ سے یہ سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ توحید، عدل، نبوت اور امامت ایمان کے ارکان و اصول ہیں، پھر محمد بن حنفیہ یا عبداللہ بن جعفر وغیرہ جیسی عظیم القدر اور جلیل الشان شخصیتیں کس طرح اصول ایمان کو نہ جانتی ہوں، اور اس بات کو جاننے کے بعد کہ ایمان کے بغیر قیامت کا عذاب دائمی ہوا کرتا ہے ناممکن ہے کہ ایسے صاحبان علم و فضل جو حضرت علیؑ کے زیر سایہ تربیت پا چکے ہوں اس اہمیت سے ناآشنا ہوں۔ یا

دیدہ دانستہ اس سے اعراض کرنے والے ہوں۔ البتہ میدانِ کربلا میں ان کا حصہ نہ لینا بعض اوقات لوگوں کے دل میں شک و شبہ کا موجب ہوتا ہے لیکن اس کے کئی جوابات دے گئے ہیں۔

(۱) مریض تھے اور ان پر عِلل کے دورے پڑتے تھے اس لئے سفر نہیں کر سکتے تھے اور واقعہ کربلا کے بعد فرماتے تھے کاش میں گیا ہوتا تو درجہ شہادت پر فائز ہوتا جیسا کہ کتاب (زینب کبریٰ) سے نقل کیا گیا ہے۔

(۲) ان کے ہاتھوں میں رعشہ یا اس قسم کی کمزوری لاحق ہو گئی تھی جس کی وجہ سے وہ جنگ نہیں کر سکتے تھے۔

(۳) نفس المہموم سے منقول ہے حضرت محمد بن حنفیہ فرماتے تھے کہ حضرت سید الشہداء کے اصحاب گنے چنے ہوئے مخصوص افراد تھے جن کے نام اور اعداد لکھے ہوئے ہیں اور وہ صحیفہ ہمارے پاس موجود ہے اور تمنا کرتے تھے کاش! میں بھی ان میں ہوتا الخ۔ جب ابن عباس پر لوگوں نے امام حسین علیہ السلام کی ترکِ نصرت کا اعتراض کیا تو انہوں نے یہی جواب دیا کہ امام حسینؑ کے اصحاب کی تعداد معین تھی نہ ان میں ایک بڑھایا جا سکتا تھا اور نہ ان میں سے ایک کم ہو سکتا تھا اور ہم میدان کربلا میں جانے سے پہلے ان کے ناموں سے واقف تھے۔

۴۔ بحار الانوار جلد ۱۰ سے مروی ہے کہ حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے خود حضرت محمد بن حنفیہ کو مدینہ میں ٹھہرایا تھا تاکہ وہ مقامی حالات سے وقتاً فوقتاً اطلاع دیتے رہیں اور ایک وصیت نامہ لکھ کر ان کے حوالہ کیا تھا جس میں محمد کے ذمہ عائد کردہ فرائض کا تذکرہ تھا یعنی بحیثیت جاسوس و دیدہ بان کے ان کو شہر کر روانہ ہوئے تھے۔

شیخ ذبیح محلاتی نے ذکر فرمایا کہ کتاب منن الرحمٰن میں شیخ جعفر نقدی حضرت محمد بن حنفیہ کے متعلق یہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

محمد بن حنفیہ لوگوں میں سے زیادہ پرہیزگار اور آئمہ دین کے بعد سب سے زیادہ متقی تھے وہ عالم عابد متکلم فقیہ زاہد شجاع اور کریم النفس تھے۔ اپنے والد بزرگوار جناب حیدر کرار کی خدمت کا شرف ان کو حاصل تھا اور اپنے دونو بھائیوں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہما السلام کی بھی انہوں نے وفادارانہ خدمت کے فرائض انجام دئے وہ اپنے والد کی جملہ لڑائیوں میں آپ کے شریک کار رہے اور امام حسن علیہ السلام کے جملہ حالات میں ان کے شریک وسہیم رہے۔ کیسانیہ جماعت ان کے متعلق امامت کا گمان رکھتی تھی لیکن آپ ان سے بیزار تھے۔

اور ان کے اس دعویٰ سے متنفر تھے بلکہ حضرت امام زین العابدین کی امامت کے دل سے معتقد تھے اور اسی کو اپنا دین سمجھتے تھے اور کوئی بات ان سے ایسی سرزد نہ ہوتی تھی جو منشاء امام کے خلاف ہو۔ اور حجرِ اسود کے حاکم کا قصہ جو روایات میں مشہور ہے وہ اس لئے نہیں کہ محمد اپنی ذات کے لئے اس سے قبل امامت کے مدعی تھے

بلکہ چونکہ بعض جہاں ان کو امام سمجھنے لگے تھے اس لئے ان کو پہلے تو زبانی سمجھایا جب وہ اس طرح نہ سمجھے تو حقیقت واضح کرنے کے لئے حجرِ اسود کے فیصلہ کی طرف رجوع فرمایا تاکہ عوام میں جو غلط اور ناجائز عقیدہ جم چکا تھا اس سلسلہ سے ختم ہو جائے اور لوگ صحیح اور برحق امام کی شناخت کر لیں۔

حجرِ اسود کا قصہ کتب معتبرہ میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے اس طرح مروی ہے کہ حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت کے بعد حضرت محمد بن حنفیہ امام زین العابدینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی اے برادر زادے جناب رسالت مآب نے اپنے بعد امامت کی حضرت علیؑ کے لئے نص فرمائی تھی اور انہوں نے امام حسنؑ کے لئے نص کی تھی اور انہوں نے اپنے بعد امام حسینؑ کو نامزد فرمایا تھا اب چونکہ امام حسین علیہ السلام نے کسی کے متعلق نص نہیں کی تھی۔ میں تیرے باپ کا بھائی اور تیرا چچا ہوں۔ نیز علیؑ کا فرزند ہوں اور سن و سال میں آپ سے بڑا بھی ہوں لہٰذا امامت میرا حق ہے اور آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس بارے میں مجھ سے نہ الجھئے۔ امام چپ کر کے سنتے رہے جب محمد کا کلام ختم ہوا تو آپنے فرمایا۔ چچا جان! خدا سے خوف کرو اور ایسی بات نہ کہو جو آپ کا حق نہیں ہے۔ اور میں آپ کی خیر خواہی کرتا ہوں اور نصیحت کرتا ہوں کہ اس دعوے سے باز رہیے اور یقین جانئے کہ عراق کی طرف کوچ کرنے سے قبل مجھے اپنے والد نے اپنا وصی مقرر فرمایا تھا اور منصب امامت کے لئے مجھے نامزد کیا تھا۔ چنانچہ انبیاء کے تبرکات بھی میرے حوالے کئے تھے۔ آپ اس مقام پر قدم نہ رکھیں ورنہ مجھے خوف ہے کہ آپ کی عمر کم ہو جائے۔ اور حالات دگرگوں ہو جائیں۔ کیونکہ خداوند کریم نے امامت کا عہدہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی نسل میں قرار دیا ہے اگر اس امر کی مزید تسلی چاہتے ہو تو حجرِ اسود کے پاس جا کر اس سے فیصلہ لے لیں ہم دونوں میں سے اس نے جس کے حق میں شہادت دے دی دوسرے کو تسلیم کر لینا چاہیے۔ محمد بن حنفیہ نے کہا۔ کیا حجرِ اسود بھی کلام کر سکتا ہے؟ امام نے جواب دیا اگر جمادات کلام نہ کریں تو امام کس کام کا؟ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں چونکہ یہ بات چیت مکہ میں ہو رہی تھی۔ پس دونوں حجرِ اسود کے پاس آئے اور امام نے فرمایا اے چچا جان! اللہ سے دعا مانگو کہ وہ تمہارے حق میں حجرِ اسود کو گویا کرے چنانچہ انہوں نے نہایت عجز و انکساری سے بارگاہِ ربوبیت میں دعا مانگی لیکن حجرِ اسود نے کوئی جواب نہ دیا۔ پس امام نے فرمایا اے چچا جان! اگر آپ امام برحق ہوتے تو حجرِ اسود ضرور گواہی دیتا۔ پس محمد نے عرض کی۔ بیٹا اب آپ سوال کریں چنانچہ حضور نے حجرِ اسود سے خطاب کر کے فرمایا۔ تجھے اس خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جس نے تجھے میثاق انبیاء میثاق اوصیاء اور میثاق مخلوق کا امین و مخزن قرار دیا ہے۔ ہمیں بتا کہ ہم دونوں میں سے حسینؑ کے بعد وصی اور امام کون ہے؟

پس حجرِ اسود میں ایک زبردست جنبش پیدا ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اپنی جگہ سے جدا ہوتا ہے۔ پس عربی فصیح و بلیغ زبان میں گویا ہوا۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّ الْوَصِيَّةَ وَالْاِمَامَةَ بَعْدَ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ وَّابْنِ فَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَكَ۔ یعنی تحقیق وصایت اور امامت حضرت حسین علیہ السّلام کے بعد آپ کا حق ہے۔ پس محمد نے جب یہ کلمات سنے تو آپ کی امامت کا معترف ہو گیا۔

قاضی نور اللہ شوستری مجالس المومنین میں فرماتے ہیں کہ یہ محاکمہ صرف ظاہری طور پر تھا ورنہ محمد پہلے سے حضرت امام زین العابدینؑ کی امامت کے معترف تھے۔ اب صرف کیسانیہ گروہ کے سمجھانے اور انہیں راہِ حق دکھانے کی غرض سے اس محاکمہ کی صورت اختیار کی گئی۔

وقت شہادت امام حسنؑ محمدؐ بن حنفیہ کا کردار بوقتِ شہادتِ امام حسن علیہ السّلام محمد بن حنفیہ موجود تھے اور امام کو جب کفن پہنایا گیا تو اس قدر روئے کہ سیلاب اشک ان کی آنکھوں سے متواتر جاری تھا۔ پھر جنازہ کی طرف نظر اٹھا کر چند حسرت بھرے کلمات زبان سے ادا فرمائے جو امام حسنؑ کے متعلق ان کی حسن عقیدت کے ترجمان تھے۔ اور روضۃ الصفا سے آقا ذبیح محلاتی نے نقل کیا ہے کہ جب امام حسنؑ کا جنازہ اٹھا اور انہیں حرم جناب رسالت مآبؐ کی طرف لایا گیا تو عائشہ ایک نچر پر سوار ہو کر سامنے آئی اور کہنے لگی کہ میں امام حسنؑ کو حرم رسولؐ میں دفن نہیں ہونے دوں گی۔ اس وقت محمد بن حنفیہ نے آگے بڑھ کر یہ شعر پڑھا۔

تَبَغَّلْتِ تَجَمَّلْتِ ٭ لَوْ عِشْتِ تَفَيَّلْتِ　　لَكِ التُّسْعُ مِنَ الثُّمْنِ وَبِالْكُلِّ تَصَرَّفْتِ

یعنی کسی دن تو اونٹ پر سوار ہو کر نفس رسولؐ اور زوج بتولؑ کے مقابلہ میں برسرِ پیکار ہوئی اور خچر پر سوار ہو کر فرزند رسولؐ کے ساتھ جھگڑا پر آمادہ ہو گئی ہے اور اگر تیری زندگی نے وفا کی تو ابھی ہاتھی کی منزل باقی ہے۔ پس کبھی ہاتھی پر سوار ہو کر بھی اپنے شان کا مظاہرہ کرے گی۔ اور جب حضورؐ کی رحلت ہوئی تو ان کے حرم نو موجود تھے اور اس حجرہ سے مطابق قانون وراثت زوجات کو آٹھواں حصہ پہنچتا ہے اور اس کو اگر نو میں تقسیم کیا جائے تو ایک ایک زوجہ کو بہترواں حصہ ملے گا جو تقریباً طول و عرض میں ایک ایک بالشت یا اس سے کچھ زیادہ ہوگا۔ لہٰذا تیرا حصہ تو بنتا ہے اس حجرہ سے پھر تو تجھے پورے حجرہ پر تصرف کا کیا حق پہنچتا ہے؟ اب چونکہ عائشہ کے پاس اس کا جواب قابلِ قبول کوئی نہ تھا لہٰذا کہنے لگی۔ اے ابن حنفیہ! اولادِ فاطمہؑ جب خاموش ہے تو تم کیوں میرے ساتھ سخت کلامی کرتے ہو۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے یہ سن کر ارشاد فرمایا

خبردار۔ اے عائشہ! تو محمد کو فاطمہ سے دور نہ سمجھ بلکہ وہ ایک کی بجائے تین فاطمہ سے تعلق رکھتا ہے۔ ایک فاطمہ بنت عمران بن عائذ بن عمرو بن حزم جو جناب رسالت مآبؐ کی دادی تھی۔ اور حضرت علیؑ کی دادی تھی مروج الذہب ج ۲ صفحہ ۱۰ اور مسعودی نے عمران کی بجائے عمرو ذکر کیا ہے۔ اور دوسری فاطمہ بنت اسد جو حضرت علیؑ کی والدہ ماجدہ تھی اور میری دادی تھی اور تیسری فاطمہ بنت حزم بن رواحہ جو فاطمہ بنت اسد کی والدہ تھیں اور حضرت علیؑ کی نانی تھیں (منقول از مقاتل الطالبین)

عبداللہ بن زبیر اور محمد بن حنفیہ

یہ واقعہ اکثر کتب سیر میں مذکور ہے۔ آقا شیخ ذبیح محلاتی نے فرسان الہیجاء میں اس کو بروایت ابن الحدید سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن زبیر نے مکہ میں خطبہ پڑھا اور اس میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام پر سب کیا۔ جب محمد بن حنفیہ کے کانوں میں یہ خبر پہنچی تو آپ ضبط نہ کر سکے اور حکم دیا کہ ابن زبیر کے منبر کے مقابلہ میں میرے لئے ایک منبر نصب کیا جائے۔ چنانچہ آپ منبر پر تشریف لائے اور ایک فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا۔

اے گروہ عرب۔ تم سننے والوں کے چہرے مسخ ہو جائیں کہ تمہارے سامنے حضرت علیؑ کو سب کیا جا رہا ہے اور تم سب خاموش سن رہے ہو۔ حضرت علیؑ اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں یداللہ تھے اور کافروں اور منکروں کے لئے خدا کی جانب سے شعلہ برق تھے اور تیر قضائے الٰہی تھے جو اعدائے دین کے سینہ پر از کینہ میں پیوست ہوتے تھے اور وہ اللہ کی تلوار تھے جو حق سے منہ موڑنے والوں کی گردن کا خون گراتے۔ چونکہ منافقین ان سے رضامند نہ تھے اس لئے انہوں نے ان کو برا کہا اور ان سے بغض کیا۔ ابھی تو جناب رسالت مآبؐ بہ حیات تھے کہ انہوں نے علیؑ پر حسد کیا اور جب انہوں نے جوار پروردگار کی طرف رحلت فرمائی تو ان منافقوں نے اپنے قلبی کینوں اور حسدوں کو ظاہر کیا۔ کسی نے ان کا حق غصب کیا کسی نے اثنائے شب میں ان کو اچانک قتل کر دینے کا پروگرام بنایا اور کسی نے ان کو اپنی بدزبانی کا نشانہ بنایا اور سب کیا اگر آج ان کی ذریت اور ان کے موالیوں کے ہاتھ میں زمام اقتدار ہوتی تو ان کے زندوں کی گردنیں اڑا دی جاتیں اور ان کو تہ تیغ کیا جاتا اور ان کے مردوں کو قبروں سے نکال کر آوارہ پھینک دیا جاتا۔ اور خدا ان کو اپنے عذاب سے ذلیل و خوار کرے گا اور ہماری مدد کر کے ہمارے ہاتھوں ان کو منذعل کر کے ہمارے دلوں کو ٹھنڈا کرے گا۔

خدا کی قسم علیؑ کو دشنام نہیں دیتا مگر کافر۔ چونکہ وہ جناب رسالت مآبؐ کو تو اعلانیہ دشنام دے نہیں سکتا۔ پس حضرت علیؑ کے وسیلے سے وہ درحقیقت رسولِ خدا کو ہی دشنام دیتا ہے خدا کی قسم یہ تمام لوگ جانتے ہیں کہ علیؑ کے بارے میں جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا تھا۔ لَا يُحِبُّكَ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا يُبْغِضُكَ اِلَّا مُنَافِقٌ کہ آپ سے نہ محبت کرے گا مگر مومن اور نہ بغض رکھے گا مگر منافق الخ

اس کے بعد ابن زبیر نے دوبارہ خطبہ شروع کیا اور کہنے لگا کہ بنی فاطمہ سے تو میں درگذر کرتا ہوں وہ جو بھی کہتے رہیں لیکن یہ حنفیہ کا لڑکا کیوں جرأت کرتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا اے ام قتیلہ کے بیٹے! میں کیوں نہ بات کروں فواطم میں سے صرف ایک ہی ہے جس سے میرا نسبتی رشتہ نہیں ہے ورنہ میرے فخر کے لئے کیا کم ہے کہ وہ میرے دونو بھائیوں کی ماں ہے اور علاوہ ازیں میں فاطمہ بنت عمران بن عائذ بن مخزوم کا بیٹا ہوں جو جناب رسالت مآبؐ کی دادی تھی۔ اور میں فاطمہ بنت اسد بن ہاشم کا بیٹا ہوں جس نے جناب رسالت مآبؐ کی کفالت کی تھی اور حضورؐ اس کو اپنی ماں سمجھتے تھے۔ الخ۔ خدا کی قسم اگر خدیجہ بنت خویلد کا پاس نہ ہوتا تو میں اسد بن عبدالعزیٰ کی نسل میں ایک ہڈی نہ چھوڑتا مگر یہ کہ اس کو توڑ دیتا خواہ مجھے اس سلسلے میں کس قدر ہی مصائب کا سامنا ہوتا۔ یہ روایت مروج الذہب مسعودی میں معمولی اختلاف کے ساتھ موجود ہے اور یہ یاد رہے کہ اسد بن عبدالعزیٰ خویلد کا باپ اور جناب خدیجہ کا دادا تھا۔ تذکرہ صفحہ ۱۶۹۔

محمد بن حنفیہ اور عبداللہ بن زبیر کے درمیان اس کے علاوہ بھی کئی مقامات پر آپس میں مکالمات ہوئے۔ تذکرہ خواص الامہ میں واقدی سے نقل کیا گیا ہے کہ جب ابن زبیر کو مختار اور محمد بن حنفیہ کا آپس میں گٹھ جوڑ معلوم ہوا تو اس نے محمد سے اپنے لئے بیعت طلب کی اور محمد نے چونکہ انکار کیا لہذا ابن زبیر نے محمد بن حنفیہ کو اپنے قبیلہ اور جماعت بنی ہاشم کے بیس افراد کے ہمراہ شعب عارم میں قید کر دیا اور ایک میعاد مقرر تک ان کو مہلت دی کہ اگر اس میعاد کے اندر بیعت کر لو تو فبہا ورنہ تم کو نذرِ آتش کر دوں گا۔ پس محمد کو اپنے بعض ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ مختار کو اس معاملہ کی اطلاع دی جائے اور ان سے نصرت طلب کی جائے چنانچہ حضرت محمد بن حنفیہ نے مختار کو اپنے حالات پر مشتمل ایک خط لکھا اور اس سے نصرت کی خواہش کی اور یہ فقرہ بھی خصوصیت سے تحریر فرمایا کہ اے اہل کوفہ ہماری مدد سے دست کش نہ ہو جانا جس طرح کہ تم نے حسینؑ کی مدد سے کنارہ کشی کی تھی۔ جب مختار نے خط پڑھا تو بہت رویا اور اشراف کوفہ کو جمع کر کے ان کے سامنے محمد بن حنفیہ کا خط پڑھا اور اپنی طرف سے

آلِ رسولؐ کی نصرت کے لئے لوگوں کو آمادہ کیا کہ یہ تمہارے مہدی کا خط ہے اور اہل بیت پیغمبرؐ کے سیّد و سردار کا خط ہے جو حضرت رسالت مآبؐ تم میں چھوڑ گئے ہیں اب لوگ ان کو قتل کرنا اور زندہ جلا دینا چاہتے ہیں اور میں الواثق نہیں ہوں اگر ان کی مدد نہ کروں۔ میں سواروں کے عقب میں پے در پے سوار بھیجتا رہوں گا کہ فوج کا ایک سیلاب زمین کے پر رونما ہو۔ اور ابن زبیر کو اپنے کئے کا وبال بھگتنا پڑے چنانچہ عبداللہ جدلی کو ایک ہزار کے ہمراہ روانہ کیا اور یکے بعد دیگرے ہزار ہزار سوار کا دستہ متعدد جرنیلوں کی زیر قیادت روانہ کرتا رہا۔ جب ان لوگوں نے مکہ میں پہنچ کر یالثارات الحسین کا نعرہ بلند کیا تو لوگوں کے دل دہل گئے (محمد بن حنفیہ کے قیدخانہ کے اردگرد لکڑیاں جمع کی جا چکی تھیں اور صرف دو ہی دن باقی رہ گئے تھے پس قیدخانہ کا دروازہ توڑ کر محمد کو بمعہ جماعت کے رہا کر دیا اور ان سے اجازت چاہی کہ ابن زبیر کے ساتھ جنگ کی جائے تو آپ نے حرم خدا میں جنگ کرنے سے روک دیا۔ اس وقت مختار کی طرف سے محمد کے پاس چار ہزار فوج موجود تھی پس بنا بر مشہور کے آپ طائف کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور وہیں قیام پذیر ہوئے۔ اور مختار کی فوجیں واپس کوفہ کی طرف لوٹ آئیں۔ کوئی خون خرابہ نہ ہونے پایا۔

اقول:۔ واقدی کی اس روایت میں مختار کا یہ جملہ کہ (تمہارے مہدی کا خط ہے) اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ مختار حضرت محمد بن حنفیہ کو مہدی سمجھتے تھے اور ان ہی کی امامت کے قائل تھے۔ لیکن یہ بات غلط ہے۔ مختار حضرت امام زین العابدینؑ کی امامت کا قائل تھا اور وہ صحیح الاعتقاد شیعہ تھا صرف دشمنان اہل بیت نے اس کو بدنام کرنے کے لئے کئی حربے استعمال کئے ہیں اور ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔

محمد بن حنفیہ کی امام حسینؑ سے گفتگو

جب امام حسین علیہ السلام مدینہ سے روانہ ہو رہے تھے حضرت محمد بن حنفیہ خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی۔ اے برادر جان۔ آپ مجھے عزیز تر اور محبوب تر ہیں۔ میں کسی سے بھی اپنی خیر خواہی کا بخل نہیں کرتا اور آپ سے بخل کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جب کہ آپ میرے پیشوا و سردار ہیں اور خداوند کریم نے آپ کی اطاعت ہم پر واجب قرار دی ہے اور آپ جوانان جنت کے سردار ہیں۔

بھائی جان۔ یزید کی بیعت سے دور رہیئے اور ان علاقوں سے بھی دور رہیئے جو یزید کی عملداری میں داخل ہیں پس یک سو و علیحدہ ہو کر لوگوں پر اپنے حقوق کی وضاحت فرمائیے اگر قبول کر لیں تو فبہا ورنہ آپ کے فضل و کمال میں کمی نہیں ہو گی۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ یزید کی عملداری کے شہر میں جائیں اور لوگوں میں سے بعض آپ کے ہمنوا ہو جائیں اور بعض یزید کے طرفدار ہو جائیں پھر لڑائی چھڑ جائے تو یہ لوگ سب سے پہلے آپ کو

شہید کرنے کی کوشش کریں گے اور یہ اُمت آپ کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو جائے گی اور آپ کا خون رائیگاں جائے گا۔

آپ نے پوچھا پھر بتایئے مجھے کس طرف جانا چاہیئے۔ تو محمدؒ نے جواب دیا مکہ میں جایئے۔ اگر وہاں لوگ آرام سے رہنے دیں تو فبہا ورنہ یمن کی طرف چلے جانا اور اگر وہاں بھی آرام میسر نہ ہو تو جنگلوں، پہاڑوں اور ویرانوں میں وقت گذارتے رہنا حتیٰ کہ کوئی واضح نتیجہ سامنے آجائے پھر دیکھو بھال کر بعد اقدام کیا جائے گا۔ امام پاکؑ نے جواب میں ارشاد فرمایا ۔ بھائی جان۔ اگر پوری روئے زمین میں میرے لئے کوئی جائے پناہ نہ ہو سکے تب بھی یزید بن معاویہ کی بیعت تو میں نہیں کروں گا (بس یہی ایک ہی جملہ فرمایا اور محمدؒ مطلب کی تہ تک پہنچ گیا) اس کے بعد ایک گھنٹہ تک دونوں بھائی مصروف گریہ رہے۔ پھر امام پاکؑ نے فرمایا۔ اے بھائی جان خدا تجھے جزائے خیر دے تم نے اپنی صوابدید کے ماتحت اچھی رائے دی ہے میں رخت سفر باندھ چکا ہوں بیٹوں بھائیوں اور دوستوں کے ہمراہ جو میرے پکے وفادار ہیں مکہ جا رہا ہوں۔ اور بھائی جان۔ تمہارے ذمّہ اور کچھ نہیں۔ ہاں صرف یہ ہے کہ آپ مدینہ میں قیام رکھیں۔ اور ان لوگوں کے حالات سے باخبر رہیں اور میری طرف سے جاسوسی کے فرائض انجام دیں تاکہ ان لوگوں کی کوئی بات ہم پر پوشیدہ نہ رہنے پائے۔ اس کے بعد قلم کاغذ منگوا کر ایک وصیت نامہ لکھا جو محمدؒ بن حنفیہ کے حوالہ فرمایا اور روتی ہوئی آنکھوں سے بھائیوں نے ایکدوسرے کو وداع کیا۔

امام حسین علیہ السلام بنا بر مشہور ۲۸ رجب کو مدینہ سے روانہ ہوئے تھے اور اوائل شعبان میں مکہ پہنچے تھے اور چار ماہ تک وہاں قیام فرمایا۔ اور محمدؒ بن حنفیہ بھی بقصد حج مکہ میں پہنچ چکے تھے۔ جب امام پاکؑ نے حج کو عمرہ میں تبدیل کر کے وہاں سے ایام حج میں روانگی کا قصد فرمایا تو محمدؒ بن حنفیہ فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی۔ بھائی جان: آپ کوفیوں کے مکر و فریب سے واقف ہیں، آپ نے دیکھا کہ انہوں نے بابا جان اور بھائی جان کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ مجھے خطرہ ہے کہ وہ کہیں آپ کو بھی دھوکا نہ دیں۔ لہٰذا مکہ میں ٹھہرے رہنا ہی زیادہ مناسب و موزوں ہے۔ امامؑ نے فرمایا بھائی جان: مجھے ڈر ہے کہ یزید کوئی حیلہ و بہانہ تلاش کر کے مجھے یہاں قتل کرائے گا اور میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے حرمت بیت اللہ ضائع ہو جائے۔ محمدؒ نے عرض کی اگر یہ بات ہے تو آپ پھر یمن چلے جائیں وہاں آپ کی حفاظت کے قدرتی وسائل بہت زیادہ ہیں۔ پہاڑ ہیں جنگلات ہیں اور قلعے ہیں یقیناً آپ کو وہاں گزند پہنچانے پر کوئی قادر نہ ہو سکے گا۔ امامؑ نے فرمایا میں آج رات

غور کروں گا اور اس معاملہ میں نظرِ ثانی کر کے جواب دُوں گا۔ پس محمد اپنی قیام گاہ پر چلے گئے۔ صبح سویرے محمد کو اطلاع ہوئی کہ امام حسینؑ سفرِ عراق پر کمربستہ ہو چکے ہیں۔ پس محمد بن حنفیہ یہ خبر سنتے ہی دوڑتا ہوا خدمتِ امام میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی بھائی جان! آپ نے وعدہ فرمایا تھا کہ رات کو سوچ کر جواب دوں گا پھر جلدی کیوں کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا، بھائی جان۔ آپ کے چلے جانے کے بعد میرے نانا جناب رسالت مآبؐ تشریف لائے اور انہوں نے فرمایا اے حسینؑ۔ چلو کہ خدا چاہتا ہے تم درجہ شہادت پر فائز ہو۔ محمد نے انا للہ وانا الیہ راجعون کا کلمہ زبان پر جاری کیا اور عرض کی۔ بھائی جان اگر یہ بات ہے تو عورتیں اور بچے ساتھ کیوں لے جا رہے ہو؟ آپ نے فرمایا مجھے حضرت رسالت مآبؐ نے یہ خبر بھی دی ہے کہ مشیتِ خداوندی یہ ہے کہ وہ قید و بند کی تکلیف میں مبتلا ہوں۔ پس اب محمد بن حنفیہ کو بات کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور تذکرہ خواص الامہ میں سبط ابن جوزی نے ذکر کیا ہے کہ جب محمد بن حنفیہ کو امام کی روانگی کی اطلاع ملی تو اس وقت وہ وضو کر رہے تھے پس اس قدر روئے کہ طشت آنسوؤں سے پُر ہو گیا۔

محمد بن حنفیہ کی قافلہ اہل بیت سے ملاقات

بروایت فرسان الہیجا ناسخ اور دمعہ ساکبہ سے مروی ہے کہ مدینہ میں محمد بن حنفیہ کو قافلہ اہل بیت کی واپسی کی اطلاع ملی تو اٹھ کر جلدی سے باہر نکلے۔ اور دمعہ کی روایت ہے کہ بشیر نے جب اہل مدینہ کو اطلاع دی تو اہل مدینہ کی ماتم و شیون کی صدا اس قدر بلند ہوئی کہ زلزلہ معلوم ہوتا تھا اور مدینہ کے در و دیوار ہلتے نظر آتے تھے۔ محمد بستر بیماری پر تھے۔ انہیں تا حال امام حسینؑ کی شہادت کا کوئی علم نہ تھا۔ پُوچھا یہ رونے کی آواز کیوں ہے؟ کہ اس سے قبل میرے کانوں میں اس قدر گریہ و بکا کی زلزلہ خیز چیخ و پکار کبھی نہیں آئی۔ پاس والوں نے چاہا کہ حقیقتِ حال کو ان سے مخفی رکھا جائے کیونکہ وہ بیمار ہیں لیکن فائدہ نہ ہوا۔ محمد نے بار بار اصرار شروع کر دیا آخر کار بتایا گیا کہ اے فرزند امیر المومنین قافلہ حسینی کوفہ سے واپس پلٹا ہے اور کوفیوں نے دھوکا و غدر سے حضرت مسلم کو شہید کر ڈالا ہے اس لئے لوگ رو رہے ہیں۔ محمد کہنے لگے اگر حسین زندہ ہوتے تو ضرور میری بیمار پُرسی کرتے۔

چونکہ خود اٹھنے کی طاقت نہ رکھتے تھے چشمِ گریاں سے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ مجھے سوار کر کے لے جاؤ میں فرمانے لگے خدا کی قسم آج مجھے آلِ یعقوب کے مصائب نظر آ رہے ہیں۔ جب شہر کے باہر پہنچے اور سیاہ علم پر نظر پڑی تو معاملہ کی حقیقت کو بھانپ گئے اور بے ہوش کر زمین پر گر گئے ان کے غلاموں نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں آ کر محمد بن حنفیہ کی خبر دی تو آپ اپنے چچا کی بالین سر پہنچے اور ان کا سر گود میں لیا جب

ہوش میں آئے اور آنکھیں کھولیں تو اپنے بھتیجے پر نظر پڑی پس ایک سرد آہ کھینچی اور دریافت کیا اے برادر زادے میرا بھائی جان کہاں ہے میری روشنی چشم اور میوۂ دل کہاں ہے؟ میرے باپ اور بھائی کی یادگار کہاں ہے؟ بتاؤ میرا حسین کہاں ہے؟ حضرت سجاد نے روتے ہوئے عرض کی چچا جان! میں یتیم ہو کر آیا ہوں۔ لوگوں نے ہمارے مردوں کو قتل کر ڈالا ہے اور ہماری عورتوں کو قیدی کیا ہے۔ کاش! آپ ہوتے اور دیکھتے کہ وہ کس طرح استغاثہ کرتے تھے۔ لیکن کوئی نہ سنتا تھا اور کس طرح وہ مدد طلب کرتے تھے لیکن کوئی ان کی فریاد رسی نہ کرتا تھا اور تمام وحوش و حیوانات پانی سے سیراب ہو رہے تھے لیکن لوگوں نے ان کو پیاسا شہید کر ڈالا محمد بن حنفیہ نے پھر ایک سرد آہ کھینچی۔ اور بے ہوش ہو کر گر گئے اور جب ہوش میں آئے تو پوچھا۔ اے برادر زادہ! تم پر کیا کیا گذری؟ پس حضرت سجاد بیان کرتے جاتے تھے اور محمد بن حنفیہ روتے جاتے تھے آخر واپس روانہ ہو گئے۔

کہتے ہیں آپ نے پوچھا تھا کہ میرے بھائی عباس کہاں ہیں؟ تو حضرت سجاد نے جواب دیا وہ بھی مارے گئے۔ پھر فرداً فرداً دیگر جوانان بنی ہاشم کے متعلق پوچھا اور آپ جواب میں ان کی شہادت بیان کرتے رہے آخر کار عرض کی اے عم نامدار اب صرف ایک میں اور ایک میرا فرزند محمد بچ کر آئے ہیں اور اپنی آپ بیتی بیان کرتے ہوئے عرض کی اے چچا جان مختصر سرگذشت یہ ہے کہ ہمارے نانا نے اپنی اُمت سے اپنی عترت کے متعلق حسن سلوک کی بار بار وصیتیں فرمائی تھیں اگر وہ ان کے متعلق ظلم و ستم کی وصیت کر جاتے تو اس سے زیادہ ظلم و ستم پھر بھی نہ کیا جاتا جو ہم پر باوجود حسن سلوک کی وصیتوں کے کیا گیا ہے۔

کہتے ہیں محمد بن حنفیہ نے اپنے بھتیجے کو اپنے سینہ سے لگانے کی کوشش کی اور حضرت سجاد نے عرض کی چچا جان میری ہڈیاں پسلیاں اب تک درد کرتی ہیں جو مصائب میں دیکھ کر آیا ہوں پھر محمد نے خدا معلوم اپنی پردہ دار بہنوں کو کس حالت میں دیکھا اور ان کی کس طرح احوال پرسی کی۔ تاریخ کی زبان خاموش ہے۔ کہتے ہیں بیبیوں کی حالت مصائب و آلام سے اس قدر دگرگون ہو چکی تھی کہ پہلی بار تو محمد پہچان بھی نہ سکے اور حضرت سجاد سے دریافت کیا کہ میری بہن زینب کہاں ہے؟ تو بہن نے اٹھ کر بھائی کو گلے لگایا کہ تیری بے ارمان ام المصائب بہن زینب میں ہوں۔ بہرکیف مدینہ میں اسیرانِ اہل بیت کی واپسی کے مفصل واقعات سے تاریخ خاموش ہے زبانِ حال سے بہت کچھ بیان کیا گیا ہے اور کیا جا سکتا ہے۔

واللہ اعلم

چھٹا باب

واقعات شہادت سید الشہداء علیہ السلام

شجاعت امام حسین علیہ السلام

سرچشمۂ ظلم و استبداد سگ وادیٔ کفر و الحاد عبید اللہ بن زیاد کی کثیر التعداد فوجیں جب عرصۂ کارزار کربلا میں جمع ہوگئیں اور گھوڑوں کی ٹاپیں ڈھول و طبل کی تھاپیں تلواروں کے چمکاد نیزوں کے لشکار تیر و تفنگ کے جھنکار اور لوگوں کی چیخ و پکار کے درمیان شجاعان عرصۂ کارزار کی للکار کا دل ہلا دینے والا سماں یہ تاثر دے رہا تھا کہ اس ہاؤ ہو کے مقابلہ میں قدم جمانا کسی غیر معمولی شخصیت کا ہی کام ہے۔ اُس وقت کس کی جرأت تھی کہ ان آہنی دیواروں سے ٹکرائے اور کس کی مجال تھی کہ ان فولادی شکنجوں میں جکڑے جانے کے لئے اپنے قیمتی وجود کو پیش کرے۔ بے شک تاریخ بتلاتی ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ ایسے پُرخطر ماحول میں بڑے بڑے شجاع اور نامور بہادر بھی صاحب اقتدار کی ہاں میں ہاں ملانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اور وقتی طور پر اپنے حریف کی ہر جائز و ناجائز خواہش پر صاد کرنے میں ہی بھلائی اور اپنی خیر سمجھتے ہیں اور اپنے نظریہ کو خیرباد کہتے ہوئے اپنے ہاتھوں اپنے مشن کا گلا کاٹنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ یقین جانیے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام وقت کی نزاکت کو بھانپ چکے تھے انہیں اپنے حریف کے ارادوں کی خبر تھی اور ظاہری لحاظ سے اپنی بے بضاعتی کا بھی اعتراف تھا لیکن آپ کو معلوم تھا کہ میرے مشن کی کامیابی صرف اسی میں ہے۔ کہ اپنے پاس موجودہ قلت کو حریف کی کثرت سے ٹکرایا جائے تاکہ یہ نتیجہ روز روشن کی طرح واضح ہو جائے کہ حق پر جم کر ایک قدرہ کم مقدار باطل کے ریگ زار کو گم نام بلکہ بے نام نشان کر سکتا ہے اور صداقت کے بل بوتے پر ایک قطرہ باطل کے متلاطم سیلاب کا منہ موڑ سکتا ہے پس ان کے غیور دار نفس نے باطل کے سامنے جھکنے اور استبداد کے آگے سرنگوں ہونے کے بجائے اپنے بہادر باپ اور غیور دادے کی سیرت پر اپنے لئے کٹھن راستہ تجویز کیا اور ہاشمی جرأت کو لبیک کہتے ہوئے ذلت کی زندگی کو ٹھکرا کر موت کی آنکھ میں آنکھ ملانے کے لئے آگے بڑھنا پسند فرمایا۔ پھر اپنی تھوڑی مقدار کے ساتھیوں کو اپنے سامنے ریگ زار صحرا میں ایڑیاں رگڑتے

دیکھا، اپنے جواں سال بیٹوں، بھتیجوں، بھانجوں، بھائیوں اور عزیزوں کو خون میں نہاتے ہوئے دم توڑتے ہوئے دیکھا عباس کے کٹے ہوئے بازو دیکھے، علی اکبر کے سینے میں زخم دیکھا، علی اصغر کے گلو ناز میں تیر پیوست دیکھا اور سب کچھ دیکھنے کے باوجود جرأت و شجاعت کا بے جگری سے ایسا مظاہرہ کیا جیسا کہ کچھ نہ دیکھا ہو۔

علاوہ ازیں تین دن کی پیاس تھی حالانکہ آپ فطری و طبعی طور پر پیاس کو زیادہ محسوس فرماتے تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ خاندانِ عصمت کی تمام شہزادیوں کو حسینؑ کی پیاس کا اپنی پیاس سے زیادہ احساس تھا اور پیاس کے تمام اسباب آپ کے پاس موجود تھے۔ دن گرم تھا موسم گرم، ہوا گرم، زمین گرم پھر زخموں کی حرارت، عزیز و اقارب کی اپنے سامنے موت کی حرارت اور پردہ داروں کے متعلق فکر و تشویش کی حرارت اور تین دن کی پانی کی بندش کے ساتھ آپ کی فطری و طبعی پیاس کو ملا کر اندازہ کیجئے کہ آپ پر پیاس کا کیا عالم ہوگا۔ ہاں جب شہزادہ علی اکبر نے ایک مرتبہ باپ کی خدمت میں پہنچ کر پیاس کی شکایت کی تو امام نے بڑھ کر اپنے جوان سال بیٹے کو سینے سے لگایا اور منہ سے منہ ملا کر فرمایا۔ یہ لو میری زبان کو چوس لو شاید کچھ تسکین ہو جائے تو شہزادے نے اپنے منہ میں باپ کی زبان لی بس فوراً اپنا منہ پیچھے ہٹا لیا باپ نے پوچھا کیوں بیٹا تو عرض کی بابا جان! آپ کی زبان میری زبان سے زیادہ خشک ہے۔ اندازہ کیجئے کہ حسینؑ کی پیاس کس قدر تھی؟

اور یہ چیزیں کسی شجاع اور بہادر کی شجاعت کے لئے نہ صرف سدِ راہ ہیں بلکہ ان میں سے ایک بھی ہو تو بہادر سے جوہرِ شجاعت گم ہو جایا کرتے ہیں۔ یہی تو فرق ہے علیؑ اور حسینؑ کی شجاعت میں کہ علیؑ پانی پی کر لڑے اور حسینؑ پیاسے لڑے علیؑ بے فکر لڑے اور حسینؑ نے ہزار ہا فکر و تشویش کی موجودگی میں جوہرِ شجاعت دکھائے۔ علیؑ نے لڑنے کے بعد زخم کھائے اور حسینؑ زخمی وجود سے آمادۂ حرب ہوئے۔ علیؑ کے سامنے عزیزوں کی لاشیں نہ تھیں اور حسینؑ تمام جانثاروں عزیزوں اور جگر گوشوں کو گرم زمین پر دیکھ کر میدان میں آگے بڑھے۔ علیؑ ایک ایک سے لڑتے رہے اور حسینؑ بیک وقت ہزاروں سے لڑے۔ علیؑ کو داد شجاعت دینے کے لئے پیغمبرؐ اور اصحاب موجود ہوا کرتے تھے۔ اور حسینؑ کو خیمے کی طرف واپس بلانے کے لئے یتیم و بے وارث بچے اور سادانیاں دروازہ خیام پر تھیں، پھر بھی آپ نے اصولِ جنگ کے پیش نظر مبارز طلبی بھی کی اور ہر مقابلہ میں آنے والے کو شیرِ خدا کے شیر فرزند نے وارالبوار بھی پہنچایا۔ جب کافی تعداد میں نامی گرامی پہلوان لقمۂ اجل ہو چکے تو کسی کو علیؑ کے اس زخمی شیر دل فرزند کے سامنے آنے کی جرأت نہ تھی جبھی تو کہنے والے کہہ اٹھے۔ مَارَأَيْتُ مَكْثُورًا قَطُّ قَدْ قُتِلَ وُلْدُهُ وَأَهْلُ بَيْتِهِ وَأَصْحَابُهُ أَرْبَطَ جَاشًا مِنْهُ وَإِنْ كَانَتِ الرِّجَالُ لَتَشُدُّ عَلَيْهِ فَيَشُدُّ عَلَيْهِمْ بِسَيْفِهِ فَيَنْكَشِفُونَ عَنْهُ انْكِشَافَ الْمِعْزَى إِذَا شَدَّ

فِيهَا الذِّئْبُ وَلَقَدْ كَانَ يَحْمِلُ فِيهِمْ وَقَدْ تَكَمَّلُوا ثَلَاثِيْنَ اَلْفًا فَيَنْهَزِمُوْنَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ كَاَنَّهُمُ الْجَرَادُ الْمُنْتَشِرُ ثُمَّ يَرْجِعُ اِلٰى مَرْكَزِهٖ وَهُوَ يَقُوْلُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

ترجمہ:۔ راوی کہتا ہے میں نے آج تک کوئی زخموں سے چور انسان نہیں دیکھا جس کے سامنے اپنے بیٹے، عزیز و اقارب اور دوست قتل کئے جا چکے ہوں اور بایں ہمہ حسینؑ کی طرح دلیر اور ثابت القلب ہو۔ ان مصائب میں گھر جانے کے باوجود حسینؑ کی شجاعت کا یہ عالم تھا کہ لوگ یک بارگی حملہ آور ہوتے تھے۔ پس آپ شیرِ غضبناک کی طرح تلوار آبدار کو میان سے نکال کر ان کو للکارتے تھے پس صفوں میں انتشار پڑ جاتا تھا اور بکریوں کی طرح لوگ بھاگتے نظر آتے تھے وہ پورے تیس ہزار تھے جب آپ حملہ کرتے تھے تو ٹڈی کی طرح لوگ اڑتے نظر آتے تھے پس شیر کی طرح ان کو بھگا کر واپس اپنے مرکز پر پلٹ آتے تھے۔ حاشیہ تذکرۃ الخواص صلا۲۴۱ نقلاً عن ابن طاؤس اور بروایت ابن شہر آشوب اسی حالت میں ایک ہزار نو سو پچاس ملاعین کو تہ تیغ کیا۔

امام مظلوم کی بے پناہ شجاعت دیکھ کر عمر سعد شقی کے حوصلے پست ہو گئے اور اسے اپنی شکست کا احساس ہونے لگا لہٰذا باواز بلند صدا دی۔ اے اہلِ کوفہ! کیا تم لوگ نہیں جانتے کہ تم کس مرد میدان سے نبرد آزما ہو رہے ہو تمہیں نہیں معلوم کہ یہ شخص اس کا سپوت ہے جس کی تلوار نے صنادید عرب کے تکبر کو خاک میں ملا دیا؟ ہاں ہاں بیشک یہ الانزع البطین کا فرزند ہے اور شجاعت میں اس باپ کا وارث ہے جس کی تلوار نے عرب کے نامی پہلوانوں کا خون مزے لے لے کے چوسا۔ لہٰذا ناممکن ہے کہ مبارز طلبی کے طریقے سے تم اس پر فتح پا سکو کیونکہ اس طریقے سے اس کی نیام سے نکل ہوئی تلوار میدان کارزار میں حاضر ہونے والے تمام شجاعانِ حرب و ضرب کو یکے بعد دیگرے دارالبوار پہنچا کے ہی دم لے گی۔ بس بھلائی اس میں ہے کہ اس پر ہر طرف سے یکبارگی حملہ کرو۔ چنانچہ فوجِ اشقیا کے چار ہزار تیر اندازوں نے امام عالی مقام کا ہر چہار طرف سے احاطہ کر لیا اور تیر باراں شروع کی۔

"تاہم امام عالی مقام نے نہایت حوصلہ اور پامردی سے ان کا مقابلہ کیا اور شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ بنا بر ایک حکایت کے لوگوں نے واقعہ کربلا کے بعد گذشتہ بہادروں کی شجاعت کو یکسر بھلا دیا۔ جسے کہ جب شجاعانِ عرب کا ذکر ہوتا تو حضرت علیؑ کی بجائے جگہ جگہ امام حسینؑ اور ان کے اصحاب و احباب کی شجاعت کے تذکرے ہوتے۔ آپ نے عرصہ کارزار میں یہ اشعار پڑھے (مطالب السؤول محمد بن طلحہ شافعی صلا

اَنَا ابْنُ عَلِيِّ الْخَيْرِ مِنْ آلِ هَاشِمٍ
كَفَانِيْ بِهٰذَا مَفْخَرًا حِيْنَ اَفْخَرُ

میں بنی ہاشم میں سے حضرت علیؑ کا سپوت ہوں اور مقامِ فخر میں میرے لئے یہی کافی ہے

وَجَدِّیْ رَسُوْلُ اللہِ اَفْضَلُ مَنْ مَّشٰی ‏ وَنَحْنُ سِرَاجُ اللہِ فِی الْخَلْقِ یَزْھَرُ

میرا نانا رسول تمام زمین پر چلنے والوں سے افضل ہے اور ہم اللہ کی مخلوق میں اس کی جانب سے ہدایت کی روشن قندیل ہیں

وَفَاطِمَۃُ اُمِّیْ سُلَالَۃُ اَحْمَدَ ‏ وَعَمِّیْ یُدْعٰی ذَا الْجَنَاحَیْنِ جَعْفَرُ

رسول کی شہزادی فاطمہ میری ماں ہے اور میرا چچا جعفر طیار ہے جس کو جنت میں دو پر عطا ہوئے ہیں

وَفِیْنَا کِتَابُ اللہِ اُنْزِلَ صَادِقًا ‏ وَفِیْنَا الْھُدٰی وَالْوَحْیُ وَالْخَیْرُ یُذْکَرُ

اللہ کی سچی کتاب ہمارے حق میں ہے۔ ہدایت وحی اور نیکی ہم میں ہی موجود ہے،

وَنَحْنُ وُلَاۃُ الْاَرْضِ نَسْقِیْ وُلَاتَنَا ‏ بِکَاسِ رَسُوْلِ اللہِ مَا لَیْسَ یُنْکَرُ

ہم زمین میں اولوالامر ہیں اور اپنے موالیوں کو بلا ریب رسالت مآب کی طرف سے جام بھر بھر کر پلائیں گے

وَشِیْعَتُنَا فِی النَّاسِ اَکْرَمُ شِیْعَۃٍ ‏ وَمُبْغِضُنَا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَخْسَرُ

ہمارے شیعہ بہترین شیعہ ہیں اور ہمارے دشمن بروز قیامت خسارے میں ہوں گے

یہ اشعار پڑھ کر آپ نے مبارزطلبی کی اور جو بھی مقابلہ کے لئے آگے بڑھا اس کو تہ تیغ کیا۔ حتیٰ کہ کافی تعداد میں فوج اعداء کے نامی بہادروں کو واصل جہنم کیا اور آپ نے جس جس پر تلوار اٹھائی وہ موت کے چنگل سے جان بر نہ ہو سکا اور صرف یہی بات ان کی شجاعت اور خود اعتمادی پر دلیل قاطع ہے۔ بروایت مخزن البکاء تمیم بن قحطبہ نامی گرامی پہلوان تھا۔ آپ کے مقابلہ میں آیا اور امام نے ایک ہی ضربت سے اس کا کام تمام کر دیا اور ایسی زور سے تلوار ماری کہ اس کا سر پچاس ذراع دور جا پڑا۔ پھر جوش انتقام میں یزید ابطحی لاف وگزاف مارتا ہوا میدان میں آیا۔ یہ ملعون شجاعت میں شہرۂ آفاق تھا لیکن امام عالی مقام نے اس کا وار روک کے اس کی کمر پہ ایسی تلوار ماری کہ وہ دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر گیا۔

نیز مطالب السئول میں ہے بَارَزَ بِنَفْسِہٖ اِلٰی اَنْ اَثْخَنَتْہُ الْجِرَاحَاتُ وَالسِّہَامُ تَاخُذُہٗ مِنْ کُلِّ جَانِبٍ

آپ اس حد تک لڑے کہ زخموں سے چور ہو گئے اور تیر ہر طرف سے آپ پر برس رہے تھے۔ اتنے میں بعض ملاعین نے اہل حرم کا رخ کیا تو آپ نے فرمایا اے گروہ شیطان اگر تمہارے پاس دین نہیں ہے اور قیامت کا ڈر تمہارے دل میں نہیں تو شرافت نفس کو سنبھالو اور غیرت عرب کا خیال کرو۔ میں تم سے لڑ رہا ہوں بس تم میرے ساتھ جنگ کرو اور اہل حرم کو ستانے سے باز آجاؤ اور عورتوں بچوں کو پریشان نہ کرو۔ چنانچہ وہ رک گئے

مخزن البکاء بروایت بحار الانوار امام نے یہ اشعار پڑھے۔

فَإِنْ تَكُنِ الدُّنْيَا تُعَدُّ نَفِيْسَةً ... فَإِنَّ ثَوَابَ اللهِ أَعْلَى وَأَنْبَلُ

اگرچہ دنیا مرغوب چیز ہے۔ لیکن اللہ کا ثواب بلند و بالا تر ہے۔

وَإِنْ تَكُنِ الْأَبْدَانُ لِلْمَوْتِ أُنْشِأَتْ ... فَقَتْلُ امْرِءٍ بِالسَّيْفِ فِي اللهِ أَفْضَلُ

اگر بدن موت کے لئے پیدا ہوئے ہیں تو اللہ کی راہ میں انسان کا تلوار سے قتل ہونا افضل ہے

وَإِنْ تَكُنِ الْأَرْزَاقُ قِسْمًا مُقَدَّرًا ... فَقِلَّةُ سَعْيِ الْمَرْءِ فِي الْكَسْبِ أَجْمَلُ

اور اگر رزق تقسیم شدہ ہیں تو کسب میں تھوڑی کوشش ہی زیادہ سزاوار ہے

وَإِنْ تَكُنِ الْأَمْوَالُ لِلْمَوْتِ جَمْعُهَا ... فَمَا بَالُ مَتْرُوْكٍ بِهِ الْمَرْءُ يَبْخَلُ

اور اگر فنا کی خاطر ہی مال جمع کرنا ہے تو چھوڑ جانے والی چیز پر انسان کیوں بخل کرے

پس حملہ آور ہوئے اور میدان کو خالی کر دیا اور اثنار حرب میں آپ کی زبان پر یہ شعر جاری رہا۔

اَلْمَوْتُ خَيْرٌ مِّنْ رُكُوْبِ الْعَارِ ... وَالْعَارُ أَوْلَى مِنْ دُخُوْلِ النَّارِ

شرمساری کی زندگی سے موت بہتر ہے اور جہنم کے دخول سے دنیا کی شرمساری کا برداشت کر لینا بہتر ہے

بروایت بحار الانوار لشکر کے میمنہ پر حملہ کیا اور جنگ میں حیدر کرار کی لڑائی کا نقش پیش کیا۔ پھر میسرہ پر حملہ کیا۔ اور یہ رجز پڑھا:-

أَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ ... آلَيْتُ أَنْ لَا أَنْثَنِيْ

أَحْمِيْ عِيَالَاتِ أَبِيْ ... أَمْضِيْ عَلَى دِيْنِ النَّبِيِّ

ترجمہ: ۱۔ میں حسین بن علی ہوں اور میں نے قسم کھائی ہے کہ واپس نہ جاؤں گا۔

۲۔ اپنے باپ کے اہل حرم کی حفاظت کروں گا اور اسی حال میں دین پیغمبر پر گامزن ہوں گا

پس میمنہ کو میسرہ پر اور میسرہ کو میمنہ پر مارتے رہے اور اسی حالت میں آپ نے یکے بعد دیگرے کئی حملے کئے حمید بن مسلم کہتا ہے خدا کی قسم میں نے اس وقت آپ کو دیکھا کہ آپ کی ریش اقدس خون سے تر بتر تھی اور میں نے زرہ کو دیکھا اس قدر تیر اس میں پیوست ہو چکے تھے کہ زرہ نظر نہ آسکتی تھی اور باوجود اس کے آپ حملہ پر حملہ کر رہے تھے اور ان کے سامنے کسی کو ثابت قدم رہنے کی جرأت نہ تھی۔ تب عمر سعد نے کہا لَا شَكَّ إِنَّهُ ضِلْعٌ مِّنْ أَضْلَاعِ النُّبُوَّةِ کہ بے شک یہ نبوت کا جزو ہے۔ اور حکم دیا کہ فوج دو حصوں میں بٹ کر اس تنہا سے لڑے ایک حصہ تلواروں اور نیزوں سے اور دوسرا حصہ تیروں اور پتھروں سے۔

امام مظلوم نے عمر بن سعد کی فوج سے فرمایا کہ میں نے کونسا شرعی جرم کیا ہے جس کی پاداش میں میرا قتل تم لوگوں نے حلال جانا ہے تو بروایت ابو مخنف انہوں نے کہا۔ صرف تیرے باپ کی دشمنی کی وجہ سے ہم آپ سے لڑتے ہیں۔ اور اپنے بدر و حنین کے مقتولین کا ہم بدلہ لیتے ہیں۔ پس آپ نے عمر بن سعد کو بلا کر فرمایا کہ تین باتوں میں سے ایک کو اختیار کر لو۔

۱۔ تَتْرُكُنِيْ حَتّٰى اَرْجِعَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ اِلٰى حَرَمِ جَدِّيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ مجھے چھوڑ دو کہ واپس مدینہ چلا جاؤں۔ تو عمر نے انکار کیا۔

۲۔ اسْقُوْنِيْ شَرْبَةً مِنَ الْمَاءِ۔ مجھے ایک گھونٹ پانی پلا دو کہ پیاسا ہوں۔ فَقَدْ نَشَفَتْ كَبِدِيْ من الظماء کہ پیاس سے میرا جگر کباب ہو گیا ہے۔ عمر نے جواب دیا کہ یہ بھی نہیں ہو سکتا۔

۳۔ امام نے فرمایا اِنْ كَانَ وَلَا بُدَّ فَلْيَبْرُزْ اِلَيَّ رَجُلٌ بَعْدَ رَجُلٍ۔ اگر یہ بھی نہیں تو پھر میرے مقابلہ کے لئے ایک ایک آدمی آنا چاہیے۔

ابن سعد نے اس بات کو ظاہراً قبول کر لیا لیکن وفا نہ کی۔

جب وہ ملاعین فرداً فرداً جنگ کرنے سے عاجز آ گئے تو ہر جانب سے حملہ آور ہو گئے اور امام نے خوب جہاد کیا۔ حتیٰ کہ بروایت منتخب متعدد حملوں میں دس ہزار سے زیادہ ملاعین کو دار البوار پہنچایا۔ لیکن فوج کی کثرت کی وجہ سے ان میں اس مقدار کی کمی محسوس نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ حملہ کرتے ہوئے دریائے فرات پر جا پہنچے اور گھوڑے کو پانی میں داخل کیا اور فرمایا گھوڑا تو بھی پیاسا ہے اور میں بھی پیاسا ہوں۔ پس گھوڑے نے پانی سے منہ اٹھا لیا اور آپ نے چلو بھر کر ارادہ کیا کہ پانی پئیں لیکن ایک ملعون نے آواز دی حسین تو پانی پی رہا ہے حالانکہ دشمن تیرے خیام میں گھس رہے ہیں پس غیور امام نے جونہی اہل حرم کا نام سنا تو پانی گرا دیا اور تشنہ کام واپس پلٹے اور ایک مرتبہ پھر خیام میں تشریف لائے (مخزن البکاء)

اور دوسری روایت میں ہے کہ چونکہ تشنگی کا غلبہ تھا اس لئے امام نے دریا کا رُخ کیا۔ بروایت ابن شہر آشوب اعور سلمی اور عمرو بن حجاج زبیدی جو چار ہزار کی فوج کے ساتھ دریا پر مسلط تھے ان سے لڑائی اور فتح حاصل کر کے کنارہ دریا پر قبضہ کر لیا اور گھوڑے کو پانی میں داخل کیا اور گھوڑا بھی چونکہ پیاسا تھا پس امام نے فرمایا اَنْتَ عَطْشَانٌ وَاَنَا عَطْشَانٌ وَاللّٰهِ لَا اَذُوْقُ الْمَاءَ حَتّٰى تَشْرَبَ۔ تو بھی پیاسا ہے اور میں بھی پیاسا ہوں۔ خدا کی قسم میں پانی نہ پیوں گا۔ جب تک کہ تو نہ پیئے گا۔ پس جونہی حیوان نے یہ کلام سنا تو پانی سے منہ اٹھا لیا۔

اور امام نے گھوڑے سے فرمایا۔ اِشْرَبْ فَاَنَا اَشْرَبُ تو بھی پی اور میں بھی پیتا ہوں۔ چنانچہ گھوڑے کی دلجوئی کی خاطر چلو بھرا اور پینے کا ارادہ کیا کہ بروایت بحار الانوار ایک کلبی شخص نے ایک تیر مارا جو امام مظلوم کے دہن اقدس پر لگا اور ایک روایت میں ہے کہ یہ تیر حصین بن نمیر نے مارا تھا۔ امام نے وہ تیر کھینچ کر پھینک دیا اور خون کا فوارہ جاری ہوا۔ پس اتنے میں ایک شخص نے صدا دی۔ اے حسینؑ تجھے پانی یاد ہے حالانکہ دشمن تمہارے خیام میں گھس رہے ہیں۔ غیور امام نے خیام کا رُخ کیا۔

خیام کی طرف رجوع

جب خیمہ میں پہنچے تو خیام کو صحیح و سالم دیکھا لیکن بچوں کی صدائے العطش العطش جگر کو کباب کر رہی تھی۔ ایک سہ سالہ بچی پانی پانی کر رہی تھی آپ نے اس کو تسلی دی بچی نے عرض کی باباجان! آپ دریا سے میرے لئے کچھ پانی لائے ہیں تو آپ نے رو کر فرمایا بیٹی صبر کرو۔ پس اپنی انگلی بچی کے منہ میں داخل کی تو اس کو قدرے تسکین ہوگئی۔ پس واپس آنے کا ارادہ کیا تو حضرت سجاد نے عرض کی، باباجان! ذرا ٹھہر جائیے میں ایک مرتبہ آپ کی زیارت کر لوں۔ چنانچہ ٹھہرنا تھا کہ خاندانِ عصمت کی جملہ شہزادیاں دروازہ پر آگئیں اور امام مظلوم کی حالت کو دیکھ کر بے قرار ہو کر رونے لگیں۔ اس دفعہ آپ کا جسم زخمی تھا اور خون سے لباس سرخ ہو چکا تھا۔ پس بیمار فرزند کے سرہانے آئے اور ان کو بوسہ دیا اور اسرار امامت سپرد کئے۔ نیز یہ بھی منقول ہے کہ سجاد نے پوچھا کہ باباجان یہ حالت کیا ہوئی ہے تو امام نے فرمایا میرے جانثار سب راہِ خدا میں کام آگئے ہیں اور میں تنہا رہ گیا ہوں۔

محرق القلوب میں ہے دیگر وصیتوں کے علاوہ امام نے اپنے بیمار فرزند کو ایک وصیت یہ بھی فرمائی کہ جب مدینہ میں جانا تو میرے شیعوں اور موالیوں کو میرا سلام کہنا کہ جب تم کو غربت پیش آئے تو میری غربت کو یاد کرنا جب کسی بے گناہ مقتول کو دیکھنا تو میری شہادت کو نہ بھولنا اور جب ٹھنڈا پانی پینا تو میری پیاس کو یاد کر لینا۔

اہلِ حرم سے وداع

مختلف کتب مقاتل کی سیر سے اس قدر اندازہ ہوتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام متعدد مرتبہ خیام میں تشریف لائے اور واپس میدان کو گئے چنانچہ ایک مرتبہ تشریف لائے اور عمامۂ رسولؐ سر پر رکھا قمیص رسولؐ زیب تن فرمائی۔ رسالت مآبؐ کی تلوار گلے سے حمائل کی اور جناب رسالت مآبؐ کے گھوڑے پر سوار ہو کر اتمام حجت کے لئے میدان میں تشریف لائے فرمایا۔ اے اہل کوفہ و شام! تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ میں رسولؐ کا نواسہ ہوں۔ میرا باپ علی مرتضٰے جو ہر

مومن و مومنہ کا مولا اور ساقی کوثر ہے ۔ میری ماں فاطمہ زہرا سیدۃ النساء ہے ۔ میری جدہ خدیجہ کبریٰ ہے میرا بھائی حسن مجتبیٰ اور چچا جعفر طیار ہے ۔ یہ رسول کا عمامہ میرے سر پر ہے رسول کی قمیص میرے بدن پر ہے ۔ اور یہ تلوار و گھوڑا انہیں کا ہے ۔

اَلَمْ تَعْلَمُوْا اِنِّیْ ابْنُ بِنْتِ نَبِیِّکُمْ   وَوَالِدِیْ الْکَرَّارُ لِلدِّیْنِ کَمَّلَا

کیا تم نہیں جانتے کہ میں محمد کا نواسہ ہوں اور میرا باپ حیدر کرار ہے جس نے دین کو کامل کیا

فَهَلْ سُنَّةً غَیَّرْتُهَا اَمْ شَرِیْعَةً   وَهَلْ کُنْتُ فِیْ دِیْنِ الْاِلٰهِ مُبَدِّلَا

کیا میں نے سنت یا شریعت کو بدلا ہے یا میں نے دین خدا میں کوئی تبدیلی کی ہے ؟

سب نے جواب دیا کہ آپ جو کچھ فرما رہے ہیں درست ہے تو آپ نے فرمایا پھر میرا قتل کیوں حلال جانتے ہو ۔ اور یہ پانی جو یہود و نصاریٰ بھی پی رہے ہیں اس سے مجھے اور خاندان رسول کی شہزادیوں اور بچوں کو کیوں محروم کرتے ہو ؟ لیکن ان سنگ دلوں پر ان کلمات کا ذرہ بھر اثر نہ ہوا ۔ محرق القلوب صـ۱۳۳ ۔

بروایت ابو مخنف آپ نے ایک مرتبہ دائیں طرف دیکھا تو کوئی ناصر نظر نہ آیا پھر بائیں جانب نگاہ کی تو کوئی مددگار نظر نہ آیا ۔ آپ اکیلے رہ گئے تھے اور بار بار خشک زبان ہونٹوں پر پھیرتے تھے ۔ تمام جاں نثار خاک گرم کربلا پر اطمینان کی نیند سو چکے تھے اور خاک شفا کا کفن اوڑھے ہوئے امام کے سامنے گرم دھوپ پر ان کی لاشیں موجود تھیں ۔ ایک مرتبہ حسرت بھری نگاہ سے ان کو دیکھا اور پھر صدا دی ۔ اے مسلم بن عقیل ۔ ہانی بن عروہ حبیب بن مظاہر ۔ زہیر بن قین ۔ یزید بن مہاجر یحییٰ بن کثیر ۔ نافع بن ہلال ۔ ابراہیم بن حصین ۔ عمر بن مطاع ۔ اسد کلبی عبداللہ بن علی علی اکبر ۔ مسلم بن عوسجہ ۔ داؤد بن طرماح اور حر ریاحی ! یَا اَبْطَالَ الصَّفَا وَیَا فُرْسَانَ الْهَیْجَا مَالِیْ اُنَادِیْکُمْ فَلَا تُجِیْبُوْنِیْ وَاَدْعُوْکُمْ فَلَا تَسْمَعُوْنِیْ ۔ اے میدان کارزار کے بہادرو اے عرصۂ جنگ کے شہسوارو ! کیا بات ہے میں تم کو بلا رہا ہوں اور تم جواب بھی نہیں دیتے اور میں تم کو آواز دے رہا ہوں لیکن تم آج سنتے بھی نہیں ! کیا تم حالت خواب میں ہو کہ تمہاری بیداری کی انتظار کرلوں ۔ فَهٰذِهٖ نِسَاءُ الرَّسُوْلِ لِفَقْدِکُمْ عَلَاهُنَّ النُّحُوْلُ ۔ یہ دیکھو خاندان عصمت کی شہزادیاں تمہارے چلے جانے سے حال پریشان ہیں ۔ میرے غیور جوانو ! اپنی نیند سے اٹھو اور ان کمینے ظالموں سے حرم رسول کی حفاظت کرو ۔ الخ

روایت بمعہ عبارت عربی اسد کلبی کے حالات میں گذر چکی ہے ۔

محرق القلوب صـ۱۳۳ میں ہے کہ امام عالی مقام نے اس وقت ایک سرد آہ کھینچی کہ زمین میں زلزلہ پیدا ہوا

بچوں کی یتیمی اور اہل حرم بہنوں اور بیٹیوں کا فکر دامن گیر ہوا اور بہت روئے کہ ریش مبارک سے آنسو کے قطرے موتیوں کی طرح جھڑنے لگے۔ پس آسمان کی طرف نظر کی اور کہا۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَرٰی مَا یُصْنَعُ بِوَلَدِ نَبِیِّکَ۔ اے میرے اللہ تو جانتا ہے جو سلوک تیرے نبی کی اولاد سے ہو رہا ہے۔ پس آپ نے جنگ کی اور شیر خدا کی طرح داد شجاعت دی۔ کافی ملاعین کو فی النار کرنے کے بعد واپس آئے۔ اور ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر باواز بلند استغاثہ کیا۔ ھَلْ مِنْ نَاصِرٍ یَنْصُرُ اٰلَ مُحَمَّدٍ۔ ھَلْ مِنْ ذَابٍّ یَذُبُّ عَنِ الذُّرِّیَّۃِ الْاَطْھَارِ کیا کوئی ہے جو آلِ محمدؐ کی مدد کرے، کیا کوئی ہے جو پیغمبرؐ کی ذریت طاہرہ سے دشمنوں کے شر کو دور کرے ھَلْ مِنْ مُغِیْثٍ یُغِیْثُنَا۔ کیا کوئی ہے جو ہماری فریاد رسی کرے۔

جب اہل حرم نے امام مظلوم کی پریشانی و بے کسی دیکھی تو ایک کہرام ماتم بپا ہوا۔ اور کیوں نہ ہوتا ہو جن بہنوں کے سامنے ایک طرف عزیزوں کی سر بریدہ لاشیں گرم زمین پر بے گور و کفن موجود ہوں اور دوسری طرف حسینؑ جیسا بھائی پیاس کی شدت سے خشک زبان ہونٹوں پر پھرا رہا ہو۔ اور استغاثہ کی آواز پر کوئی لبیک کہنے والا نہ ہو۔ اور ساتھ ساتھ بھائی کی موت کے بعد اپنی اسیری و بے چارگی کی فکر بھی دامن گیر ہو۔ وہ کیوں نہ روئیں ؟ اسی طرح وہ شہزادیاں جن کے سر پر یتیمی منڈلا رہی ہو اور جوان بھائی سامنے ایڑیاں رگڑ رہے ہوں۔ اور حسینؑ جیسے باپ کا سایہ سر سے اٹھنے والا ہو اور اسیری و قید کا منظر بھی سامنے ہو وہ کیسے ماتم نہ کریں ؟ اسی طرح وہ مخدرات جن کا علی اکبر جیسا فرزند ذبح ہو چکا ہو۔ اور حسینؑ جیسے سردار کا سایہ سر سے اٹھنے والا ہو وہ کیوں نہ واویلا کریں ؟ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے جب یہ جگر خراش منظر دیکھا تو بستر بیماری سے اٹھے نیزہ ہاتھ میں لیا۔ افتاں و خیزاں خیمہ سے باہر نکلے اور میدان کا رخ کیا۔ جناب ام کلثوم پہنچیں اور دریافت کیا بیٹا کیا ارادہ ہے ؟ حضرت سجادؑ نے عرض کی پھوپھی جان! میں اپنے بابا کی مدد کے لئے جاتا ہوں کہ وہ استغاثہ کر رہے ہیں اور ان کی صدا پر لبیک کہنے والا کوئی نہیں ہے۔

اتنے میں امام حسین علیہ السلام نے دیکھا اور فرمایا بیٹا خدا کے لئے تم واپس جاؤ کیونکہ میری نسل کی بقا تیری وجہ سے ہی ہوگی اور اہل حرم کی حفاظت و نگہداری بھی تمہارے ذمہ ہوگی پھر فرمایا اے امّ کلثوم میرے بیمار فرزند کو واپس لے جاؤ کہ زمین نسل آلِ محمدؐ سے خالی نہ ہو جائے۔

امام مظلوم نے جب اہل حرم کی بے تابی دیکھی اور بچوں کی سراسیمگی کو ملاحظہ فرمایا اور آہ و فغاں کا دل سوز و جگر خراش منظر دیکھا تو عنانِ اسپ کو خیموں کی طرف موڑا اور ایک مرتبہ خیام میں تشریف لائے۔ حضرت سجادؑ کو تسلی دی اور فرمایا بیٹا! تم میرے وصی ہو۔ اور تمام اہل حرم کی پاسبانی تمہارے ذمہ ہے گویا اب میری اس کشتی کے ملاح تم ہو۔ اور اس

لٹے ہوئے قافلہ کے سالار تم ہی ہو۔ پھر باپ دادا کے تبرکات ان کے حوالے کئے اور دیگر وصیتیں بھی کیں۔

اہلِ حرم سے وداع کی دوسری روایت

پھر فرمایا۔ یا زینب یا ام کلثوم یا فاطمہ یا رباب۔ اے خاندانِ رسولؐ کی شہزادیو! اے دودمانِ عصمت وطہارت کی پردہ نشینو! میرا آخری پیغام سنو۔ چنانچہ یہ آواز پہنچتے ہی تمام پردہ دار پروانہ وار شمع امامت کے ارد گرد جمع ہوگئیں اور خاموشی سے مولا کے آخری فرمان کی منتظر ہوئیں۔ چنانچہ آپ نے اہل حرم پر ایک یاس وحسرت کی نظر کی اور فرمایا۔ میں تم کو صبر کی تلقین کرتا ہوں۔ اب میں موت کے لئے آمادہ ہوں۔ تمہارا خدا حافظ! میں تم کو رونے سے منع نہیں کرتا البتہ یہ کہتا ہوں کہ دامنِ صبر کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔

مخدراتِ حجرہ عصمت نے جب اپنے آقا کی زبانی اپنی شہادت کا پیغام سُنا تو بے تحاشا صدائے گریہ بلند ہوئی کہ ان کے گریہ سے ملاءِ اعلیٰ کے باشندوں میں بھی ماتم ہوا۔ جناب سکینہ خاتون کی عمر چونکہ چھوٹی تھی اپنی ماں سے دریافت کیا کہ یہ گریہ وفغاں اور ماتم وبے قراری کس وجہ سے ہے؟ تو ماں نے جواب دیا بیٹی کیا بتاؤں تیرا باپ موت کے لئے کمربستہ ہے اور ہمارے سر سے آقائے مظلوم کا سایہ اُٹھنے والا ہے سکینہ نے سُنا تو فوراً باپ کے قدموں پر گر گئی اور عرض کی بابا! کیا میں یتیم ہو جاؤں گی۔ بتائیے آپ کے بعد میرا نگہبان اور پُرسان حال کون ہوگا؟ امام نے اپنی خورد سال بچی کو اٹھالیا، سینے سے لگایا اور تسلی دی سر پہ ہاتھ پھیر کر جناب زینب عالیہ سے فرمایا اے بہن میری یتیم بچی کی خبر گیری کرتے رہنا اور اس کو تسلی دیتے رہنا کیونکہ یتیموں کے دل نازک ہوتے ہیں۔ پس علی اصغر کو میدان میں لے گئے اور ان کی شہادت کا قصہ مفصلاً گذر چکا ہے۔ شہزادہ علی اصغر کی شہادت کے بعد پھر خیام میں تشریف لائے۔

تیسری روایت

فرمایا۔ یا زینب ویا ام کلثوم ویا سکینہ ویا فاطمہ علیکن منی السلام واستودعکن اے زینب اے ام کلثوم اے سکینہ اور اے فاطمہ تم پر میرا اسلام اور خدا حافظ بہنوں کو گلے لگایا اور شہزادیوں کو پیار کیا اور سب کو تسلی دے کر روانہ ہوئے لیکن وہ کیا تسلی تھی بلکہ یہ تسلی اضطراب کا پیش خیمہ تھی اور یہ تسکین آنے والے مصائب کی پیشین گوئی تھی۔ ایک مرتبہ کہرام ماتم بپا ہوا۔

مروی ہے کہ جناب سکینہ خاتون نے چادر سر سے اتاری اور عرض کی بابا جان۔ آپ مرنے کو جارہے ہیں تو ہمارا اس دشتِ غربت میں کون پُرسانِ حال ہوگا۔ پس کتب مقاتل میں ہے کہ امام نے اپنی خورد سال بچی کے سر پر دستِ شفقت پھیرا اور تسلی دی اور یہ شعر پڑھے (مخزن البکا مجلس نہم)

مَیطولُ بَعدِی یَا سُکَینَۃُ فَاعلَمِی ‏‏ ‏‏ مِنکِ البُکَاءُ اِذَا الحِمَامُ دَهَانِی
لَاتُحرِقِی قَلبِی بِدَمعِکِ حَسرَۃً ‏‏ ‏‏ مَادَامَ مِنِّی الرُّوحُ فِی جُثمَانِی
فَاِذَا قُتِلتُ فَاَنتِ اَولٰی بِالَّذِی ‏‏ ‏‏ تَاتِینَہُ یَا خَیرَۃَ النِّسوَانِ

ترجمہ ۱ اے سکینہ میری شہادت کے بعد تیرا گریہ طویل ہوگا۔

۲ جب تک میں زندہ ہوں اپنی آنسوؤں سے میرے دل کو حسرت کی آگ میں نہ جلاؤ۔

۳ جب میں شہید ہو جاؤں تو تجھے رونے کا حق حاصل ہے۔ اے عورتوں کی سردار۔

پس اپنی ہمشیرہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ اِیتِینِی بِثَوبٍ عَتِیقٍ لَا یَرغَبُ فِیہِ اَحَدٌ مِنَ القَومِ اَجعَلُہُ تَحتَ ثِیَابِی لِئَلَّا اُجَرَّدَ مِنہُ بَعدَ قَتلِی۔ مجھے پرانا لباس لادو جو کسی کے کام کا نہ ہو۔ میں اس کو اپنے کپڑوں کے نیچے پہنتا ہوں تاکہ وہ لباس میرے بدن سے اتارا نہ جائے۔ اور ایک روایت میں ہے فَاِنِّی مَقتُولٌ مَسلُوبٌ۔ کیونکہ قتل کے بعد میرا لباس اتار لیا جائے گا۔ یہ سنتے ہی پھر ایک مرتبہ اہلِ حرم سے صدائے گریہ بلند ہوئی۔ آپ نے فرمایا رونا فی الحال بند کرو کیونکہ اَلبُکَاءُ اَمَامَکُنَّ رونے کی منزلیں تمہارے آگے بہت ہیں۔ چنانچہ ایک لباس لایا گیا وہ آپ نے پسند نہ فرمایا۔ پھر ایک لباس حاضر کیا گیا جو آپ نے قبول فرمایا۔ اور روایت میں ہے فَخَرَّقَہُ وَمَزَّقَہُ۔ آپ نے اس کو اور زیادہ پارہ پارہ کر کے زیب تن فرمایا۔ خود ہی اندازہ کیجئے جب اہلِ حرم نے امام مظلوم کے تن نازنین پر یہ خستہ لباس دیکھا ہوگا تو دل پر کیا گذری ہوگی۔ بہن نے کہا ہوگا کہ ایک وہ وقت تھا کہ لباس جنت سے سل کر آتا تھا اور آج یہ حالت ہے۔ ممکن ہے عرض کی ہو جس طرح کسی ایرانی شاعر نے کہا ہے۔ ع

ترا کہ شاہ حجازی ایا برادر من ‏‏ ‏‏ نہ زیبدت کہ جامۂ کہن پوشی!

پس باقی لباس درست کیا اور بروایت مخزن البکا صفحہ ۲۵۱ عمامۂ رسول سر پر باندھا اور ذوالفقار حیدر کرار گردن سے حائل کی اور حمزہ کی سپر کو ڈھال بنایا۔ پس خیام میں الوداع الوداع اور الفراق الفراق کی فلک شگاف صدائیں بلند ہوئیں۔

اب غلام تو کوئی موجود نہ تھا جو ذوالجناح کی لگام کو پکڑتا اور سوار کراتا۔ ہاں قضا نے گھوڑے کو آگے بڑھایا۔ ممکن ہے کہ بہنوں نے بھائی کو سوار کیا ہو۔ آپ نے میدانِ کارزار کا رُخ کیا اور اتمام حجت کی لیکن شبث ابن ربعی نے جواب دیا حسین ہم سب کچھ جانتے ہیں لیکن جب تک یزید کی بیعت نہ کرو گے۔ نہ

پانی ملے گا اور نہ تمہارے قتل سے ہم باز آئیں گے۔ پس آپ مصروفِ جہاد ہوئے اور حیدر کرار کی طرح ایسا جنگ کیا کہ ملاعین کے ہوش ٹھکانے نہ رہے۔

امام مظلومؑ نے اپنی جانب سے کافی اہتمام کیا لیکن اُمتِ نابکار نے اپنی انتہائی خست اور درندگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہ لباس کہنہ بھی امام کے تن اطہر سے بعد از شہادت اتار لیا چنانچہ مخزن البکاء میں بروایت طریحی منقول ہے۔ فَلَمَّا قُتِلَ عَرَّی رَجُلٌ جِسْمَهُ مِنْهُ وَتَرَكَهُ عُرْيَانًا بِالعَرَاءِ مُجَرَّدًا عَلَى الرَّمْضَاءِ وَشَلَّتْ يَدَاهُ فِي الحَالِ وَحَلَّ بِهِ الْعَذَابُ وَالنَّكَالُ۔ یعنی امام کی شہادت کے بعد ایک ملعون نے آپ کے جسمِ اطہر سے وہ پرانا لباس بھی اتار لیا پس آپ بے لباس گرم ریگ صحرا میں رہے اور اس ملعون کے دونوں ہاتھ اسی وقت شل ہو گئے۔ اور اس پر عذاب خداوندی نازل ہوا۔ ہائے کیا حال ہوگا۔ اس بہن کا جس نے دداعِ لاش کی خاطر بھائی کو پرانا لباس پہنایا تھا تاکہ لاش مستور رہے اب خدا جانے بہن نے بھائی کی کس طرح دیکھا ہوگا اور کیسے وداع کیا ہوگا۔ ہاں خاکِ شفا کا لباس تو ضرور موجود تھا۔

مَنْ مُخْبِرُ الزَّهْرَاءِ اَنَّ حُسَيْنَهَا ... بَيْنَ الوَرٰى عَارٍ عَلٰى تَلْعَاتِهَا

وَرُؤُسُ اَبْنَاهَا عَلٰى سُمْرِ القَنَا ... وَبَنَاتُهَا تُهْدٰى اِلٰى شَامَاتِهَا

يَا فَاطِمُ الزَّهْرَاءِ قُوْمِيْ وَانْدُبِيْ ... اُسَرَاكِ فِيْ اَسْرَاكِ ذُلَّ عِلَّتِهَا

ترجمہ: کوئی زہراؑ کو خبر دے کہ تیرا حسینؑ گرم ریگ صحرا پر بے کفن پڑا ہوا ہے۔

۲۔ تیرے بچوں کے سر نیزوں پر اور تیری شہزادیاں شام کی طرف روانہ کی جا رہی ہیں۔

۳۔ اے فاطمہؑ اٹھ کر ماتم کر کہ تیری قیدی بیٹیاں دشمنوں کے درمیان ذلیل کی گئی ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ آپؑ نے اپنے فرزند حضرت امام زین العابدینؑ کو وصیتیں کیں، اسرار امامت سپرد کئے اور تبرکات بھی ان کے حوالے کئے اور ایک روایت میں ہے کہ امام سجادؑ اس وقت بیمار تھے لہٰذا اپنی شہزادی جناب فاطمہؑ کو بلایا اور وصیت نامہ اور جملہ تبرکات ان کے حوالے فرمائے تاکہ بعد میں اپنے بھائی کو دے دیں اور مفصل وصیتیں اور انبیاء کی امانتیں آپ بوقتِ روانگی از مدینہ جناب اُمّ سلمہؑ کے حوالہ کر آئے تھے جو قید سے رہائی کے بعد امام سجادؑ نے وصول کی تھیں۔ پس خاندانِ عصمتؑ کی شہزادیوں کو ایک ایک کر کے وداع کیا اور بیبیوں کا حلقہ امام کے گرد اس طرح تھا جس طرح چاند کے ارد گرد ھالہ ہوا کرتا ہے پس سب بیبیوں کو دیکھ کر امام بہت روئے اور خدا حافظ کر کے روانہ ہوئے۔

ع شبیر برآمد ہوئے یوں خیمہ کے در سے جیسا کہ نکلتا ہے جنازہ کسی گھر سے

لشکرِ اشقیاء کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا حسب و نسب بیان فرمایا اور عترتِ نبویؐ کے حقوق بیان کئے اپنی اور اپنی عیال کی شدتِ پیاس کا احساس دلایا حتیٰ کہ امام مظلومؑ کی تقریر سے بعض سنگدل کوفی رونے لگ گئے۔ شمر نے کہا بغیر بیعت کے اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا فاسق و فاجر کی بیعت میں ہرگز قبول نہ کروں گا۔ پس مصروفِ جہاد ہوئے۔

وداعِ خیام کا ایک دلخراش منظر

مخزن البکاء میں ہے اتمامِ حجت کے بعد آپ ایک مرتبہ پھر خیمہ کی طرف پلٹے جب حرم سرا کے دروازہ پر پہنچے تو جنابِ زینب علیہا سلام اللہ علیہا کمال اضطراب اور نہایت حسرت و یاس کے ساتھ گریہ کرتی ہوئی دروازہ خیمہ پر پہنچی کہ ان کی چادر زمین پر خط دے رہی تھی اور بی بی عالیہ میدان میں بھائی کی تقریر اور شمر کا جواب سن چکی تھی۔ عرض کرنے لگی۔ بھائی جان ھٰذَا کَلَامُ مَنْ اَیْقَنَ بِالْقَتْلِ آپ ایسی باتیں کر رہے تھے جس طرح کہ آپ کو اپنی موت کا یقین ہو۔ آپ نے فرمایا۔ اے بہن کَیْفَ لَا یُوْقِنُ بِالْقَتْلِ مَنْ لَا مُعِیْنَ لَہٗ وَ لَا مُجِیْر۔ وہ شخص اپنی موت کا یقین کیسے نہ کرے جس کا نہ کوئی ناصر ہو اور نہ پناہ دینے والا ہو۔ پس بی بی نے رو دیا اور کہا۔ وَاثْکَلَاہُ یَنْعٰی الْحُسَیْنُ نَفْسَہٗ۔ ہائے فریاد بھائی حسینؑ اپنی موت کی خبر دے رہا ہے۔ پس صدائے ماتم بلند ہوئی اور امام مظلومؑ میدان کارزار میں پہنچے اور اپنا تعارف کرایا اور فرمایا تم میں ایسے لوگ اب بھی موجود ہیں جنہوں نے رسولِ خدا سے اپنے کانوں میرے فضائل سنے ہیں چنانچہ زید بن ثابت۔ براء بن عازب اور انس بن مالک سے دریافت کر لیجئے لیکن ملاعین نے ذرہ بھر پرواہ نہ کی۔

آمدن قوم جن

امام عالی مقام نے کئی دفعہ استغاثہ کیا اور مختلف الفاظ سے کیا۔

ھَلْ مِنْ نَاصِرٍ یَنْصُرُنَا۔ کیا کوئی مدد کرنے والا ہے جو ہماری مدد کرے؟

ھَلْ مِنْ مُعِیْنٍ یُعِیْنُنَا۔ کیا کوئی اعانت کرنے والا ہے جو ہماری اعانت کرے؟

ھَلْ مِنْ مُجِیْرٍ یُجِیْرُنَا۔ کیا کوئی پناہ دینے والا ہے جو ہم کو پناہ دے؟

ھَلْ مِنْ ذَابٍّ یَذُبُّ عَنْ حَرَمِ رَسُوْلِ اللّٰہِ۔ کیا کوئی ایسا صاحبِ غیرت ہے جو ناموسِ پیغمبر سے دشمنوں کو دور کرے؟

مسلمانوں نے اگرچہ لبیک نہ کہی لیکن قوم جن مدد کے لئے پہنچی۔ مخزن البکاء اور محرق القلوب میں ہے زعفر جن خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور سلام عرض کی۔ آپ نے پوچھا تو کون ہے؟ تو جواب دیا میں آپ کا غلام اور قوم جن کا بادشاہ زعفر جن ہوں آپ کے بابا نے جنگ بیر علم فتح کر کے میرے بابا کو تاج شاہی عطا فرمایا تھا اور باپ کی موت کے بعد اس تخت کا مالک میں ہوں۔ میں اپنی فوج سمیت حاضر ہوا ہوں۔ اور میری فوج قریب کے جنگل میں فروکش ہے آپ کے حکم کا انتظار ہے۔ آپ نے فرمایا اے زعفر۔ خدا تجھے جزائے خیر دے مجھے تمہاری نصرت کی ضرورت نہیں کیونکہ تم لوگ ان کو دیکھتے ہو اور وہ لوگ تم کو نہیں دیکھ سکتے۔ زعفر نے عرض کی کہ ہم ان کی شکلوں میں آکر لڑیں گے تب بھی امام نے ان کو اجازت نہ دی۔ امام نے فرمایا میں دنیاوی زندگی سے سیر ہو چکا ہوں اور مجھے نانا نے خبر دی ہے کہ میں آج ہی ان کے پاس پہنچوں گا۔

محرق القلوب میں ہے کہ زعفر کے علاوہ اور بھی کافی تعداد میں جن خدمت اقدس میں آئے اور اذن جہاد طلب کیا لیکن امام نے ان کو اجازت نہ دی اور فرمایا ابھی ایک گھنٹہ ہوا ہے میرے نانا تشریف لائے تھے اور فرمایا بیٹا خدا کی مشیت اسی میں ہے کہ تو خون میں غلطان اور تیری ریش خون سے خضاب ہو۔ اور تجھے پس گردن ذبح کیا جائے اور تیرے پردہ دار پشت برہنہ اونٹوں پر سوار ہوں اور اسیری وقید کا صدمہ دیکھیں۔

آمدنِ فوجِ ملائکہ تفسیر منثور میں ابن الرحمن سے منقول ہے کہ خداوند کریم نے چار ہزار ملائکہ بھیجے اور امام مظلوم کو نصرت اور شہادت میں اختیار دیا گیا لیکن آپ نے شہادت کو اختیار فرمایا۔ کامل الزیارات سے منقول ہے کہ چار ہزار فرشتے آئے لیکن امام مظلوم نے ان کو اذن جہاد نہ دیا۔ وہ واپس چلے گئے اور جب دوبارہ پلٹے تو امام شہید ہو چکے تھے۔ پس وہ امام کی قبر کے مجاور رہیں۔ اور قیامت تک خاک آلود ہو کر مجاور رہیں گے اور ماتم کرتے رہیں گے۔ ان فرشتوں کے رئیس کا نام منصور ہے اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ وہ ہر زائر کا استقبال کرتے ہیں اور ہر وداع کرنے والے کی تشییع کرتے ہیں اور اگر کوئی بیمار ہو جائے تو اس کی تیمارداری کرتے ہیں اور اگر زائر مر جائے تو اس کا جنازہ پڑھتے ہیں۔ اور اس کی موت کے بعد قیامت تک اس کے لئے استغفار کرتے رہیں گے اور یہ فرشتے حضرت قائم آلِ محمدؐ کی انتظار میں ہیں۔

اسحق بن عمار سے مروی ہے کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہمراہ حائر میں مشغول نماز تھا۔ اور وہ عرفہ کی رات تھی۔ میں نے دیکھا میرے اردگرد پچاس ہزار نورانی جوان مصروفِ نماز ہیں جن کے بدن سے خوشبو مہکتی ہے۔ طلوعِ صبح کے بعد میں نے دیکھا تو ان میں سے کوئی آدمی بھی موجود نہ تھا۔ میں نے امام سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا روزِ عاشور اسرزمین کربلا سے پچاس ہزار ملائکہ گذرے تھے۔ جب وہ ملاء اعلیٰ میں پہنچے تو خطابِ خداوندی ہوا کہ تم میرے حبیب کے فرزند کے پاس سے گذرے اور اس کی مدد تم نے نہ کی چنانچہ وہ واپس آئے۔ پس قیامت تک وہ آپ کی قبر کے مجاور رہیں گے۔

گھوڑے سے اُترنا

پیہم اور بار بار کی لڑائی سے امام عالی مقام کا جسم زخموں سے چور ہو گیا تھا زخموں کی تعداد ایک ہزار نو سو پچاس بھی لکھی گئی ہے اور چار ہزار بھی بیان کی گئی ہے۔ مخزن البکاء میں بروایت بحار چار ہزار زخم تیر اور ایک سو اسی زخم نیزہ وشمشیر کے مذکور ہیں بہر کیف مظلوم کے زخم گنتی کی حدود سے باہر تھے کیونکہ جو زخم شمار کئے گئے ہیں صرف ظاہر کے لحاظ سے ہیں ورنہ زخم در زخم اور ایک ایک زخم میں کئی کئی زخم تھے اور ظاہری زخموں کے علاوہ باطن کے زخموں کی تو کوئی حد ہی نہیں اور یہ سب کے سب زخم سامنے کی طرف تھے کیوں کہ آپ نے کسی وقت دشمنوں کی طرف پشت ہی نہیں کی تاکہ پیچھے کوئی زخم لگتا۔

پیاس کی شدت پہلے سے موجود تھی اب زخموں سے بھی نڈھال ہو گئے تھوڑی دیر جنگ سے آرام کرنے کے لئے ایک مقام پر ٹھہر گئے تو اچانک ابوالحتوق[1] جعفی نے ایک ایسا تیر مارا جو امام کی پیشانی نورانی میں پیوست ہوا۔ امام نے قوتِ بازو سے وہ تیر کھینچا اور ریش مبارک خون سے تر ہو گئی۔

اور مخزن البکاء میں بروایت بحار مذکور ہے کہ سخت کمزوری کے باعث آپ آرام کے لئے ٹھہرے تو اچانک جبینِ مبین پر ایک پتھر لگا کہ خون جاری ہو گیا۔ اور ریش مبارک رنگین ہو گئی۔ آپ نے قمیص کا دامن ہاتھ میں پکڑا اور خون پونچھنے کا ارادہ فرمایا کہ اچانک سہ شعبہ تیر سینۂ بے کینہ پر لگا اور خزینہ علوم ربانیہ سے پار ہوا کہ اس کی نوکیں پشت سے نکل آئیں۔ پس اس وقت آپ کی زبان پر یہ کلمہ جاری ہوا۔ بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ۔ پس آسمان کی طرف منہ کر کے عرض کی اے میرے پروردگار!

---

[1] ابوالحتوف یا ابوالحتوق دونوں مروی ہیں اور یہ دونوں لفظ غلط ہیں درست ابوالجنوب ہے کیونکہ اس کا اصلی نام عبدالرحمن جعفی تھا اور اس کی بیٹی کا نام جنوب تھا۔ پس اس کی کنیت ابوالجنوب مشہور تھی۔

تو جانتا ہے کہ یہ لوگ ایسے شخص کو مار رہے ہیں کہ اس کے علاوہ اس روئے زمین پر تیرے نبی کا نواسہ اور کوئی نہیں ہے۔ آپ نے اس تیر کے کھینچنے کا ارادہ کیا لیکن سامنے کی طرف سے نہ کھینچ سکا۔ کیونکہ اس کے پھل ٹیڑھے تھے پس پسِ پشت دونوں ہاتھ لے جا کر اس تیر کو پشت کی جانب سے کھینچ لیا اور خون کا فوارہ جاری ہوا۔ اور خون سے چلو پُر کر کے دونوں ہاتھ سے سر اور ریش کو رنگین کیا اور فرمایا اسی خضاب شدہ ریش سے اپنے نانا کی ملاقات کروں گا اور مروی ہے ایک چلو آسمان کی طرف پھینکا کہ ایک قطرہ بھی واپس نہ آیا اور اسی دن سے آسمان پر سرخی کا نشان قائم ہوا جو صبح اور شام نظر آتا ہے۔ اور ابن طاؤس کی روایت میں ہے کہ وہ تیر سہ شعبہ زہر آلود بھی تھا۔ اور اس کے پسِ پشت نکال لینے کے بعد خون پرنالہ کی طرح جاری ہوا۔ بروایت محرق القلوب ص ۱۵۱ کافی خون نکل جانے کی وجہ سے امام پر کمزوری غالب ہوئی اور زین ذوالجناح پر بیٹھنا مشکل ہو گیا پس گھوڑے سے اُترنے کا ارادہ فرمایا لیکن بدن میں طاقت نہ تھی۔ زخموں سے جسم نڈھال ہو چکا تھا اور بے تابانہ دائیں بائیں جھوم رہے تھے۔ زمین لرز گئی ہو گی آسمان تھرایا ہو گا۔ بی بیوں کے دل دہل گئے ہوں گے۔ حور و غلمان نے ماتم کیا ہو گا۔ صفِ انبیاء میں تہلکہ مچ گیا ہو گا غرضیکہ کائنات کی ہر چیز محو گریہ ہو گی۔ نہ معلوم قلبِ مصطفےٰ پر کیا گذری ہو گی اور روحِ زہرا نے کیسے برداشت کیا ہو گا۔ جب زخمی جسم سے حسینؑ نے گھوڑے کی زین چھوڑی ہو گی۔ دل لرزتا ہے اور قلم کانپتا ہے کیسے لکھوں کہ حسینؑ کیسے زمین پر تشریف لائے اور ناطق قرآن کس طرح رحلِ زین کو چھوڑ کر فرشِ زمین پر آیا۔

وامصیبتاہ ع بلند مرتبہ شاہی ز صدرِ زین افتاد — اگر غلط نہ کنم عرش بر زمین افتاد
شفیع روزِ قیامت بخاک مسکن کرد — زمین مدینہ را ہمچو دشت این کرد

آخری وداع

مخزن البکاء میں ابن طاؤس سے مروی ہے کہ اب قوم اشقیاء میں سے کوئی شخص قریب آنے کی ہمت نہ کرتا تھا تاکہ حسین کا خون گردن پر نہ آئے۔ ہاں ایک سنگدل نے جرأت کی اور عرشِ خدا کو ہلانے کے لئے آگے بڑھا اس شخص کا نام مالک بن بسر تھا جو قبیلہ کندہ کا فرد تھا پہلے اس ملعون نے اپنی نجس زبان سے ناسزا الفاظ کہے پھر سرِ اقدس پر ایک وار کیا کہ آپ کا کلاہ خون سے پر ہو گیا اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ کا عمامہ خون سے گلگون ہو گیا۔

یہی وہ وقت تھا جب زینب خاتون کو خیمہ میں قرار نہ تھا کبھی خیمہ میں جاتی تھی اور کبھی بابِ زینبیہ پر آتی تھی۔ کبھی اٹھتی تھی اور کبھی بیٹھ جاتی تھی۔ ہائے جس بہن کا حسین ایسا بھائی انتہائی ظلم سے قتل کیا جا رہا ہو وہ بہن کیسے آرام سے بیٹھ سکتی تھی۔ پس خیام میں ایک کہرام تھا امام عالی مقام سے ضبط نہ ہو سکا پس آپ نے خیام کا رُخ

گیا لیکن اُٹھتے تھے اور پھر گر پڑتے تھے۔ افتاں و خیزاں نہایت مشکل سے خیام تک پہنچے اور مخزن البکا، مجلس چہارم میں ہے ایک کپڑا طلب فرمایا اور بیبیوں نے جب دیا تو آپ نے سر کے زخم پر باندھا۔ اور اُوپر عمامہ باندھ لیا۔ نجف اشرف میں ایک ذاکر نے اس روایت کو ذرا پھیلا کر بیان کیا تھا جس کا کم و بیش مطلب یہ ہے کہ جب امام دروازہ پر پہنچے تو خیال کیا ہوگا کہ بچے مجھے اس حالت میں دیکھ کر زیادہ بیتاب نہ ہوں پس پشت خیمہ پر جا کر اپنی بہن کو آواز دی۔ بی بی نے بھائی کی آواز کو پہچانا۔ دروازہ پر آئی۔ دائیں بائیں بھائی نظر نہ آیا تو واپس خیمہ میں بیٹھی۔ پھر حسینؑ نے دوبارہ نحیف آواز سے بہن کو صدا دی۔ آخر تیسری بار زیادہ نحیف آواز سے بلایا چنانچہ بی بی اُٹھی دروازہ پر آ کر دائیں بائیں جب کسی کو نہ دیکھا تو پشتِ خیام کی طرف آئی دیکھا حسینؑ نے ایک ہاتھ پیشانی پر رکھا ہے اور کمر جھکا کر چوب خیمہ کا سہارا لے کر کھڑے ہیں۔ عرض کی بھائی جان: میں حاضر ہوں امام نے فرمایا مجھے ایک کپڑا لا کر دو تاکہ پیشانی کے زخم پر پٹی باندھوں بہن نے کپڑا حاضر کیا اور پٹی باندھی ضرور یہ بھی عرض کیا ہوگا بھائی جان: تیرے جسم پر زخم حد سے زیادہ ہیں کہاں کہاں پٹی باندھی جائے۔ امام حسین علیہ السلام کو اس وقت بابا کا آخری وقت یاد آیا ہوگا جب امیر علیہ السلام کا سر زخمی تھا اور حسین اپنے عمامہ سے پٹی کا انتظام کر رہے تھے، تو اس وقت غالباً امیر نے فرمایا ہوگا کہ بیٹا میرے زخم پر تو تم پٹی باندھ رہے ہو تمہارے پاس تو پٹی باندھنے والا بھی کوئی نہ ہوگا۔

امام جب پٹی باندھ چکے اور اُوپر عمامہ درست کر لیا۔ بروایت مخزن البکا فرمایا یَا زَیْنَبُ وَیَا اُمَّ کُلْثُوْمُ وَیَا سُکَیْنَۃُ وَیَا رُقَیَّۃُ وَیَا فَاطِمَۃُ عَلَیْکُنَّ مِنِّی السَّلَامُ۔ زینب خاتون نے عرض کی بھائی جان آپ اب یقیناً مرنے کو جا رہے ہیں امام نے جواب دیا بہن کَیْفَ لَا اَیْقَنُ وَلَیْسَ لِیْ مُعِیْنٌ وَلَا نَصِیْرٌ۔ کیسے موت کا یقین نہ کروں حالانکہ میرا کوئی ناصر و مددگار نہیں ہے۔

پس بی بی نے عرض کی رُدَّنَا اِلٰی حَرَمِ جَدِّنَا۔ بھائی جان ہمیں اپنے نانا کے حرم تک پہنچانے کا انتظام فرمائیں۔ امام نے فرمایا۔ ھیہات تم نے میری موت کے بعد قید و بند کی مشکلات کا سامنا کرنا ہے۔ یہ سنتے ہی بی بی نے ماتم کرنا شروع کیا۔ اس کے بعد امام نے فرمایا بہن ابھی صبر کرو تمہارے رونے کے مقامات آگے ہیں۔ پس روانگی کا ارادہ کیا تو بہن نے اپنی باہیں بھائی کے گلے میں ڈال دیں اور عرض کی بھائی جان جلدی نہ کیجئے یَا اَخِیْ تَوَقَّفْ حَتّٰی اَتَزَوَّدَ مِنْ نَظَرِیْ فَھٰذَا وَدَاعٌ لَا تَلَاقِیَ بَعْدَہٗ بھائی جان ذرا ٹھہریئے تاکہ میں سیر ہو کر تیری زیارت تو کر لوں کیونکہ یہ آخری وداع ہے پھر تو ملاقات نہ ہو سکے گی۔ فَمَھْلًا اَخِیْ قَبْلَ الْمَمَاتِ

مُنْيَتُهٗ لِتَبْرُدَ مِنِّيْ لَوْعَةٌ ۔ بجان جان : صبر کیجئے تاکہ موت سے قبل ایک لحظہ دل کی گرمی کو بجھالوں ۔ اور اس وقت تمام بیبیاں اپنے آقا کے گرد جمع تھیں اور حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں اور آنکھوں کا پانی آپ پر نثار کر رہی تھیں ۔ پس تمام بیبیوں نے امام کے ہاتھوں اور پاؤں کا بوسہ دیا اور جناب زینب عالیہ نے بھی اپنے مظلوم بھائی کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا اور بعید نہیں جیسا کہ عام بیان کیا جاتا ہے بی بی نے بھائی کی گردن کو بوسہ دیا ہو ۔ بلکہ قرین قیاس تو یہ ہے کہ ان تمام حصّوں کو بوسہ دیا ہوگا جن کو رسالت مآب بوسہ دیتے تھے اور بعید نہیں کہ حسینؑ نے بھی بہن کے سر و بازو پر بوسہ دیا ہو غرضیکہ تمام سادانیوں اور اہل حرم سے آخری وداع کر کے چلے اور بہن کو یہ وصیت کر کے چلے یَا اُخْتَاهُ لَا تَنْسِيْنِيْ فِيْ صَلٰوةِ اللَّيْلِ ۔ اے بہن مجھے نماز شب میں فراموش نہ کرنا ۔ ممکن ہے بہن نے دریافت کیا ہو کہ پیاس کا کیا حال ہے اور آپ نے فرمایا ہو ۔ قد تشقق کبدی کہ پیاس سے جگر کباب ہو گیا ہے ۔ پس امام خیمہ سے رخصت ہو کر نکلے تو خیام میں ماتم شروع ہوا اور واحسیناہ کی صدائیں بلند ہوئیں ۔

امام مظلوم کی تنہائی اور امتحان

محرق القلوب ص۳۳ میں ہے جب امام مظلوم نے متعدد مرتبہ جہاد کر کے فوج اشقیاء میں سے ہزاروں کی تعداد میں ملاعین کو تہ تیغ کر ڈالا تو ہاتف غیبی کی جانب سے ندا آئی ۔ اے حسینؑ اگر اس زور بازو سے تم نے جہاد کیا تو درجہ شہادت کون لے گا ؟ یہ سنتے ہی امام نے تلوار کو میان میں داخل کر لیا اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا ۔ اس طرف عمر بن سعد نے آواز دی ۔ اے اہل کوفہ یہ شیر خدا کا بیٹا ہے اگر پیاسا نہ ہوتا تو تم کو ایک ہی حملہ میں ختم کر ڈالتا اب دیکھتے کیا ہو یکبارگی حملہ کر کے جنگ کو ختم کرو ۔ اور اس مظلوم کا سر تن سے جدا کرو ۔

اب امام مظلوم کے بدن میں چونکہ طاقت کم ہو چکی تھی ملاعین ہر طرف سے حملہ کے لئے اکٹھے ہو گئے ۔ اور مارو مارو کی صدائیں بلند ہوئیں ۔ جناب ام المصائب اور دیگر خاندان عصمت کی شہزادیوں میں یہ تاب کب تھی کہ یہ دل سوز نعرہ سننے کے بعد آرام سے بیٹھیں ، وَاحُسَيْنَاهُ وَاحُسَيْنَاهُ کی صدائیں بلند کر کے رونے لگیں اور مخدومہ علیا جناب زینب خاتون باب زینبیہ پر آگئیں اور ہائے بھائی کر کے رونے لگیں ۔

پس حصین بن نمیر نے ایک تیر کمان سے رہا کیا جو امام مظلوم کے دہن اقدس میں لگا ۔

اور ابو ایوب غنوی نے ایک تیر مارا جو آقائے مظلوم کے حلق میں پیوست ہوا ۔ امام نے بسم اللہ وباللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا اتنے میں زرعہ بن شریک تمیمی نے بائیں بازو پر تلوار کا وار کیا کہ وہ جدا ہو گیا ۔

عمر بن خلیفہ جعفی نے تلوار کا وار کیا جو ہتھیلی پر لگا۔

سنان بن انس نے ایک تیر مارا جو امام کے حلق میں جا لگا۔

صالح بن وہب نے ایک نیزہ امام کے پہلو پر مار کر امام منہ کے بل زمین پر گر گئے۔

محرق القلوب صفحہ ۱۵۴ میں ہے کہ چونکہ امام مظلوم بوقت وداع از خیام اہل حرم کو صبر کی تلقین کر کے آئے تھے اس لئے پہلے تو بیبیاں خاموش رہیں لیکن جب امام کے پہلو پر نیزہ لگا اور امام منہ کے بل زمین پر گرے اور بروایت بحار اس وقت عمر بن سعد بھی امام مظلوم کے قریب آگیا تھا لیں بروایت حمید بن مسلم زینب خاتون سے ضبط نہ ہو سکا اور نالہ و فریاد کرتی ہوئی دروازہ پر آگئی۔ اور بروایت ابن طاؤس کہنے لگیں۔ واسیداہ وامحمداہ کاش آج آسمان زمین پر گر پڑتا۔ کاش پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتے اور بروایت بحار عمر بن سعد کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگیں یَا عُمَرَ بْنَ سَعْدٍ اَیُقْتَلُ اَبُوْعَبْدِ اللّٰہِ وَاَنْتَ تَنْظُرُ اِلَیْہِ۔ اے عمر سعد حسین مارا جا رہا ہے۔ اور تو کھڑا دیکھ رہا ہے۔؟

مخزن البکاء میں ہے کہ بی بی کے اس دلخراش لہجہ سے عمر سعد کا سخت دل بھی نرم ہو گیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک کر ڈاڑھی تک آگئے۔ لیکن منہ دوسری طرف کر لیا۔ بے شک سنگدل تھا لیکن بی بی کی بے کسی اور امام کی مظلومی نے اس کو رلا دیا۔ جب بی بی نے دیکھا کہ عمر بن سعد نے میری بات کا اثر نہیں لیا تو بروایت ارشاد فوج اشقیا کی طرف متوجہ ہوئیں اور کہنے لگیں وَیْحَکُمْ اَمَا فِیْکُمْ مُسْلِمٌ۔ اے گروہ منافقاں! تم پر وائے ہو کیا تم میں مسلمان کوئی بھی موجود نہیں ہے؟ امام عالی مقام کی یہ حالت تھی کہ اٹھتے تھے اور پھر منہ کے بل زمین پر گر پڑتے تھے۔ اور بروایت قمقام زبان پر یہ لفظ جاری تھے۔ رِضًا بِقَضَائِكَ وَلَا مَعْبُوْدَ سِوَاكَ۔ میرے اللہ میں تیری قضا پر راضی ہوں اور تیرے سوا کسی کو لائق عبادت کے نہیں سمجھتا۔

قمقام میں صفحہ ۳۹۰ پر ہے کہ ارواح انبیاء مرسلین اور ملائکہ مقربین امام مظلوم کی اس منزل عشق کا نظارہ کر رہے تھے اتنے میں شیطان رجیم نے ازراہ حسد و عناد بارگاہ رب العزت میں عرض کی۔ اے خدایا: بعد از شہادت حسین کے لئے بہت انعام و اکرام تو نے مقرر کئے ہیں لیکن حسین کا یہ امتحان تو کوئی امتحان ہی نہیں صرف شہید ہونا تو تمام عبدالمناف کی اولاد کا ورثہ ہے۔ قتل ہونا تو ان کے لئے کوئی بڑی بات نہیں ہے پس بارگاہ رب العزت سے خطاب پہنچا کہ اے لعین: یہ حسین عشق کے امتحان میں کامیاب ہے اور اگر تو دیکھنا چاہتا ہے تو پھر دیکھ لے۔ چنانچہ سورج کو حکم ہوا کہ اپنی پوری تمازت امام کے جسم پر ڈالے اور پیاس

کو حکم ہوا کہ اپنے پوری شدت کے ساتھ امام کے دل رجگر کو کباب کرے پس امتحان بڑھتا گیا اور امام کا حوصلہ بلند ہوتا گیا۔ اور سوائے رضائے پروردگار کے دوسرا حرف زبان پر نہ آیا۔ شیطان کو تسلیم کرکے کہنا پڑا کہ اگر حسینؑ کونین کی شفاعت بھی کردے تو وہ بارگاہِ رب العزت میں مقبول ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ صبر کی منزل سے رضا کی منزل بہت بلند و بالا ہے۔ مقام رضا میں امام مظلوم کی آخری مناجات کے یہی کلمات ہیں جو عام کتب مقاتل میں پائے جاتے ہیں۔

تَرَكْتُ الْخَلْقَ طُرًّا فِي هَوَاكَ	میرے اللہ میں نے تیری ہی محبت میں تمام مخلوق کو چھوڑ دیا ہے
وَاَيْتَمْتُ عِيَالِي كَيْ اَرَاكَ	اور تیری ملاقات کی خاطر اپنے بچوں کو یتیم کردیا ہے۔

عبداللہ بن حسن کی شہادت سابقاً مذکور ہو چکی ہے وہ معصوم شہزادہ اسی وقت امام کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور امام نے اپنی بہن کو آواز بھی دی تھی کہ بچہ کو روک لو لیکن نہ رکا اور ابحر بن کعب نے امام پر تلوار بلند کی تو بچہ نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر سپر بنائے اور فرمایا یَا ابْنَ الْخَبِيثَةِ اَتَقْتُلُ عَمِّي۔ اے خبیث عورت کے بیٹے تم میرے چچا کو قتل کرتے ہو پس اس نے تلوار ماری اور بچے کے دونوں ہاتھ کٹ گئے اور بچہ روتا ہوا چچا کی گود میں گر گیا اتنے میں حرملہ نے ایک تیر مارا جو بچے کے حلق میں لگا اور وہ اپنے چچا کی آغوش میں جاں بحق ہو گیا۔

مخزن البکاء میں منقول ہے کہ مختار نے ایک دفعہ ابوخلیق نامی ایک شخص سے کہا کہ امام مظلوم کے حالات بیان کیجئے۔ چنانچہ اس نے بیان کیا کہ امام تنہا رہ گئے اور لوگوں نے ان کو گھیر لیا تو امام مظلوم کا جسم زخموں سے چھلنی ہو گیا اور دو ہزار کے قریب زخم جسم اقدس پر لگے تھے جو سب کے سب سینہ اطہر پر ہی تھے اور ان میں سے بڑے زخم ۲، تھے پس اس اثنا میں ابوالحنوق[1] نے ایک تیر آپ کی پیشانی پر مارا۔ عبداللہ بن حصین نے آپ کے سر پر تلوار کا وار کیا۔ شبث بن ربعی نے زہر آلود سہ شعبہ تیر مارا جو آپ کے سینۂ خزینہ علوم الٰہیہ پر لگا، ابوایوب غنوی نے حلق مبارک پر ایک تیر کس کر مارا، زرعہ بن شریک نے بازو پر تلوار کا وار کیا، حصین بن نمیر نے دہن مبارک پر تیر مارا، سنان بن انس نے پشت پر نیزہ کا وار کیا کہ آپ منہ کے بل زمین پر گر گئے، حریم بن احجار نے ایک تیر دہنِ اقدس پہ مارا، مالک بن بسر نے سر پر تلوار ماری کہ عمامہ خون آلود ہو گیا، صالح بن وہب نے پہلوئے اقدس پر نیزہ مارا، اسحٰق بن اشعث نے بائیں بازو پر تلوار ماری ابوالاشرس نے تیر مارا جو امام مظلوم کے بازو میں پیوست ہوا، عامر بن طفیل نے ایک پتھر مارا جو امام مظلوم

---

[1] ابوالجنوب صحیح ہے

کی پیشانی نورانی پر پہنچا پس جب یہاں تک پہنچا تو مختار میں تاب ضبط نہ رہی پس مجلس میں کہرام ماتم بپا ہوا مختار اور اُس کے وزرا بہت روئے اور دارالامارہ کی دیواروں میں ایک صدائے گریہ و واویلا بلند ہوئی۔ ہائے سننے والے تو برداشت نہیں کر سکتے لیکن خدا معلوم بھائی کا یہ امتحان بہن نے کیسے دیکھا ہو گا؟

شہادت امام مظلومؑ

مخزن البکاء میں واقعہ شہادت اس طرح مرقوم ہے کہ بروایت مختصب خولی نے امام مظلوم کی پشت پر زور سے ایک نیزہ کا وار کیا کہ بروایت ابو مخنف امام مظلوم تین گھنٹے منہ کے بل زمین پر پڑے رہے۔ فَبَقِيَ ثَلَاثَ سَاعَاتٍ مَكْبُوْبًا عَلَى الْأَرْضِ۔ امام مظلوم آخری وقت تک استغاثہ کرتے رہے لیکن کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ تب ملائکہ نے درگاہ قاضی الحاجات میں عرض کی اے پروردگار تیرے محبوب کا نواسہ کیسی مظلومیت سے قتل کیا جا رہا ہے کہ اس کی فریاد بھی کوئی نہیں سنتا اور تو دیکھتا ہے اور اس کا بدلہ نہیں لیتا پس ارشادِ قدرت ہوا کہ عرش کے دائیں جانب نگاہ ڈالو۔ چنانچہ انہوں نے دیکھا ایک نورانی چہرے والا جوان نماز میں مشغول ہے ارشاد ہوا یہ قائم آل محمدؐ ہے اور یہی اس مظلوم کے خون کا بدلہ لے گا۔

عمر بن سعد نے اعلان کیا کہ جلدی سے اس مظلوم کا سر تن سے جدا کرو۔ یہ وہ وقت تھا کہ امام سجدہ پروردگار میں پیشانی جھکا کر راز و نیاز کی مناجات میں محو تھے۔ ایک شخص بہ نیت قتل آگے بڑھا تو امام نے فرمایا تو میرا قاتل نہیں ہے لہٰذا آتشِ جہنم میں اپنے جسم کو نہ جلا اور دور ہو جا چنانچہ وہ شخص فوراً تائب ہوا اور دشمنانِ دین سے لڑ کر وہیں شہید ہو گیا اس کا ذکر گذر چکا ہے۔

عمر بن سعد نے پاس کھڑے ہوئے ایک شخص کو حکم دیا کہ امام کا سر تن سے جدا کرے تو خولیؔ ملعون آگے بڑھا امام مظلوم نے گوشہ چشم سے اس کی طرف دیکھا تو وہ کانپنے لگا اور واپس آ گیا۔ شمر نے پوچھا کیوں کانپتا ہے؟ اس نے جواب دیا فرزند پیغمبر کے قتل میں میں ہاتھ نہ ڈالوں گا۔ پس عمر بن سعد کے حکم سے چالیس جوان کعبہ دین کو ڈھانے کے لئے آگے بڑھے۔ پہلے ایک شخص آگے بڑھا جونہی امام نے اس کی طرف نگاہ اٹھائی وہ کانپتا ہوا واپس آیا۔ شمر نے وجہ پوچھی تو کہنے لگا مجھے حسینؑ کی آنکھوں سے جناب رسالت مآبؐ کی شکل نظر آ رہی تھی لہٰذا میں جرأت نہیں کر سکتا۔ حمید بن مسلم کہتا ہے میں نے دیکھا اس وقت جناب زینب علیا در خیمہ پر موجود تھیں اور عمر بن سعد کو کہہ رہی تھیں کہ اے عمر تو دیکھ رہا ہے اور میرا بھائی مارا جا رہا ہے۔ بے شک مصائب کربلا میں یہ مصیبت انتہائی سخت ہے کہ علی کی بیٹی کو بھائی کے قاتل

سے بات کرنی پڑی۔ بی بی کو یہی خیال تھا کہ شاید کسی کے دل پر رحم آجائے اور حسینؑ کے قتل سے باز آ جائیں لیکن کسی نے بی بی کی فریاد نہ سنی اور وہ خیمہ کے در پر ناچار و کھڑی اور روتی رہی۔ پس شبث بن ربعی تلوار لے کر آگے بڑھا لیکن امام کے قریب آیا اور امام نے نظر کی تو وہ خوفزدہ ہو کر پیچھے بھاگا۔ پس سنان بن انس نے تلوار لی اور مظلوم کربلا کی طرف عرش خدا کو ہلانے کے لئے اور سادانیوں کو بے وارث کرنے کے لئے نہایت سنگدلی سے آگے بڑھا جب امام مظلوم کے قریب آیا تو امام نے دونوں آنکھیں کھولیں اور اس پر نظر کی پس فوراً ہی اس کے اعضا میں کپکپی طاری ہو گئی اور تلوار ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی اور بھاگ کھڑا ہوا۔ پس عمر بن سعد نے کہا تجھ پر خدا کی لعنت اور غضب ہو۔ اے عمر کہ تو محمدؐ کی دشمنی کا رجب ہوا۔ پس عمر نے کہا کیا ہوا ہے کیوں نہیں قتل کرتے ہو؟ سنان نے جواب دیا تیرے اوپر لعنت ہو جب امام نے میری طرف آنکھیں کھول کر دیکھا تو مجھے علیؑ کی صورت نظر آئی۔ پس شمر بن ذی الجوشن ملعون نے تلوار ہاتھ میں لی اور ستونِ دین گرانے کے لئے، سادانیوں کو بے وارث کرنے کے لئے قیامت تک شیعوں کو رلانے کے لئے اور مظلوم کربلا کی نازک گردن پر کند خنجر چلانے کے لئے آگے بڑھا۔

مظلوم کربلا کے جسم میں اب ایک رمق جان ہی باقی تھی۔ پیاس کی شدت سے زبانِ خشک ہونٹوں پر پھیر رہے تھے اور تسبیح خدا میں مشغول تھے۔ جب یہ ملعون قریب پہنچا تو امام مظلوم نے نگاہ حسرت سے دیکھا اور پانی کا ایک گھونٹ طلب فرمایا۔ اس شقی نے جواب دیا کہ تمہارا گمان ہے کہ تمہارا باپ ساقی کوثر ہے۔ لہٰذا تھوڑی دیر باقی ہے جا کر ان کے ہاتھوں کوثر پی لینا۔ امام نے فرمایا مجھے پہچانتا تو ہے؟ اس شقی نے جواب دیا۔ جان پہچان کر تجھے قتل کرتا ہوں۔ پس اپنے ناپاک قدم سے امام مظلوم کے زخم دکھائے اور امام نے جو آنکھیں بند کر لی تھیں گویا اس ملعون نے دوبارہ جگایا۔ پس اس کمینے کی ٹھوکر سے آپ منہ کے بل تھے پھر پشت کے بل ہو گئے تو اس حرامزادے نے اپنا نجس پاؤں خزینہ علوم ربانیہ پر رکھنے کی جرأت کی اور ریش اقدس کو ہاتھ میں پکڑا اور تلوار پھیرنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ امام مظلوم نے ہنس کر فرمایا۔ تیرے اوپر وائے ہو۔ تو کون ہے؟ لَقَدِ ارْتَقَيْتَ مُرْتَقًا عَظِيمًا۔ تحقیق تو ایک بلند مقام پر سوار ہو گیا ہے۔ اس نے جواب دیا میں شمر ہوں۔ امام نے فرمایا۔ مجھے بھی پہچانتا ہے کہ کون ہوں؟ تجھے تیرے حسب و نسب سمیت پہچانتا ہوں۔ امام نے فرمایا پھر کیوں میرے قتل کے درپے ہے؟ تو اس نے جواب دیا یزید کی طرف سے انعام ملے گا۔ امام نے فرمایا میرے نانا کی شفاعت بہتر ہے یا یزید کا انعام؟ تو اس نے جواب دیا یزید کے انعام کی ایک دمڑی

تیرے نانا کی شفاعت سے بہتر جانتا ہوں۔ امام نے پوچھا آج کون سا دن ہے؟ اس نے کہا جمعہ کا روز ہے امام نے فرمایا آج لوگ اس وقت خطبہ جمعہ میں میرے نانا پر درود پڑھ رہے ہوں گے اور تو مجھے قتل کر رہا ہے؟ اے شمر رسولِ خدا میرے سینے پر اپنا منہ رکھتے تھے اور تو قدم رکھ رہا ہے نیز وہ جناب میری گردن پر بوسہ دیتے تھے اور تو خنجر رکھ رہا ہے؟ یقین جان میرے دائیں طرف حضرت زکریا کی روح موجود ہے اور بائیں طرف حضرت یحییٰ کی روح موجود ہے۔ اب زبان زیادہ خشک ہو چکی تھی لہٰذا اتمامِ حجت کے طور پر صرف اس قدر فرمایا اسقنی شربۃ من الماء۔ مجھے ایک گھونٹ پانی پلا دو۔ لیکن اس ملعون نے انکار کر دیا۔ پس آپ نے فرمایا اپنے سینے سے ذرا کپڑا تو ہٹاؤ چنانچہ اس نے کپڑا اٹھایا تو آپ نے فرمایا صَدَقَ جَدِّیْ۔ سچ کہا میرے نانا نے اس شقی نے پوچھا بتایئے تیرے نانا نے کیا فرمایا تھا تو امام نے جواب دیا کہ ایک دن میرے نانا نے میرے بابا علی کو فرمایا تھا کہ تیرے اس فرزند کو ایک مبروص قتل کرے گا جو کتے اور خنزیر کے مشابہ ہوگا۔ یہ سنتے ہی وہ ملعون غضبناک ہوا اور حلقِ نازنین پر تلوار چلانے لگا لیکن تلوار کام نہیں کرتی تھی۔ پس امام نے فرمایا۔ یہ وہ مقام ہے جس کو میرے نانا بار بار بوسے دیا کرتے تھے لہٰذا تلوار کی مجال نہیں کہ آگے بڑھ سکے۔

پس بروایت ابو مخنف اس شقی نے جواب دیا چونکہ تیرے نانا نے مجھے کتے سے تشبیہ دی ہے لہٰذا ما اذبحک الا من قفاک یعنی میں تجھے پس گردن سے ہی ذبح کروں گا۔ پس اس نے امام کو منہ کے بل لٹایا۔ اب امام کی وصال کی منزل نزدیک آگئی تو امام مظلوم نے بارگاہِ پروردگار میں عرض کی۔ اے اللہ میں نے اپنے عہد کی وفا کر لی ہے اب تو اپنے عہد کی وفا کر۔ پس ندا غیب سے آئی اے حسینؑ میں بھی اپنا عہد پورا کروں گا اور تیرے شیعوں کو جنت میں داخل کروں گا کہ تو راضی ہوگا۔ امام نے عرض کی پس اب مجھے موت کی پرواہ نہیں ہے پس اس بے حیا نے پس گردن سے ذبح کرنا شروع کیا اور بارہ ضربتوں سے سر کو تن سے الگ کر دیا۔ ایک ضرب سامنے کی طرف سے اور بارہ ضربیں پس پشت سے تو کل تیرہ ضربتوں سے امام عالی مقام کا سر جدا کر دیا گیا اور نوک نیزہ پر سوار کر کے عمر بن سعد کی طرف روانہ ہوا۔ بروایت ابو مخنف لشکرِ اشقیاء میں صدائے تکبیر بلند ہوئی جب کہ زمین میں لرزہ پیدا ہوا، آسمان سیاہ ہوا، آفتاب بے نور ہوا اور اس قدر تاریکی چھا گئی کہ ستارے نظر آنے لگے اور آسمان سے خون برسنے لگا اور آسمان سے منادی نے آواز دی قُتِلَ الْاِمَامُ ابْنُ الْاِمَامِ اَخُو الْاِمَامِ الْحُسَیْنُ بْنُ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِب اور ملائکہ نے صدا دی اے خشکی و تری کے بسنے والو غم کے لباس پہنو کیونکہ نبی کا لختِ جگر ذبح کر دیا گیا ہے پس ملائکہ آسمان اترے

اور امام مظلوم کی تربت کو پروں پر مل کر آسمان کی طرف گئے اور کوئی فرشتہ نہ بچا مگر یہ کہ وہ کربلا میں وارد ہوا۔ اور بروایت لہوف اتنی سخت سیاہ اندھیری چلی کہ کوئی چیز نظر نہ آسکتی تھی اور آثار عذاب نمودار تھے۔ پس جبرئیل بصورت انسانی کربلا میں آئے اور ہائے ہائے کر کے روتے تھے اور فرماتے تھے لوگو حضرت رسولؐ خدا رو رہے ہیں۔

فرسان الہیجا میں اس طرح ہے کہ پہلے شبث بن ربعی آیا پھر سنان بن انس پھر خولی بن یزید قتل امام کے لئے آئے اور امام کی آنکھوں سے شکل رسول دیکھ کر مرعوب ہو کر اور لرزہ براندام ہو کر واپس گئے اور آخر میں شمر بن ذی الجوشن ضبی آیا اور اس نے امام مظلوم کو شہید کیا۔ اس وقت زمین میں زلزلہ آیا۔ مشرق و مغرب پر تاریکی چھا گئی لوگوں کے جسموں پر کپکپی طاری ہوئی۔ آسمان سے خون برسا۔ سورج کو گہن لگا۔ زرد اور سرخ اندھیری چلی اور اس قدر گرد و غبار نمودار ہوا کہ لوگوں کو عذاب خداوندی کا یقین ہو چکا تھا۔ ملک و ملکوت میں اس وقت شور ماتم تھا۔ پرندوں نے آشیانے ترک کئے جانوروں نے صحرا میں صفِ ماتم بچھائی اور دریاؤں میں موجِ حسرت پیدا ہوئی۔ مچھلیاں تڑپ کر باہر آئیں۔ فرشتوں نے ماتم کیا اور قوم جنات نے آہ و فغاں بلند کی ؎

چوں خونِ حلقِ تشنۂ او بر زمیں رسید — جوش از زمیں بذروۂ عرشِ بریں رسید
نخلِ بلند او چو خساں بر زمیں زدند — طوفاں بر آسماں ز غبارِ زمیں رسید
نزدیک شد کہ خانۂ ایماں شود خراب — از بس شکستہا کہ بارکانِ دیں رسید
باد آں غبار چوں بمزارِ نبی رساند — گرد از مدینہ بر فلکِ ہفتمیں رسید
یکبارہ جامہ در خمِ گردوں بہ نیل زد — چوں ایں خبر بعیسیٰ گردوں نشیں رسید
پر شد فلک ز غلغلہ چوں نوبتِ خروش — از انبیاء بحضرتِ روح الامیں رسید
کرد ایں خیال وہم غلط کار کاں غبار — تا دامنِ جلالِ جہاں آفریں رسید

کتب تاریخ میں اختلافِ عظیم ہے کہ امام مظلوم کا قاتل کون ہے۔ بعض خولی لکھتے ہیں اور بعض سنان بن انس کا نام پیش کرتے ہیں اور بعض شمر کہتے ہیں۔ اور صحیح یہ ہے کہ یہ سب کے سب امام مظلوم کے قاتل ہیں۔ بلکہ ان کے علاوہ اور لوگ بھی امام کے قتل میں شریک ہیں مثلاً ابوالمنوق، صالح بن وہب، شبث بن ربعی، حصین بن نمیر اور زرعہ بن شریک وغیرہ خدا ان پر ہزار ہزار لعنت کرے۔ میں نے ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ شمر ملعون نے امام کا سر تن اطہر سے جدا کر کے زور سے زمین پر پھینکا کہ زمین سے غبار ظاہر ہوا۔ اور پھر دوبارہ اور سہ بارہ پھینکا

اور اس کے بعد پھر نوک نیزہ پر بلند کر لیا۔ اور یہ کہ ایک شخص نے یہ روایت مجلس میں بیان کی تو ایک شخص ناراض ہوا کہ ذاکر نے غلط بیانی کی ہے چنانچہ عالم خواب میں امام حسینؑ کو دیکھا اور عرض کی مولا! لوگ آپ کے مصائب میں غلط بیانی کرتے ہیں چنانچہ فلاں ذاکر نے یہ بیان کیا ہے کہ شمر نے آپ کے سر کو تین دفعہ زور سے زمین پر پھینکا تھا آپ یہ سن کر رو دئے اور فرمایا اے عبدِ خدا تو صرف اسی پر تعجب کر رہا ہے حالانکہ میرے اوپر اس سے بھی زیادہ ظلم ہوئے ہیں۔

جب امام مظلومؑ کی شہادت ہو چکی تو ظالموں نے اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ لاش کو لوٹنے کے لئے دوڑے چنانچہ اسحق حضرمی نے امام کے تن اطہر سے وہ قمیص اتاری جو امام نے پرانے لباس کے طور پر عریانی کے خوف سے زیب تن فرمائی تھی اور اس کو کئی جگہوں سے پارہ پارہ بھی کیا تھا تاکہ کوئی اس میں خواہش نہ کرنے پائے اور علاوہ ازیں تیر و تلوار و نیزہ کے پڑنے سے ایک سو سے زیادہ شگاف بھی اس میں ہو چکے تھے جب اس ملعون نے اس قمیص کو پہنا تو فوراً برص میں مبتلا ہوا اور اسی عذاب سے دنیا سے چل بسا۔ نہ معلوم شاید اسی مظلومیت کو ظاہر کرنے کے لئے بتول معظمہ بروز محشر پایہ عرش مجید کو پکڑ کر امام مظلوم کی قمیص کو پیش کر کے دادخواہی کے لئے فریاد کریں گی اور کہیں گی هَذَا وَلَدِي وَهَذَا قَمِيصُ وَلَدِي۔ ایک ہاتھ میں حسینؑ کا سر ہوگا اور دوسرے ہاتھ میں قمیص ہوگی اور کہیں گی یہ میرا فرزند ہے اور یہ میرے فرزند کی قمیص ہے۔ تہ بند ابحر بن کعب نے اتارا جس کے پہننے کے بعد اس کے پاؤں شل ہو گئے اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گیا۔ آپ کا عمامہ اخنس بن مرثد حضرمی نے اٹھایا اور اس کے پہننے کے بعد وہ دیوانہ ہو کر مر گیا۔ بجدل بن سلیم نے انگشتری کے طمع میں انگلی شہید کر ڈالی۔ اسود بن خالد نے نعلین مبارک پاؤں سے اتار لی قیس بن اشعث نے پشمینہ اتار لیا اور زرہ عمر بن سعد نے لے لی اور تلوار اسود بن حنظلہ دارمی نے لوٹی۔ پس بغیر لباس کے آپ کے جسم اطہر کو خاک و خون میں غلطاں چھوڑ کر بغیر دفن کے چلے گئے۔ (مقتل عوالم ص ۲۹۵ و مخزن البکاء)۔

مخزن البکاء میں ہے کہ جب امام مظلوم کا سر بریدہ عمر بن سعد کے پیش کیا گیا تو انعام کی خاطر کئی ملاعین آگے بڑھے کوئی کہتا تھا میں نے حلق پر تیر مارا تھا کوئی کہتا تھا میں نے پیشانی پر پتھر مارا تھا کوئی کہتا تھا میں نے پہلو پر نیزہ مارا تھا بہرکیف ہر شخص اپنے اپنے مظالم بیان کرتا تھا اور شمر کہتا تھا کہ میں نے سر کو تن سے جدا کیا ہے۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ۔

امام مظلوم کا اسپ وفادار

مخزن البکاء میں بروایت منتخب منقول ہے کہ امام مظلوم کا پیاسا گھوڑا فریاد کرتا ہوا قتل گاہ میں داخل ہوا اور شہداء کے درمیان اپنے آقا کی لاش کو تلاش کرتا تھا چنانچہ ایک ایک شہید کے پاس آکر سونگھتا تھا اور جب جانتا تھا کہ یہ میرا آقا نہیں ہے تو پھر دوسری لاش پر چلا جاتا تھا جب عمر بن سعد نے دیکھا تو حکم دیا کہ اس کو پکڑ کر میرے پاس لاؤ چنانچہ اس کو پکڑنے کے لئے شاہ سوار آگے بڑھے تو امام کے وفادار گھوڑے نے اپنے مولا کے انتقام میں ان پر حملہ کر دیا پس پاؤں سے مارتا تھا اور منہ سے کاٹتا تھا۔ اور بعض سواروں کو پشت زین سے زمین پر گرا دیتا تھا اور اسی صورت میں اس نے چالیس ملاعین کو مار ڈالا۔ پس عمر بن سعد نے جب یہ ماجرا دیکھا تو آواز دی کہ گھوڑے کو زیادہ نہ ستاؤ اور دیکھو کہ وہ کیا کرتا ہے؟ چنانچہ وہ دور ہو کر دیکھنے لگے تو گھوڑے نے اپنے آقا کو ڈھونڈھنا شروع کر دیا۔ جَعَلَ يَتَخَطَّى الْقَتْلٰى وَيَطْلُبُ الْحُسَيْنَ آخر کار امام مظلوم کی لاش پر پہنچ گیا۔ جَعَلَ يَشُمُّ رَائِحَتَهٗ وَيُقَبِّلُهٗ بِفَمِهٖ وَيَضَعُ نَاصِيَتَهٗ عَلَيْهِ وَهُوَ مَعَ ذٰلِكَ يَبْكِيْ بُكَاءَ الثَّكْلٰى حَتّٰى اَعْجَبَ كُلَّ مَنْ حَضَرَ۔ وہ امام کی خوشبو لیتا تھا اور منہ سے بوسے دیتا تھا اور آپ کے جسم اطہر سے پیشانی کو رگڑتا تھا اور اس طرح روتا تھا جس طرح پسر مردہ عورت روتی ہے حتیٰ کہ تمام لوگ گھوڑے کی یہ وفاداری دیکھ کر حیران ہوئے۔ اس کے بعد اپنی پیشانی خون سے رنگین کر کے ہنہناتا اور آنکھوں سے آنسو بہاتا ہوا اہل حرم کو مطلع کرنے کے لئے خیام کی طرف روانہ ہوا۔ جب جناب زینب عالیہ نے گھوڑے کی آواز سنی تو سکینہ سے فرمایا جاؤ بیٹی تمہارا باپ پانی لا رہا ہوگا۔ جب سکینہ خاتون درخیمہ پر پہنچی تو دیکھا کہ گھوڑے کی پیشانی خون آلود ہے لگام شکستہ اور زین ڈھلی ہوئی ہے اور بدن میں تیر پیوستہ ہیں اور اس کی ہنہناہٹ اپنے سوار کی موت کی خبر دے رہی ہے تو سر سے مقنعہ اتار پھینکا اور واحسیناہ وامحمداہ واعلیاہ کی صدا بلند کی۔ پس گھوڑے کی پیشانی پر سر رکھ کر اپنی مظلومی اور بے کسی کا رونا روتی رہی اور فریاد کرتی رہی۔ پس جناب زینب خاتون آئیں اور گھوڑے کی حالت دیکھ کر محو گریہ ہوئیں اور اپنے نانا کو پکار پکار کر کہتی تھیں کہ تیرا حسین بے گور و کفن صحرائے کربلا میں دھوپ پر پڑا ہے کہ لوگوں نے اس کے بدن سے لباس بھی اتار لیا ہے۔ اور بروایت ابو مخنف تمام مستورات خیام سے سر برہنہ نکلیں سر و سینہ پیٹتی ہوئیں اور نمک پیٹیں۔ ام کلثوم نے گھوڑے کے سر پر ہاتھ رکھ کر بین کئے۔ پس گھوڑے نے ایک سرد آہ کھینچی اور سادانیوں کے سامنے سر زمین پر مارا اور وہیں ختم ہو گیا۔ پس گھوڑے کی موت سے اہل حرم میں اور زیادہ ماتم کی صدائیں بلند ہوئیں۔ ایک روایت میں ہے کہ گھوڑے نے دریا میں چھلانگ لگا دی اور پھر باہر نہ آیا۔

جسم اطہر

عمرو بن سعد نے حکم دیا کہ بدن امام مظلوم پر گھوڑے دوڑائے جائیں چنانچہ دس آدمی گھوڑوں پر سوار ہو کر آگے بڑھے اور امام کی لاش کو پامال کیا۔ (۱) اسحٰق بن حیوہ حضرمی (۲) اخنس بن مرثد (۳) حکیم بن طفیل (۴) عمرو بن صبیح (۵) رجاء بن منقذ (۶) سالم بن خیثمہ (۷) صالح بن وہب (۸) واخط بن ناعم (۹) ہانی بن ثبیت حضرمی (۱۰) اسید بن مالک۔ یہی وہ طاعین ہیں جنہوں نے ابن زیاد کے دربار میں اپنے کارنامے پر ناز کرتے ہوئے یہ شعر پڑھا تھا۔

نَحْنُ رَضَضْنَا الصَّدْرَ بَعْدَ الظَّهْرِ   بِكُلِّ يَعْبُوبٍ شَدِيدِ الْحَضْرِ

ہم وہ ہیں جنہوں نے امام مظلوم کے سینے اور پشت کو پامال کر کے کچل ڈالا اور سخت سموں والے تیز رو گھوڑے ان کے بدن پر دوڑائے۔

اور مروی ہے کہ یہ دس طاعین حرامزادے اولاد زنا تھے۔

زہیر بن قین کی عورت نے اپنے غلام کو کفن دیا کہ جا کر زہیر کو پہنا دے جب غلام قتل گاہ میں آیا تو امام مظلوم کی لاش کو خاک کربلا پر عریاں دیکھ کر کہنے لگا خدا کی قسم یہ نہیں ہو سکتا کہ فرزند پیغمبر کا بدن بے کفن ہو۔ پس وہ کفن امام کو پہنا دیا اور واپس جا کر زہیر کے لئے دوسرا کفن لایا۔ عمر سعد نے گیارہویں محرم کو اپنے نجس مردوں پر جنازہ پڑھ کر ان کو دفن کیا اور قافلۂ اسیران اہل بیت کے ساتھ اسی روز بعد از زوال کوچ کیا۔ محرق القلوب صـ۱۲۱ میں ہے کہ جب قافلہ اسیران اہل بیت کا گذر قتل گاہ سے ہوا تو بیبیوں نے اپنے آپ کو اونٹوں سے گرا دیا اور لاشہائے شہدا پر پہنچیں۔ قمقام میں ہے جونہی بیبیوں کی نظریں لاشہائے شہداء پر پڑیں تو سر اور منہ پر پیٹنا شروع کر دیا اور جناب زینب عالیہ نے اپنے نانا کو خطاب کر کے عرض کی وَا مُحَمَّدَاهُ صَلّٰى عَلَيْكَ مَلِيْكُ السَّمَاءِ هٰذَا حُسَيْنٌ مُرَمَّلٌ بِالدِّمَاءِ مُقَطَّعُ الْاَعْضَاءِ وَبَنَاتُكَ سَبَايَا۔ نانا جان! تیرے اوپر خدا کا درود و سلام ہو۔ یہ تیرا حسینؑ خاک و خون میں غلطاں ہے جس کے اعضا ٹکڑے ٹکڑے کئے جا چکے ہیں اور تیری شہزادیاں قید میں۔ اور پھر عرض کی هٰذَا حُسَيْنٌ تَسْفِي عَلَيْهِ الرِّيَاحُ قَتِيْلُ اَوْلَادِ الْبَغَايَا۔ حسینؑ کے جسم نازنین پر ہوائیں مٹی اڑا رہی ہیں اور اولاد زنا نے ان کو شہید کر ڈالا ہے۔ ایک بین اس طرح کیا۔ هٰذَا حُسَيْنٌ مَجْزُوْزُ الرَّاْسِ مِنَ الْقَفَا مَسْلُوْبُ الْعِمَامَةِ وَالرِّدَاءِ یہ حسینؑ ہے جس کو پس گردن ذبح کیا گیا ہے اور اس کے تن سے عمامہ اور ردا اتار لی گئی ہے اور اس کے بعد بہت سے بین کئے جنہوں نے دوست و دشمن کو رلا دیا۔

محرق القلوب صـ۱۲۱ میں ہے کہ جناب زینب علیا نے بھائی کی لاش کو دیکھ کر چار خطاب کئے۔

پہلا خطاب ۔ اپنے نانا کو مخاطب کر کے کہا نانا جان یہ وہ حسینؑ ہے جس کو آپ بار بار بوسے دیا کرتے تھے خاک و خون میں غلطاں ہے خاک اُڑ اُڑ کر زخموں میں پڑ رہی ہے۔ رگوں سے تازہ خون جاری ہے۔ اس کے اعضاء کو ٹکڑے کیا گیا ہے اور پس گردن سے پیاسا ذبح کیا گیا ہے اور ہم قیدی ہو چلے ہیں۔

دوسرا خطاب ۔ اپنی والدہ ماجدہ کو خطاب کر کے کہا اماں جان! ذرا صحرائے کربلا میں اپنے پیارے فرزند کی حالت دیکھئے سر نوک نیزہ پر سوار ہے اور جسم خاک و خون میں غلطان ہے اور ہم تیری جگر سوختہ بیٹیاں ہیں۔ سروں سے چادریں اتر گئیں اور ہم دشمنوں کے درمیان بے پردہ برہنہ اونٹوں پر سوار قیدی ہو چکے ہیں۔

تیسرا خطاب ۔ اپنے بھائی سے کہا میرے شہیدوں کے سلطان برادر۔ تیرے اُوپر بہن قربان جائے۔ اے فرزند محمدؐ۔ اے علیؑ کا دلبین۔ اے فاطمہؑ کا نورِ عین۔ اے خدیجہؑ کا لختِ جگر۔ اے شہید آلِ عبا۔ اے مظلوم تنہا قافلہ کا سالار! میں تیری پیاس کے صدقے، میں تیرے دکھ درد پر قربان جاؤں۔ بھائی جان۔ تجھے پیاسا کر کے اور بے کس کر کے ذبح کیا گیا ہے۔ میں تیری رگ ہائے بریدہ پر قربان جاؤں۔ میں تیرے زخموں کے صدقے جاؤں۔ بھائی جان: تیرے خیمے جلائے گئے۔ تیرے اہل حرم کو لوٹا گیا۔

چوتھا خطاب ۔ اہل کوفہ کو خطاب کر کے فرمایا۔ اے اہل کوفہ۔ اے اصحاب محمدؐ: ہم لوگ تمہارے پیغمبر کی ذریت ہیں۔ میں علیؑ کی بیٹی ہوں۔ نہ ہمارے سروں پر رسولِ خدا کا سایہ رہا اور نہ اپنے باپ علی مرتضےٰؑ کا سایہ۔

بی بی عالیہ کے یہ خطاب سن کر اہل لشکر میں گریہ جاری ہوا بلکہ تمام موجودات میں کہرام بپا ہوا حیوان صحرائی اور جانداں دریائی میں نالہ و گریہ کی صدائیں پیدا ہوئیں اور لوگوں نے دیکھا کر گھوڑوں کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور ان کے سم تر ہو چکے تھے۔ جناب سکینہ خاتون نے اپنے باپ کی لاش کو سینے سے لگایا اور اس قدر روئی کر بے ہوش ہو گئی۔

پانچواں خطاب ۔ کتب سیر میں اس مقام پر بی بی عالیہ کا پانچواں خطاب بدرگاہِ رب العزت منقول ہے کر منہ آسمان کی طرف کر کے عرض کی اے پالنے والے اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا هٰذَا الْقُرْبَان اے اللہ ہماری اس قربانی کو قبول فرما۔

لاشوں کی پامالی کے متعلق روایات اکثر کتب معتبرہ میں موجود ہیں اور اس کے مقابلہ میں ابوالحارث کی روایت بھی اکثر کتب معتبرہ میں پائی جاتی ہے کہ جب ان بے حیاؤں نے پامالی کا ارادہ کیا تو حضرت فضہ کنیز اہل بیت

نے عرض کی۔ اے بی بی! میں نے سنا ہے کہ آپ کے نانا کے آزاد کردہ غلام سفینہ کی کشتی دریا میں شکستہ ہوئی تھی اور جزیرہ میں اس پر ایک شیر نے حملہ کیا تھا تو سفینہ نے کہا تھا اے شیر میں محمد مصطفٰے رسولِ خدا کا آزاد کردہ غلام ہوں۔ پس شیر نے بجائے نقصان دینے کی اس کی پوری خدمت کی اور اپنی گستاخی کی معذرت بھی چاہی تھی۔

اے بی بی اب ہمارا اور کوئی چارہ نہیں ہے اگر آپ حکم دیں تو یہاں بھی ایک شیر رہتا ہے میں اس کو اطلاع دیتی ہوں۔ چنانچہ فضہ نے شیر کو آواز دی۔ اے ابو الحارث۔ مظلوم کربلا فرزند رسول امام حسینؑ کی لاش آوارہ بن بیچ گور و کفن ہے اور لوگ سم اسپاں سے لاش مطہر پامال کرنا چاہتے ہیں۔ پس شیر نے سنا اور گونج مارتا ہوا مقتل میں پہنچا اور تمام لاشوں میں پھر پھر کر آخر امام مظلوم کی لاش کو ڈھونڈ لیا اور بازو پھیلا کر بیٹھ گیا اور پہرہ میں مشغول ہوا۔ جب عمر سعد کو معلوم ہوا تو اس نے اپنے ارادہ فاسدہ کو ملتوی کر دیا۔

ممکن ہے کہ ایک دفعہ گھوڑے دوڑائے گئے ہوں پھر دوسری مرتبہ ارادہ رکھتے ہوں اور شیر نے روک دیا ہو واللہ اعلم۔

محزن البکا میں ہے جناب سکینہ خاتون نے اپنے پدر بزرگوار کی لاش سے لپٹ کر بہت بین کئے۔ اور جب ان ملاعین نے الگ کرنا چاہا تو بی بی بابا کی لاش سے لپٹ گئی۔ پس چند ملعون اکٹھے ہوئے اور زبردستی بی بی کو لاش مظلوم سے جدا کر دیا۔ بی بی سے روایت ہے کہ عالم غشی میں میں نے اپنے بابا سے سنا۔ شِیْعَتِیْ مَا اِنْ شَرِبْتُمْ ۔ الخ۔

مروی ہے حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام مخفی طور پر تشریف لائے اور بستی غاضریہ کے قبیلہ بنی اسد کے لوگوں کو ملا کر لاشہ ہائے شہداء کو دفن کیا۔

نقل عبدالرزاق میں ہے کہ جب امام حسن علیہ السلام کو زہر دی گئی تو امام حسین علیہ السلام نے بھائی کی حالت کو دیکھ کر گریہ کیا۔ پس امام حسن علیہ السلام نے فرمایا۔ بھائی جان! مجھے تو زہر دی گئی ہے لیکن آپ کی حالت اس سے بھی زیادہ سخت ہوگی کیونکہ ہمارے ”نانا“ کی اُمت میں سے تیس ہزار آدمی آپ کے قتل پر کمربستہ ہوں گے جو پردہ داروں کو قید کریں گے۔ بچوں کو قتل کریں گے گھروں کو لوٹ لیں گے۔ پس اس وقت بنی امیہ پر لعنت کی بارش ہوگی آسمان سے خون برسے گا۔ اور تیرے اوپر ہر شے گریہ کرے گی۔ یہاں تک کہ وحوش صحرائی اور حیوانات دریائی بھی آپ کا غم منائیں گے۔

ساتواں باب

حالات سر اقدس امام حسین علیہ السلام

امام حسینؑ کے سر اطہر کی جائے دفن کے متعلق زبردست اختلاف ہے اور اس میں آٹھ اقوال ہیں۔

۱۔ دمشق باب الفرادیس میں مدفون ہے۔
۲۔ رہائی پر قافلۂ اہل بیت کے سپرد کیا گیا اور انہوں نے آکر کربلا میں دفن کیا گویا جسم اطہر کے ساتھ ملحق کیا گیا۔
۳۔ مصر کے شہر قاہرہ میں مدفون ہے۔
۴۔ عسقلان میں دفن کیا گیا۔
۵۔ نجف اشرف میں حضرت امیر علیہ السلام کے حرم پاک میں دفن ہے چنانچہ سر مبارک کی وہاں ایک زیارت بھی پڑھی جاتی ہے۔
۶۔ قافلہ اسیران اہل بیت نے اپنے ساتھ لاکر جنت البقیع میں جناب بتول معظمہ کی قبر کے پہلو میں دفن کیا۔
۷۔ نجف اشرف کے باہر مسجد حنانہ میں مدفون ہے۔
۸۔ جب سرہائے شہداء دمشق میں پہنچے تو ان کو ملائکہ نے اٹھالیا پس وہ عالم بالا میں لے جائے گئے چنانچہ مخزن البکا مجلس ۱۳ تنبیہ ۲ میں ایک روایت ہے، زندان شام میں وہ سر غائب ہو گیا اور پھر کسی کو نہ مل سکا۔

آقائے شیخ ذبیح محلاتی نے فرسان الہیجا میں ذکر کیا ہے شاید سر مبارک کے مدفن کے متعلق اس قدر زبردست اختلاف کی مصلحت یہ ہوگی کہ جگہ بہ جگہ سر اقدس کی زیارت گاہیں تعمیر ہوں اور ہر جگہ زائرین پہنچ کر امام کی مظلومیت کی داستان کو تازہ کریں اور ان کی یاد جگہ بہ جگہ مومنین کے دلوں میں ہر وقت قائم رہے۔

حالات سر اقدس امام حسین علیہ السّلام

فرسان الہیجا میں مروی ہے کہ سر امام حسین علیہ السلام روز عاشورا بوقت عصر ہی عمر بن سعد نے خولی بن یزید کو دے کر ابن زیاد کی طرف کوفہ کو روانہ کر دیا اور حمید بن مسلم کو بھی اس کے ہمراہ روانہ کیا۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ امام پاک کے سر کو لے جانیوالا شمر تھا۔

سر مبارک امام حسینؑ کوفہ میں

پہلی روایت کی بنا پر جب خولی امام مظلوم کا سر لایا تو آدھی رات کا وقت تھا چونکہ دارالامارہ کا دروازہ بند ہو چکا تھا لہٰذا اپنے گھر آیا اور سر مبارک کو ایک کپڑے دھونے کے طشت کے نیچے رکھ دیا۔ اس کی دو بیویاں تھیں ایک قبیلہ اسد سے تھی اور دوسری جس کا نام نوار تھا۔ اور حضرموت کے باشندوں میں سے تھی۔ جب خولی نوار کے قریب آیا تو اس نے پوچھا کیا لایا ہے۔ اس نے جواب دیا امام حسین کا سر لایا ہوں۔ نوار غصہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی اے بدبخت! لوگ کمانے کے لئے گھر سے جاتے ہیں تو پیسہ روپیہ لاتے ہیں اور تو میرے گھر میں فرزند پیغمبر کا سر لایا ہے۔ خدا کی قسم اب کے بعد کبھی تیرا اور میرا سر ایک سرہانے پر جمع نہ ہوگا۔ پس یہ کہہ کر خولی سے دور ہو گئی۔ اور سر مبارک کے قریب گئی دیکھا کہ طشت سے تا آسمان ایک نور ساطع ولامع ہے۔ اور ملائکہ کی آواز تسبیح بھی سنائی دیتی ہے اور سفید قسم کے پرندے اردگرد گھوم رہے ہیں اور سر مطہر سے تلاوت قرآن مجید کی آواز آرہی ہے۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ۔

دوسری روایت کی بنا پر شمر سر مطہر کو توبرہ میں ڈال کر گھر لایا اور کپڑے دھونے کے ایک تغار کے نیچے رکھ دیا۔ جب چاند غروب ہوا اور رات تاریک ہوئی تو شمر کی ایک مومنہ بیوی اپنی جگہ سے اٹھی دیکھا کہ تغار سے آسمان تک نور ساطع ولامع ہے فوراً شمر سے پوچھا تو کیا چیز لایا ہے۔ اس نے جواب دیا ایک خارجی کا سر ہے۔ اس نے پوچھا وہ کون تھا؟ اس حرامزادے نے کہا وہ حسین بن علی تھا تو وہ مومنہ سنتے ہی اتنی روئی کہ بیہوش ہو گئی۔ جب ہوش میں آئی تو کہنے لگی اے مجوس سے بدترین انسان۔ تجھے خدا کا خوف نہ آیا یہ کہہ کر باہر آئی اور سر کو تغار سے نکال کر سینے سے لگایا اردگرد محلہ کی مومنہ عورتیں بھی جمع ہو گئیں اور کہرام ماتم بپا ہوا۔

زوجہ شمر کا بیان ہے میں نے اچانک دیکھا کہ گھر کی دیوار شق ہوئی اور میں بیہوش ہو کر گر گئی گویا عالم خواب میں دیکھا ایک نور عظیم ظاہر ہوا اور بادل کا ٹکڑا سامنے آیا گویا وہ عماری نور تھی جس سے دو بیبیاں اتریں اور اس

سر کو اٹھا کر سخت روئیں۔ میں نے پوچھا یہ عورتیں کون ہیں؟ تو ہاتف کی آواز آئی۔ ایک فاطمہ زہرا ہے۔ اور دوسری خدیجۃ الکبریٰ ہے۔ پس چند مرد نازل ہوئے پوچھنے سے معلوم ہوا حضرت محمد مصطفےٰ علی مرتضےٰ حمزہ اور جعفر طیار تھے وہ سب اس سر کو بوسہ دیتے اور روتے تھے۔

جناب فاطمہؑ اور خدیجہ کبریٰؑ دونوں شمر کی زوجہ کی طرف روانہ ہوئیں اور فرمایا اے بی بی ہم تیری ممنون احسان ہیں کہ تو نے اپنے گھر میں ہمارے فرزند حسینؑ کی مجلس غم منعقد کی ہے اور گریہ و ماتم کیا ہے پس تو بہشتی محلات میں ہمارے ہمراہ ہوگی۔ جب بیدار ہوئی دیکھا کہ سر گود میں ہے پس شمر آیا اور سر طلب کیا تو اس مومنہ نے کہا کہ مجھے طلاق دے دو۔ میں سر ہرگز نہیں دوں گی۔ شمر نے تلوار کی ضرب سے اس مومنہ کو شہید کر دیا۔ اور آقا شیخ ذبیح محلاتی نے ان دونوں روایتوں کی جمع اس طرح کی ہے کہ شاید کوفہ تک سر لانے والا خولی ہو اور ایک رات اس کے گھر میں رہا ہو۔ پھر کوفہ سے شام بھیجنے کے لئے شمر کو معین کیا گیا ہو اور وہ سر مطہر کو اپنے گھر لایا ہو۔ پس ایک رات اس کے گھر میں سر اطہر نے گذاری۔ اور بعض روایات تغار کی بجائے تنور لکھا ہے یعنی اس ملعون نے تنور میں رکھ کر اس کی خاکستر میں سر کو چھپا رکھا تھا۔ جب زن مومنہ نماز تہجد کے لئے اٹھی تو مطبخ میں روشنی دیکھی اور تنور میں خاکستر کے نیچے مظلوم کربلا کا سر دیکھا اور اس کو اٹھایا تو پہچان گئی پس خاکستر سے منہ کو صاف کیا سینے سے لگایا۔ اور رو رو کر بے ہوش ہو گئی پس اس وقت چار عورتوں کو دیکھا پوچھا تو معلوم ہوا۔ ایک فاطمہ زہراؑ، دوسری خدیجہ کبریٰؑ تیسری مریم عذراؑ اور چوتھی آسیہؑ ہیں۔ الخ۔ مخزن البکاء)

روایت بحار الانوار مسلم جصاص سے منقول ہے کہ میں ان دنوں کوفہ کے دارالامارہ کی مرمت کر رہا تھا جب شور و غوغا سنا تو اپنے غلام کو حقیقتِ حال معلوم کرنے کو کہا تو اس نے جواب دیا کہ ایک شخص نے خروج کیا ہوا تھا اور ابن زیاد کی فوجوں نے اس کو مع احباب کے قتل کر دیا ہے۔ اب ان کے سروں کو مع ان کے پردہ داروں کے کوفہ میں لایا جا رہا ہے اور لوگ تماشا کے لئے جمع ہو رہے ہیں۔ میں نے پوچھا اس خارجی کا نام کیا ہے تو جواب دیا کہ اس کو حسین بن علیؑ کہتے ہیں۔ پس میں نے اپنے منہ پر زور سے طمانچہ مارا۔ اس کے بعد ہاتھ منہ دھو کر باہر نکلا میں نے دیکھا شہداء کے سر نیزوں پر سوار ہیں اور ساتھ ساتھ چالیس کجاوے ہیں جن پر قیدی قافلہ سوار ہے۔ اور میں نے حضرت سجادؑ کو دیکھا جو زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے اور اس کی رگوں سے خون جاری تھا اور وہ چند اشعار پڑھ رہے تھے۔

سب سے آگے امام حسینؑ کا سر تھا۔ وہ سر نورانی رسولِ خدا کی شکل سے بالکل مشابہ تھا اور ریش مبارک پر سیاہ خضاب

لگا تھا۔ پس وہ بالکل سیاہ تھی اور جڑوں میں سفید سی معلوم ہوتی تھی۔ چودھویں کے چاند کی طرح منہ چمکتا تھا اور ہوا کے جھونکوں سے ڈاڑھی مبارک کے بال حرکت کر رہے تھے زینب عالیہ نے ایک مرتبہ بھائی کے سر کو دیکھا اور محل کے ساتھ سر کو مارا اور فریاد کی۔ کوچوں اور گلیوں میں بے پناہ ہجوم تھا اور ایک لاکھ کے قریب تماشائی موجود تھے

مخزن البکاء میں طبوف سے مروی ہے کہ آل اطہار کو بغیر پالانوں کے اونٹوں پر سوار کیا گیا تھا نہ سر پر چادر تھی نہ مقنعہ پس نامحرموں سے بچنا ناممکن تھا۔ اچھے اور نئے لباس لوٹے جا چکے تھے۔ پس پرانے اور خستہ کپڑے تھے جو خاندانِ عصمت کی شاہزادیوں نے زیب تن کئے ہوئے تھے۔ اور بروایت بحار الانوار حضرت سجاد کی گردن میں وزنی زنجیر ڈالے ہوئے تھے اور بعض روایات کے ماتحت بی بیوں کے ہاتھ بھی رسن بستہ تھے اور ہاتھوں کا گردن سے بندھا ہوا ہونا بھی مذکور ہے مدینہ سے کربلا تک تو دیگر جوانانِ بنی ہاشم کے علاوہ خود حضرت حسین علیہ السلام بھی نگران حال تھے اور ساربانوں کے محملوں کے نشیب و فراز کو دیکھتے جاتے تھے کہ کہیں ناہموار مقامات سے نہ گذریں لیکن اب خدا جانے پردہ داروں کا کیا حال ہوگا جبکہ عمداً اونٹوں کو ناہموار مقامات سے گذارا جاتا تھا بلکہ بعض اوقات ناہموار جگہوں پر عورتوں کو پیدل دوڑانا بھی ملتا ہے جیسا کہ مختار کے حالات میں موجود ہے اس نے ایک ظالم کو سزا دینے سے پہلے پوچھا کہ میں نے سنا ہے تو ساربانوں کے اونٹوں کو تازیانے مارتا تھا کہ اونٹ دوڑیں اور بیبیاں سنبھل نہ سکیں۔ اور ایک ظالم کو اس ظلم کی سزا دی کہ تو بیبیوں کے پاؤں سے جوتے اتروا کر ناہموار مقامات پر ان کو دوڑاتا تھا۔

اور توضیح عزا میں ہے کہ جب کوفہ کے قریب قافلہ پہنچا اور ساربانوں نے اپنے لباس کی خستگی اور کوفہ کی جمعیت اور اپنی بے پردگی کا اندازہ کر کے خصوصاً جناب زینب عالیہ نے بواسطہ فضہ کے شمر سے خواہش کی کہ ہم اس لباس کے ساتھ بازار میں جانے کے قابل نہیں لہذا ہمیں شارع عام سے نہ لے جایا جائے اور اگر خواہ مخواہ ایسا کرنا ہی ہے تو ہمیں چادریں دی جائیں لیکن شمر ملعون نے جواب دیا کہ اے فضہ اپنی مخدومہ سے کہو۔ اب تم کوفہ کی شہزادی نہیں ہو بلکہ ابن زیاد کی قیدی ہو لہذا اسی حالت سے جانا پڑے گا۔

نیز مروی ہے کہ بوقت داخلہ کوفہ اکثر محلات جن میں شیعہ آبادی زیادہ تھی ان کی شاہراہوں پر پولیس کو مسلط کر دیا گیا کہ کوئی حالات سے باخبر نہ ہو مبادا البغاوت کھڑی ہو جائے (مخزن البکاء) بی بی عالیہ نے بھائی کی شہادت کو زندہ کرنے کے لئے بازار میں خطبے بھی پڑھے اور اپنے حسب و نسب سے آگاہ بھی کیا اور جو لوگ یہ سن چکے تھے کہ کوئی خارجی مارا گیا ہے انکو معلوم ہو گیا کہ رسول کا خاندان تباہ کر دیا گیا ہے نہ معلوم دربار ابن زیاد میں کہنہ لباس کے ساتھ بی بی نے وقت کیسے گذارا ہو گا جب کہ کنیزوں نے احاطہ کیا ہوا تھا اور وہ ایک گوشہ میں بیٹھی تھیں اور ابن زیاد نے پوچھا کہ یہ کون ہے، تو

جواب ملا کہ یہ زینب بنت علیؑ ہیں۔

ابن زیاد نے حکم دیا کہ امام کے سر مبارک کو کوفہ کی گلی کوچوں میں پھرایا جائے مقرسان البیجا میں بروایت ابن شہر آشوب مذکور ہے کہ سر مبارک کو ایک گلی میں لٹکایا گیا تو کھانسنے کے بعد سر امام نے سورہ کہف کی تلاوت شروع کر دی پس وہاں سے نقل کر کے آگے لے گئے اور ایک درخت پر لٹکایا گیا اور سر مبارک نے وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۔ الخ کو تلاوت کیا ۔ بروایت تظلم الزہراء حارث بن وکیدہ کہتا ہے میں نے قرأت سن کر تعجب کیا اور متفکر تھا کہ آیا یہ امام حسینؑ کی آواز ہے جو میں سن رہا ہوں اچانک امام مظلوم نے مجھے خطاب کر کے فرمایا یا ابنَ وَكِيدَة اَمَا عَلِمْتَ اَنَا مَعْشَرَ الْاَئِمَّةِ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّنَا یعنی اے ابن وکیدہ تجھے علم نہیں کہ ہم گروہ آئمہ اللہ کے نزدیک زندہ ہوا کرتے ہیں ۔ حارث بن وکیدہ کہتا ہے یہ سن کر میں نے ارادہ کیا کہ موقع ملے اور اس سر کو چوری کر کے لے جاؤں پس وہ میرے دل کی بات کو بھانپ کر فرمانے لگے اے ابن وکیدہ تجھے یہ کام میسر نہ ہوگا اور میرے قتل کرنے سے اللہ کے نزدیک میرا گلی کوچوں میں پھرانا سخت ظلم ہے پس تو اس کام میں ہاتھ نہ ڈال ۔ ان لوگوں کو بہت جلدی اپنے کئے کی سزا مل جائیگی اور دوزخ ان کا ٹھکانا ہوگا

دربار ابن زیاد

ابن زیاد کو جب قافلہ اسیران اہل بیت کے داخلہ کوفہ کی اطلاع ملی تو اس نے دربار عام لگایا اور منادی پھرا کر مجلس عام طلب کی چنانچہ فوراً ہی شہری و دیہاتی ہر قسم کے لوگوں سے دربار پُر ہو گیا ۔ اس کے بعد سروں کے حاضر کرنے کا حکم دیا چنانچہ سب سے پہلے ایک طشت طلا میں مظلوم کربلا کا سر پیش ہوا ۔

روضۃ الاحباب سے منقول ہے خولی نے بشیر بن مالک کے ہمراہ امام کا سر پیش کیا تو بشیر بن مالک نے یہ اشعار پڑھے

اِمْلَأْ رِكَابِي فِضَّةً وَذَهَبًا ۔۔۔ اِنِّي قَتَلْتُ الْمَلِكَ الْمُحَجَّبَا

میرا برتن سونے اور چاندی سے پُر کر دے کیونکہ میں نے بڑے سردار کو قتل کیا ہے

قَتَلْتُ خَيْرَ النَّاسِ اُمًّا وَاَبًا ۔۔۔ وَخَيْرَهُمْ اِذْ يُنْسَبُونَ النَّسَبَا

میں نے ایسے سردار کو قتل کیا ہے جس کا نسب ماں باپ کے لحاظ سے تمام لوگوں سے بہتر ہے

وَمَنْ يُصَلِّي الْقِبْلَتَيْنِ فِي الصِّبَا ۔۔۔ طَعَنْتُهُ بِالرُّمْحِ حَتّٰى انْقَلَبَا

اس کا بیٹا ہے جس نے بچپنے میں دو نو قبلوں کی طرف نماز پڑھی میں نے نیزہ سے اس کو منہ کے بل لٹا دیا

ابن زیاد یہ اشعار سن کر سخت غضبناک ہوا اور کہنے لگا اگر تو جانتا ہے کہ وہ تمام لوگوں سے نسب کے لحاظ سے افضل

ہے تو تو نے اس کو قتل کیوں کیا ہے؟ پس میرے نزدیک تیرا انعام یہ ہے کہ تجھے قتل کر کے اس کے ساتھ ملایا جائے۔ چنانچہ وہ فوراً قتل کر دیا گیا۔

اور کتب میں مروی ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد شمر نے: باختلاف روایت خولی نے ابن سعد کے سامنے پیش کرتے وقت بھی یہ اشعار پڑھے تھے اور ابن سعد نے ان کو جھڑک کر کہا تھا کہ اگر یہ اشعار ابن زیاد کو معلوم ہوئے تو تمہیں قتل کر دیا جائے گا۔

خلاصہ ۔جب امام مظلوم کا سر ابن زیاد کے سامنے رکھا گیا تو وہ حرامزادہ بہت خوش ہوا اور اس کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی وہ امام مظلوم کے دندان مبارک پر مارنے لگا اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا تھا کہ تیرے دانت کس قدر خوبصورت ہیں اور بعض روایات میں ہے اے حسین تیری ڈاڑھی بہت جلدی سفید ہو گئی ہے۔ بروایت مخزن البکاء ایک بوڑھا شخص اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا اے ابن زیاد جہاں تو چھڑی مار رہا ہے میں نے دیکھا کہ رسول خدا اس جگہ کو بوسہ دیا کرتے تھے تو ابن زیاد ملعون نے جواب دیا یہ جنگ بدر کا بدلہ ہے (یعنی اس کے باپ نے ہمارے اکابر کو جنگ بدر میں تہ تیغ کیا تھا اور ہم اب بدلے رہے ہیں)

فرسان الہیجا میں ہے زید بن ارقم صحابی رسولؐ جو پاس بیٹھا تھا اس سے برداشت نہ ہو سکا اور کہنے لگا اِرْفَعْ قَضِیْبَکَ عَنْ هَاتَیْنِ الشَّفَتَیْنِ فَوَاللّٰهِ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَقَدْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ یُقَبِّلُ مَوْضِعَ قَضِیْبِکَ مِنْ فِیْهِ۔ اپنی چھڑی ہٹا لے ان لبہائے مبارک سے کہ مجھے خدائے واحد کی قسم اسی چھڑی کے مقام کو میں نے اپنی آنکھوں دیکھا ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ بوسہ دیتے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے ان ہونٹوں پر میں نے رسولؐ کے لبہائے مبارک رکھتے ہوئے اتنی مرتبہ دیکھے کہ شمار سے باہر ہیں اور وہ بار بار ان کو چومتے تھے اس کے بعد زید ہائے ہائے کر کے رونے لگا۔ ابن زیاد نے جواب دیا اگر تو بوڑھا نہ ہوتا اور تیری عقل ضائع نہ ہو چکی ہوتی تو میں تجھے قتل کر دیتا کیونکہ تو ہماری فتح پر روتا ہے۔ زید بن ارقم نے کہا اے ابن زیاد میں تجھے ایک اور حدیث بتاتا ہوں جو تجھے ناگوار ہو گی کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا ایک روز حضرت رسولخداؐ ایک زانو پر حسنؑ کو اور دوسرے زانو پر حسینؑ کو بٹھائے ہوئے تھے اور دعا کر رہے تھے کہ اے پروردگار میں ان دونوں کو اور علیؑ کو تیرے حوالہ کر کے جا رہا ہوں۔ اے ابن زیاد تو خود سوچ لے کہ رسولؐ کی امانت سے تو نے کیا سلوک کیا ہے۔ پس یہ کہتا ہوا اور روتا ہوا دربار سے اٹھ کھڑا ہوا اور مجلس عام کی طرف خطاب کر کے کہنے لگا اے اہل عرب تم نے مرجانہ کے بیٹے کی خاطر اپنے رسولؐ کے نواسہ کو قتل کر ڈالا ہے یہ شخص تمہارے شریفوں کو ذلیل کرے گا اور کمینوں کو تمہارے سروں پر سوار کرے گا۔ تم نے اپنے

لئے ذلت وخواری خرید لی ہے اور خدا کی رحمت سے دور ہے وہ شخص جو بیحیائی اور بے غیرتی کو اپنے لئے فخر محسوس کرے
بروایت منتہی الآمال طبری سے منقول ہے کہ سر مبارک کو اپنے سامنے رکھ کر ابن زیاد ملعون ایک گھنٹہ تک چھڑی سے پے در پے مارتا رہا جس طرح بارش کے قطرات یکے بعد دیگرے زمین پر پڑتے ہیں۔ بروایت مقام جب حضرت رباب نے دیکھا تو سہا نہ گیا اٹھ کھڑی ہوئی اور ایک مرتبہ امام مظلوم کے سر کو اٹھالیا اور گود میں رکھ کر اس کو بوسہ دیا اور ہائے ہائے کر کے رونے لگی اور پھر دو شعر پڑھے جن کا مقصد یہ ہے (۱) مجھے اپنے آقا حسینؑ کا وہ وقت ہرگز نہ بھولیگا جبکہ ہر طرف سے تیر اس پر پڑ رہے تھے (۲) ظالموں نے ان کی لاش مطہر کو سرزمین کربلا میں بے گور و کفن چھوڑ دیا ہے۔

مخزن البکا میں تبر ابسے منقول ہے ہشام بن محمد کہتا ہے میں دربار ابن زیاد میں موجود تھا جب امام مظلوم کا سر پیش ہوا وہاں ایک کاہنہ ملعونہ بیٹھی تھی اس نے ابن زیاد کو کہا کھڑے ہو کر اس پر اپنا قدم رکھو چنانچہ اس بد نہاد نے اس عورت کی بات مان کر کھڑے ہو کر اپنا نجس قدم قرآن ناطق پر رکھا اور زید بن ارقم سے کہنے لگا کیا یہ خوب ہے؟ تو زید بن ارقم نے جواب دیا وَاللهِ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ وَاضِعًا فَاهُ حَيْثُ وَضَعْتُ قَدَمَكَ۔ خدا کی قسم میں نے اسی مقام پر رسولؐ خدا کو اپنا منہ رکھتے دیکھا ہے جہاں تو نے اپنا قدم رکھا ہوا ہے۔ اور اسی کتاب سے مروی ہے کہ جب امام مظلومؑ کا سر ابن زیاد کے پیش تھا تو چونکہ شمر ملعون نے امام مظلوم کو پس پشت سے ذبح کیا تھا اور کند خنجر سے ضربیں مار مار کر بارہ ضربوں سے گلا کاٹا تھا لہٰذا گردن کے ساتھ کچھ چمڑا اور گوشت لٹک رہا تھا۔ جب ابن زیاد ملعون نے دیکھا تو ایک حجام کو بلایا اور حکم دیا کہ لٹکتے ہوئے چمڑے اور گوشت کو کاٹ ڈالے چنانچہ اس حجام نے قینچی سے تراشنا شروع کیا اور سر کو گول بنا کر ابن زیاد کے سامنے رکھا اور زائد چمڑا ہڈیاں اور گوشت کے ریزے نیچے پھینک دیئے بقدرت خدا اس حجام کے ہاتھ اسی وقت خشک ہو گئے اور عذاب خداوندی میں گرفتار ہوا پس عمرو بن حریث نے کھڑے ہو کر کہا اے امیر! تو نے حسب منشا سر مظلوم پر ظلم کر لیا ہے اب وہ ریزے جو گرے ہیں مجھے بخش دے ابن زیاد نے پوچھا ان کو کیا کرے گا تو اس نے جواب دیا میں ان کو دفن کروں گا۔ پس اس ملعون نے اجازت دی چنانچہ اس شخص نے حجام کے تراشے ہوئے گوشت ہڈیاں رگوں اور چمڑے کے ٹکڑوں کو جمع کیا اور ایک رومال میں باندھ کر گھر لے آیا اور ان کو غسل کفن دے کر خوشبو لگا کر دفن کر دیا۔

فرسان الہیجا میں روضۃ الاحباب سے منقول ہے کہ چھڑی مارنے کے بعد ابن زیاد نے سر مطہر کو اپنے ہاتھوں پر رکھا اور اپنے منہ کے سامنے بچھا کر اس کو غور سے دیکھ رہا تھا کہ اچانک اس کے ہاتھ میں لرزہ آیا اور سر مبارک اس کی ایک ران پر آ لگا اور خون کا ایک قطرہ ٹپکا جو اس کے کپڑوں سے گذر کر اس کی ران میں سوراخ کر کے زمین

پر جا بیٹھا۔ اس کے بعد وہ ملعون اس کا علاج کراتا رہا لیکن تندرست نہ ہو سکا اور اس میں بدبو پڑ گئی اور مشک و عنبر سے اس کو پر رکھتا تھا تاکہ اس کی بدبو سے نجات پائے پس چھ سال متواتر اسی عذاب میں رہ کر ابراہیم بن مالک اشتر کی تلوار سے واصل جہنم ہوا اور ابراہیم نے اس خبیث کے مردہ کو اسی علامت سے ہی پہچانا تھا۔

کوفہ سے شام تک

ابن زیاد نے یزید کو واقعہ کربلا کی اطلاع بذریعہ ہرکارہ کے بھیجی تو وہاں سے حکم پہنچا کہ شہداء کے سروں کو مع قافلہ اسیران اہل بیت کے شام بھیجا جائے چنانچہ زجر بن قیس کو پچاس آدمیوں کے ہمراہ سروں پر نگران کر کے شام کو روانہ کیا حضرت سجاد کے ہاتھوں میں زنجیر ڈالے گئے اور ایک طوق گراں گردن میں ڈالا گیا اور بروایت مخزن البکاء اہل حرم عورتوں بچوں کو رسیوں سے باندھا گیا اور نہایت بے دردی سے ان کو برہنہ پشت اونٹوں پر سوار کیا گیا کہ ہر دیکھنے والا ان کی حالت زار کو دیکھ کر رو رہا تھا۔ بیبیوں کے سروں پر چادریں نہ تھیں۔ اور بروایت ابومخنف حضرت سجاد بھی ایک برہنہ پشت اونٹ پر سوار تھے کہ ان کے قدموں سے خون جاری تھا اور قافلے کے آگے آگے تھے اور ان کے پیچھے شمر، شبث بن ربعی، خولی اور عمرو بن حجاج زبیدی کو ایک ہزار کی فوج دے کر حفاظت کے لئے بھیجا اور وہ پہلی منزل میں ہی زجر بن قیس سے جا ملے۔ مروی ہے کہ سروں کو نیزوں پر سوار کر کے اسیران اہل بیت کے اونٹوں کے آگے آگے رکھتے تھے اور اسی حالت میں شہر بشہر تشہیر کرتے جاتے تھے بروایت سید بن طاؤس ایک آدمی کو مکہ میں دیکھا گیا جو غلاف کعبہ سے چپٹ کر کہہ رہا تھا اے اللہ مجھے بخش دے لیکن میں جانتا ہوں کہ تو مجھے نہ بخشے گا۔ لوگوں نے اس کو سرزنش کی کہ گناہ اگر بارش کے قطرات اور درختوں کے اوراق سے بھی زیادہ ہوں تب بھی رحمت خداوندی سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ تو کون ہے جو اس مقدس مکان پر آکر رحمت پروردگار سے مایوس ہے۔ اس نے جواب دیا میں سر مبارک کے پچاس بردکلین میں سے ایک ہوں جن کو سر حسینؑ کے ہمراہ شام بھیجا گیا تھا جب کوفہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر پہنچے اور وہ پہلی ہی منزل تھی سر اطہر کو صندوق میں رکھ کر میرے ساتھیوں نے شراب پی اور مستی میں سو گئے لیکن میں نے شراب نہ پیا لہٰذا بیداری میں دیکھ رہا تھا کہ آسمان کے دروازے کھلے اور بجلی کی چمک اور رعد کی گرج سی معلوم ہوئی اور آواز سنی کہ وہ آدم صفی اللہ نوح ابراہیم اسمٰعیل اسحٰق اور خاتم الانبیاء علیہم السلام تشریف لائے ہیں پس جبریل ایک جماعت ملائکہ کے ہمراہ اور جماعت انبیاء حضرت رسول خدا کو تعزیت دینے کے لئے اترے ہیں چنانچہ سب کے سب بہت روئے جبریل نے عرض کی کہ میں آپ کا فرمانبردار ہوں اگر حکم ہو تو تیری امت پر زمین کو الٹا دوں جیسے قوم لوط پر الٹائی تھی تو آپ نے فرمایا چھوڑو میں اللہ کی بارگاہ میں خود ہی ان سے حساب لوں گا پس فرشتوں نے عرض کی کہ ہمیں پروردگار کی جانب سے ان پچاس مردوں کے عذاب کا حکم ہوا ہے پس

آپ نے اجازت دی اور فرشتوں نے حربوں سے ان کا کام تمام کیا جب میری باری آئی تو میں نے فریاد کی یا رسول اللہ مجھے بچائیے تو آپ نے فرمایا اس کو چھوڑ دو خدا اس کو نہ بخشے چنانچہ انہوں نے مجھے چھوڑ دیا اور جب صبح ہوئی تو میں نے دیکھا کہ میرے ساتھی سب کے سب خاکستر ہو چکے تھے۔

تعام میں صواعق محرقہ سے منقول ہے کہ ملاعین پہلی منزل پر شراب نوشی میں مشغول تھے کہ دیوار سے ایک ہاتھ ظاہر ہوا جس نے آہنی قلم سے دیوار پر دو شعر لکھے۔

اَتَرجُو اُمَّۃٌ قَتَلَت حُسَیناً　　شَفَاعَۃَ جَدِّہٖ یَومَ الحِسَابِ

کیا وہ امت جس نے حسینؑ کو شہید کر ڈالا ہے بروز قیامت اس کے نانا کی شفاعت کی امید رکھ سکتی ہے

ابن شہر آشوب نے انس بن مالک سے روایت کی ہے کہ اہل نجران نے زمین کھودی تو ایک تختی برآمد ہوئی جس پر یہ شعر لکھا تھا اور اس زمانہ کے ماہرین آثارِ قدیمہ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ بعثت سرورِ کائنات سے تین سو برس قبل کا لکھا ہوا ہے اور بعض کتب میں ہے کہ پانچسو برس پہلے کی تحریر تھی۔

اور تذکرہ خواص الامہ سے بروایت سلیمان بن یسار منقول ہے کہ ایک پتھر پر لکھا ہوا پایا گیا۔

لَابُدَّ اَن تَرِدَ القِیَامَۃَ فَاطِمَۃُ　　وَقَمِیصُہَا بِدَمِ الحُسَینِ مُلَطَّخٌ

یقیناً قیامت کے روز جب جناب فاطمہ میدانِ محشر میں تشریف لائیں گی تو ان کی قمیص خونِ حسینؑ سے آلودہ ہوگی

نیز مروی ہے کہ چونکہ ان لوگوں کو ڈر تھا کہ مبادا عرب قبائل قتل حسینؑ سے ہیجان میں آجائیں اور لڑائی چھیڑ دیں اس لئے سروں کو مع قافلہ اسیرانِ اہلبیتؑ کے شہروں اور آبادیوں سے کنارہ کرتے ہوئے جنگلات ویرانوں سے لیجایا گیا۔ شاید پہلی منزل قادسیہ بروایت ابومخنف جانب شرقی حصاصہ سے گذرے اور تکریت کا رخ کیا شہر کے عامل کو خط لکھا کہ ہمارے لئے خورد و نوش کا انتظام کیا جائے اور استقبال کی تیاری کی جائے کیونکہ ہمارے پاس ایک خارجی کا سر ہے پس شہر کو مزین کیا گیا اور جو پوچھتا تھا کہتے تھے کہ ایک خارجی کا سر ہے اس وقت ایک نصرانی نے کہا کہ یہ غلط کہتے ہیں بلکہ امام حسین بن علی کا سر ہے اور میں اس وقت کوفہ میں تھا جبکہ ان کو شہید کر دیا گیا ہے لوگوں نے جب سنا تو ماتم کرنے لگے اور حکومت کے مخالف ہو گئے چنانچہ نصرانی بھی ان کے ساتھ متفق ہو گئے۔ اور اوس اور خزرج کے قبیلوں میں سے چار ہزار آدمی جمع ہو گئے اور ابن زیاد کے لشکر کے ساتھ جنگ کرنے کا آپس میں عہد کر لیا اور ارادہ کیا کہ ان سے سرہائے شہداء کو چھین لیا جائے جب کوفیوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے فوراً کوچ کر لیا۔ اور وہاں سے اعمٰی پھر دیر اعور پھر وادی صلب اور اس کے بعد وادی النخلہ پر پہنچے تو قوم جن کا نوحہ سنا۔

؎ تکریت بغداد سے تیس فرسخ کے فاصلہ پر ہے۔

نِسَاءُ الْجِنِّ اَسْعِدْنَ نِسَاءَ الْهَاشِمِيَّاتِ — اے جن کی عورتو۔ ہاشمی عورتوں کے ساتھ شریک غم ہو جاؤ۔

بَنَاتُ الْمُصْطَفٰى اَحْمَدَ يَبْكِيْنَ شَجِيَّاتِ — کہ محمد مصطفےٰ کی شہزادیاں فرطِ غم سے رو رہی ہیں۔

يَبْكِيْنَ وَيَنْدُبْنَ لِبُدُوْرِ الْفَاطِمِيَّاتِ — وہ جناب فاطمہ کے چاند سے فرزندوں کے غم میں آہ و بکا کر رہی ہیں۔

وَيَلْبَسْنَ ثِيَابَ السُّوْدِ مِنْ عِظَمِ الرَّزِيَّاتِ — اور انہوں نے سیاہ لباس پہنے ہوئے ہیں کیونکہ مصائب ان کے بہت بڑھ گئے ہیں

وَيَلْطِمْنَ خُدُوْدًا كَالدَّنَانِيْرِ نَقِيَّاتِ — اور سونے کی مانند صاف چہروں کو پیٹ رہی ہیں۔

وَيَنْدُبْنَ حُسَيْنًا عَظُمَتْ تِلْكَ الرَّزِيَّاتِ — اور حسین علیہ السلام کا ماتم کر رہی ہیں اور یہ مصیبت تمام مصیبتوں سے بڑھی ہے

اس کے علاوہ اس مقام پر قومِ جن کے دیگر مرثیے بھی منقول ہیں پس یہاں سے کوچ کر کے مقام لبنا پر جو شہر مرصاد کے قریب ہے پہنچے یہاں بھی محبانِ حسینؑ کی تعداد اچھی خاصی تھی جب ان کو معلوم ہوا تو انہوں نے آلِ محمدؐ پر درود پڑھا اور قاتلینِ امام مظلومؑ پر لعنت بھیجی جب کوفیوں نے یہ ماجرا دیکھا تو فوراً وہاں سے چل دیئے پس مقام کحیل پر پھر مقام جہینہ پر پہنچے اور یہاں سے موصل کے حاکم کو اپنی آمد کی اطلاع دی۔ حاکم موصل نے شمر کا خط اہل موصل کو سنایا تو وہ لوگ برہم ہوئے چنانچہ حاکم موصل نے شمر کو خط لکھا کہ موصل والے علیؑ کے شیعہ اور آلِ محمدؐ کے دوست ہیں اگر تم لوگ یہاں آئے تو ممکن ہے جنگ ہو جائے پس مجبوراً موصل سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر قیام کیا گیا اور موصل کے حاکم نے سامانِ خورد و نوش وہاں پہنچا دیا اور چار ہزار کے قریب لوگوں نے جنگ لڑنے کا ارادہ بھی کیا لیکن وہ کوئی موصل میں نہ آئے اور وہاں سے آگے چلے گئے۔

اس مقام پر امام مظلومؑ کے سر کو نیزہ سے اتار کر ایک پتھر پر رکھا گیا اور خون کا ایک قطرہ اس پتھر پر ٹپکا چنانچہ ہر سال بروز عاشور اس پتھر سے تازہ خون جوش مار کر نکلتا تھا پس لوگ اکٹھے ہوتے تھے اور رسمِ عزاداری بجا لاتے تھے اور یہ معجزہ بنی امیہ کے آخری بادشاہ مروان حمار تک قائم رہا اور اس جگہ کو مشہد النقطہ سے تعبیر کیا جاتا تھا مروان نے وہ پتھر وہاں سے اٹھوا کر اس معجزہ کو ختم کرا دیا۔

یہاں سے روانہ ہو کر مقام تل اعفر پر پہنچے پھر مقام سنجار پر پھر منزل نصیبین پر پہنچے اس شہر میں بھی اسیرانِ اہلبیتؑ کی تشہیر کی گئی اور سرِ امام کو نوکِ نیزہ پر سوار کر کے بازار میں پھرایا گیا۔ اس کے بعد دعوات کے حاکم کو اپنے آنے کی اطلاع بھیجی حاکمِ دعوات نے فوجیوں کے لئے خورد و نوش کا انتظام کیا اور شہر کے امراء و رؤسا کے ساتھ استقبال کے لئے شہر سے باہر آیا۔ سامنے فوج تھی پھر سرہائے شہدا جو نیزوں پر سوار تھے اور پھر قافلۂ مستورات تھا۔ باب الاربعین سے داخلہ ہوا۔ اور امام مظلومؑ کے سر کو ایک بلند جگہ پر نصب کر دیا گیا اور ایک ملعون باآوازِ بلند سارا دن ندا کرتا رہا کہ هٰذَا رَأْسُ الْخَارِجِيِّ یہ ایک خارجی کا سر ہے بعض لوگ ہنستے تھے اور تھوڑے روتے بھی تھے۔

جس مقام پر امام مظلوم کا سر رکھا گیا تھا کافی عرصہ تک لوگ اپنی حاجات لاتے تھے اور وہاں دعائیں مانگتے تھے اور سرِ حسینؑ کی نسبت کی عظمت کی وجہ سے لوگوں کی حاجتیں پوری ہوتی تھیں۔ پس دعوات سے روانہ ہو کر عین الوردہ[14] پہنچے اور یہاں سے دو عانات[15] میں گئے پس شہر کے حاکم نے استقبال کیا اور سرہائے شہداء کی تشہیر کی گئی اور یہاں سے حلب[16] کو روانہ ہوئے۔ اہلِ حلب نے شہر کی آئینہ بندی کی تھی اور خوب سجا رکھا تھا طبل بجائے گئے اور آلِ محمدؐ کی آمد پر خوشیاں کی گئیں اور سرہائے شہداء کی معہ قافلہ اسیراں کے تشہیر کی گئی حلب میں ان لوگوں نے شراب نوشی میں رات گذاری۔

قمقام میں معجم البلدان سے مروی ہے کہ حلب کے مغرب میں ایک پہاڑ ہے جس کا نام جوشن لکھا ہے۔ وہاں مس کی کان تھی جس دن خاندانِ عصمت کی قیدی شہزادیوں نے وہاں سے عبور کیا تو امام مظلوم کے حرموں میں سے ایک بی بی حاملہ تھی اور سفر کی تکلیف کی وجہ سے اسی پہاڑ کے نزدیک حمل ساقط ہو گیا اس کان کے کارندوں سے بی بی نے کھانا و پانی طلب کیا لیکن ان حرامزادوں نے بجائے رحم کرنے کے گالیاں دیں پس بی بی نے ان کو بددعا کی پس وہ کان ختم ہو گئی۔ اسی پہاڑ کے دامن میں ایک زیارت گاہ موجود ہے جس کو مشہد السقط کہتے ہیں اور وہ بچہ محسن بن حسین تھا اور اس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔

یہاں سے روانہ ہو کر قنسرین[17] آئے اور یہ شہر شیعانِ علیؑ سے پُر تھا جب انہوں نے حالات سے آگاہی حاصل کی تو شہر کے دروازے بند کر لئے اور بنو امیہ پر نفرین و لعنت کی اور دشمنانِ اہل بیتؑ پر پتھر برسانے شروع کئے پس وہاں سے چل کر معرۃ النعمان میں آئے اور اس جگہ آرام کیا۔ کھانے پینے کا بندوبست ہوا۔ لوگ تماشائی بن کر سب کچھ دیکھتے رہے۔ پس یہاں سے کوچ کر کے شیزر[18] پہنچے تو وہاں کے ایک سن رسیدہ بزرگ نے لوگوں کو حقیقتِ حال کی خبر دی چنانچہ وہ لوگ لڑائی پر آمادہ ہو گئے اور اہلِ کوفہ کو وہاں سے کوچ کرنا پڑا۔ بروایت مخزن البکاء شیزر کے نوجوانوں نے تلواریں علم کر لیں اور جنگ پر آمادہ ہوئے تو بعض لوگوں نے اس اقدام سے ان کو روکا لیکن وہ نہ رکے اور اہلِ کوفہ پر حملہ آور ہو گئے اور اس لڑائی میں ۶۰۰ ملاعین مارے گئے اور ستر مومن شہید ہوئے۔

پس کفرطاب[19] پہنچے یہاں ایک چھوٹا سا قلعہ تھا جب ان لوگوں کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے دروازے بند کر لئے کوفیوں نے پانی مانگا تو انہوں نے جواب دیا تم لوگوں نے فرزندِ پیغمبرؐ کو پیاسا شہید کر ڈالا ہے لہٰذا ہم تمہیں قطعاً پانی نہ دیں گے۔ پس وہاں سے چل کر سیبور[20] میں پہنچے جب اہل سیبور نے سنا تو تمام جوان و ضعیف یک جا جمع ہوئے۔ ان میں سے ایک بوڑھا مرد جو عثمانی تھا اس نے کھڑے ہو کر تقریر کی کہ سر امام حسینؑ کو کوفہ سے یہاں تک ہر شہر میں پھرایا گیا ہے اور کسی شہر والوں نے ان کو نہیں روکا لہٰذا تم بھی ان کے ساتھ مقابلہ نہ کرو اور جو کچھ کرنا چاہیں تم نہ روکو تو نوجوانوں نے کہا

ہم یہ بے غیرتی ہرگز نہ برداشت کریں گے اور اس پلید قوم کو ہرگز اپنے شہر میں نہ آنے دیں گے پس فوراً شہر سے نکل کھڑے ہوئے اور نہر کی پل کو توڑ دیا جس سے ان لوگوں نے عبور کرنا تھا اور خود پار ہو کر لڑائی میں مصروف ہو گئے پس خولی کے لشکر سے چھ سو ملاعین قتل ہو گئے اور اہلِ ایمان کے جوانوں میں سے بھی کافی آدمی شہید ہو گئے۔

پس یہاں سے کوچ کر کے حماۃ[22] میں پہنچے ان لوگوں نے بھی داخلِ شہر نہ ہونے دیا۔ ناچار وہاں سے روانہ ہو کر حمص[23] پہنچے اس جگہ خالد بن نشیط حاکم تھا۔ اس نے شہر کو خوب سجایا اور اہلِ کوفہ کا تین میل تک استقبال کیا جب خالد سرہائے شہداء اور قافلہ اسیرانِ اہل بیت کو لے کر واپس پلٹا تو حمص کے باشندوں نے شہر کا دروازہ بند کر لیا اور ابنِ زیاد کے سپاہیوں پر پتھر برسانے شروع کر دئیے حتیٰ کہ ان کے ۲۶ آدمی مارے گئے اور شہر والوں نے قسم کھائی کہ ہم ابن زیاد کے لشکر سے لڑیں گے اور سرہائے شہداء بھی ان سے چھین لیں گے۔ جب اہلِ کوفہ کو یہ معلوم ہوا تو انہوں نے وہاں سے کوچ کیا۔ بمطابق روایت مخزن البکاء سوق الطعام پھر جرشہ پھر حمیرہ اور پھر بعلبک گئے حاکم بعلبک نے قافلہ کے آنے کی اطلاع پا کر شہر کو خوب سجایا اور دو فرسخ تک استقبال کو نکلے لوگوں میں عطر تقسیم ہوا۔ اچھے فاخرہ لباس پہنے گئے ڈھول طبل بجائے گئے اور گانے والی عورتوں کو ساتھ لے کر تالیاں بجاتے ہوئے نکلے۔ جناب ام کلثوم نے پوچھا یہ کون سا شہر ہے تو جواب ملا یہ بعلبک ہے۔ بی بی نے ان کو بددعا کی۔ اہلِ کوفہ نے شب بھر شراب نوشی کی پس یہاں سے روانہ ہو کر دیر راہب میں پہنچے۔ بنا بر تحقیق آقا شیخ ذبیح اللہ محلاتی اس جگہ کا پانی نہایت خوشگوار تھا۔ امام مظلوم کا سر ایک صندوق میں بند کیا گیا (جیسا کہ ان کا ہر منزل پر دستور تھا) کوفیوں نے ایک حصہ رات کا شراب نوشی اور غنا کی مجلس میں گزارا۔ پھر کھانا کھایا۔ اچانک سامنے دیوار سے ایک ہاتھ نمودار ہوا جس نے فولادی قلم سے راہب کی دیوار پر جلی طور پر خون کی سیاہی سے تحریر کیا۔

أَتَرْجُوْا أُمَّةٌ قَتَلَتْ حُسَيْنًا   شَفَاعَةَ جَدِّهٖ يَوْمَ الْحِسَابِ

وہ ڈر گئے اور چاہا کہ ہاتھ پکڑیں لیکن ہاتھ آنکھوں سے اوجھل ہو گیا پس دوبارہ ہاتھ ظاہر ہوا اور دوسرا شعر لکھا

وَقَدْ قَتَلُوْا الْحُسَيْنَ بِحُكْمِ جَوْرٍ   وَخَالَفَ حُكْمُهُمْ حُكْمَ الْكِتَابِ

پھر دوبارہ انہوں نے ہاتھ اور قلم کو پکڑنا چاہا لیکن وہ غائب ہو گئے اور سہ بارہ ہاتھ ظاہر ہوا اور تیسرا شعر لکھا

فَلَا وَاللّٰهِ لَيْسَ لَهُمْ شَفِيْعٌ   وَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الْعَذَابِ

ابو مخنف نے یہ اشعار معمولی لفظی رد و بدل کے ساتھ اپنے مقتل میں درج کئے ہیں۔ الغرض سر شہداء کے پاسبانوں نے

کھانا چھوڑ دیا اور ترساں ولرزاں سو گئے۔ نصف شب کے وقت راہب کے کانوں میں ایک صدا آئی جب کان دھر کر سنا تو تسبیح و تقدیس کی آواز تھی۔ اپنے دیر کی کھڑکی سے دیکھا کہ دیوار کی قریب صندوق سے آسمان تک ایک نور ساطع ہے اور آسمان کے دروازے کھلے ہیں۔ جوق درجوق فرشتے نازل ہو رہے ہیں اور صندوق کے پاس پہنچ کر اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللهِ ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَا عَبْدِ اللهِ کہتے ہیں۔ راہب خوف اور تعجب میں گھر کر رات بھر جاگتا اور روتا رہا صبح سویرے دیر سے باہر آکر اشقیاء سے پوچھا تمہارا سردار کون ہے؟ تو جواب ملا خولی بن یزید اصبحی ہے۔ راہب نے پوچھا یہ صندوق کیسی ہے اور اس میں کونسی چیز بند ہے؟ انہوں نے جواب دیا ایک خارجی کا سر ہے جس نے سرزمین عراق میں یزید پر خروج کیا تھا اور ابن زیاد نے اس کو قتل کیا ہے۔ پوچھا اس کا نام کیا ہے؟ جواب دیا حسین بن علی بن ابی طالب کہا اس کی ماں کا نام کیا تھا۔ جواب دیا فاطمہ زہرا بنت رسولِ خدا۔ راہب نے کہا کہ تم لوگ اپنے اس کرتوت کی وجہ سے برباد ہو گئے ہمیں اپنے علماء و احبار نے سچ بتایا ہے کہ جب یہ شخص قتل ہو گا تو آسمان سے خون برسے گا اور یہ نہیں ہو سکتا مگر نبی یا وصی نبی کے قتل سے۔ پھر کہا کہ ایک گھنٹہ کے لئے یہ سر مجھے دے دو۔ پھر واپس لے لینا۔ خولی نے انکار کیا اور کہا یزید سے انعام لے کر یہ صندوق کھولیں گے۔ اس نے پوچھا اس کا انعام کیا ہے تو خولی نے کہا دس ہزار درہم کی تھیلی راہب نے کہا یہ تو میں دے دوں گا۔ خولی نے کہا پھر لے آؤ۔ چنانچہ وہ لایا اور خولی نے اس کو دو تھیلیوں میں بند کر کے اپنے خزانچی کے حوالے کیا اور سر امامِ مظلومؑ راہب کو دیا۔ راہب نے سر کو مشک کافور میں معطر کر کے ریشمی غلاف میں رکھا اور بہت رو رو کر شفاعت کی درخواست کی پس بنا بر روایت شافیہ سر مبارک سے آواز آئی کہ ہماری شفاعت صرف مسلمانوں کے لئے ہی مخصوص ہے پس فوراً راہب نے کلمہ شہادتین وکلمہ ولایت زبان پر جاری کیا اور مسلمان و مومن ہو گیا۔ اس کے بعد سر کو واپس کیا۔ جب ان لوگوں نے کوچ کیا اور درہموں کو تقسیم کرنے کا ارادہ کیا تو وہ سب کے سب ٹھیکریاں بن چکے تھے الخ۔

اور بحار الانوار سے مروی ہے کہ قنسرین میں راہب کا واقعہ پیش آیا کہ جب راہب سرِ مظلوم کربلا لے آیا تو غیب سے ایک آواز سنی کہ طوبےٰ ہے اس کے لئے جو اس کی معرفت حاصل کرے پس اس راہب نے دعا کی اے پروردگار! تجھے عیسےٰ کی نبوت کا واسطہ اس سر کو میرے ساتھ کلام کرنے کا اذن دے چنانچہ سر پاک سے آواز آئی راہب کیا پوچھتا ہے؟ تو راہب نے کہا آقا مجھے بتایئے آپ کون ہیں؟ تو سر سے آواز آئی میں محمدؐ کا نواسہ ہوں۔ علی مرتضےٰ کا شہزادہ ہوں اور فاطمہ زہرا کا لختِ جگر ہوں پھر فرمایا میں مقتول ہوں کربلا کا۔ میں مظلوم ہوں

اور میں پیاسا ہوں۔ پس راہب نے کہا ۔ آپ مجھے اپنی شفاعت کا وعدہ دیں تو سر مبارک سے آواز آئی تو مسلمان ہو جا تو میں شفاعت کروں گا پس راہب نے اقرار شہادتین کیا اور حضور نے شفاعت کا وعدہ کیا۔

بروایت روضۃ الاحباب دیر راہب سے روانہ ہو کر حرانؔ کی طرف جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک بلند ٹیلے پر ایک یہودی عالم کا گھر تھا جس کو یحییٰ حرانی کہتے تھے اس کو معلوم ہوا کہ کچھ سر بریدہ نیزوں پر سوار ہیں اور کچھ بوڑھی اور جوان عورتیں بھی ہیں جو قیدی ہیں اور ان کو حران لے جایا جا رہا ہے۔ پس وہ اس ٹیلے سے اترا اور لب سڑک کھڑا ہو گیا دیکھا کہ سروں کو نیزوں پر بلند کیا ہوا ہے اور اونٹوں پر قیدی مستورات سوار ہیں جن کو پیچھے سے مار مار کر دوڑایا جا رہا ہے۔ پس اس کی نظر ایک نورانی سر پر پڑی جس کے لب حرکت کر رہے تھے اور تلاوت قرآن کر رہا تھا۔ پس متعجب ہو کر ایک سپاہی سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ ایک خارجی کا سر ہے۔ اس نے پوچھا کون تھا جواب دیا اس کا نام حسین بن علی تھا اور اس کی ماں فاطمہ زہرا بنت رسولؐ تھی اور یہ قیدی مستورات حسینؑ کے پردہ دار ہیں۔ یحییٰ نے کہا کہ یہ مقتول تمہارے نبی کی شہزادی کا بیٹا تھا اس نے کہا کہ ہاں۔ پس راہب زار و زار رویا۔ پھر سر اطہر کا معجزہ دیکھ کر ایمان و اسلام کی حقیقت اس پر منکشف ہوئی اور مسلمان ہو گیا اور اس نے چاہا کہ بطور اعانت و امداد کے کچھ سامان قافلہ سادات کو ہدیہ کرے لیکن لشکریوں نے اس کو منع کیا تو اس نے تلوار نکال کر جنگ شروع کر دی اور پانچ ملاعین کو وار البوار پہنچا کر درجۂ شہادت پر فائز ہوا اور حران کے دروازہ پر دفن ہوا۔ اس کے بعد وہ شخص یحییٰ شہید مشہور ہو گیا۔ اس کا ذکر صفحہ ۲۴۳ پر گذر چکا ہے۔

اس کے بعد قافلہ اسیرانِ اہل بیت عسقلان پہنچا۔ بمطابق روایت مخزن البکا یعقوب عسقلانی یہاں کا حاکم تھا اس نے ابن زیاد کی خوشامد میں شہر کو خوب سجایا اور لشکریوں کا بڑا استقبال کیا اور شہر والوں کو خوشی کرنے اور جشن منانے کا حکم دیا۔ زریر خزاعی اس دن بازار میں کھڑا تھا جب اس نے عید و جشن کا سامان دیکھا۔ شہر کو سجا دیکھا اور عورتوں مردوں کو نئے کپڑوں میں ملبوس دیکھا تو حیران ہو کر ایک شخص سے اس کا سبب دریافت کیا تو اس نے پوچھا کیا تو مسافر ہے تو زریر نے جواب دیا ہاں میں مسافر ہوں اور کل ہی اس شہر میں وارد ہوا ہوں۔ اس شخص نے کہا یزید کے مخالف نے بغاوت کی تھی اور فوج یزید نے اس کو قتل کیا ہے آج اسی شہر میں اس کے اور اس کے ساتھیوں کے سروں کو لایا جا رہا ہے نیز اس کے اہل حرم بھی اسیر کر کے بے پردہ آج اسی شہر میں لائے جا رہے ہیں۔ زریر نے پوچھا کیا وہ

لہ آتش نمرود سے رہا ہو کر حضرت خلیل ہجرت کر کے پہلے پہل اسی جگہ پر پہنچے تھے اور کہتے ہیں یہ پہلا شہر ہے جو طوفانِ نوح کے بعد تعمیر ہوا۔ (فرسان الہیجا)

مسلمان تھے؟ اس نے جواب دیا ہاں وہ مسلمان تھے۔ زریر نے پوچھا ان کا بزرگ کون تھا؟ کہا علی بن ابی طالبؑ کا فرزند ہے جس کا نام حسین ہے اور رسول کا نواسہ ہے زریر سن کر متعجب سا ہو گیا جب فوجی گذر گئے اور سرہائے شہداء بھی گذر گئے اور قیدیوں کی باری آئی تو گریاں آنکھوں سے آگے بڑھا جب اس کی نظر حضرت سجادؑ پر پڑی اور بحالت بیماری اس کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھا تو زار و قطار رو دیا حضرت سجادؑ نے دیکھ کر دریافت کیا کہ تو کون ہے؟ اُس نے عرض کی میں ایک مسافر ہوں آپ نے فرمایا یہاں کے لوگ ہماری حالت کو دیکھ کر ہنستے ہیں تو روتا کیوں ہے؟ زریر نے عرض کی میں آپ کو پہچانتا ہوں اے کاش کہ اس شہر میں نہ آیا ہوتا اور آپ کو اس حالت میں نہ دیکھا ہوتا۔ ہائے آج یہاں میرا قبیلہ ہوتا تو آپ دیکھتے کہ میں آپ کے ساتھ وفاداری کیسے کرتا ہوں۔ میں ان ظالموں سے وہ عبرتناک سلوک کرتا کہ رہتی دنیا تک اسلامی تاریخ اس پر ناز کرتی۔ آپ نے فرمایا اے جوان تجھ سے مجھے محبت کی بو آ رہی ہے خدا تجھے جزائے خیر دے۔ زریر نے عرض کی مولا میرے لائق کوئی خدمت ہو تو فرمایئے آپ نے فرمایا اگر ہو سکے تو ان ظالموں سے کہہ دو کہ میرے بابا کے سر کو حرموں کے کجاووں سے دُور لے جائیں تاکہ تماشائیوں کا ہجوم پردہ داروں سے الگ ہو جائے چنانچہ زریر نے ان ظالموں کو پچاس مثقال سونا دیا کہ سروں کو ذرا دُور لے جائیں پھر واپس حضرت سجاد کی خدمت میں آیا اور عرض کی مولا، کوئی اور میرے لائق حکم ہو تو فرمایئے۔ آپ نے فرمایا اگر تیرے پاس کوئی زائد کپڑے موجود ہوں تو میرے پردہ داروں کے لئے کچھ لے آؤ۔ چنانچہ وہ اسی وقت گیا اور مستورات کے لئے کچھ کپڑے لایا اور حضرت سجاد کے لئے بھی ایک عمامہ اور جبہ لایا۔

اتنے میں طبل اور باجوں کا شور زیادہ ہوا اور لوگوں میں آمد آمد کی آوازیں بلند ہوئیں دیکھا کہ شمر حرامزادہ چند اشقیاء کے ہمراہ خوشی میں جھومتا ہوا آن پہنچا۔ زریر حمیت اسلامی اور جوشِ ایمانی سے آگے بڑھا اور شمر کے گھوڑے کی لگام تھام کر پوچھا کہ اے ملعون یہ سر کس کا ہے جو نیزہ پر سوار ہے اور یہ قافلہ کون ہے جو قیدی ہے اور برہنہ پشت اونٹوں پر سوار ہے۔ شمر نے اس کو جھڑک کر کہا کہ دُور ہو جا پس اپنے ملازمین کو حکم دیا کہ اس کو اپنی بے ادبی کی سزا دو۔ چنانچہ شمر کے غلام خنجر لے کر آگے بڑھے اور اہل شہر نے بھی اینٹ پتھر اس مسافر پر برسانے شروع کئے پس وہ بیچارہ زخمی ہو کر بے ہوش فرشِ بازار پر گر گیا انہوں نے مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا اور چلے گئے۔ جب نصف شب کے وقت زریر کی آنکھ کھلی تو کوئی آدمی نظر نہ آیا پس اٹھا اور مسجد کی طرف روانہ ہوا جس کو حضرت سلیمان پیغمبر نے بنایا تھا اور بہت سے انبیا اس میں مدفون بھی ہیں۔ وہاں ایک جماعت کو دیکھا جن کے سر ننگے گریبان چاک ہیں اور محوِ گریہ ہیں۔ زریر نے پوچھا شہر کے لوگ خوش ہیں اور تم غمزدہ ہو یہ کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جو لوگ

خوش ہیں وہ خارجی ہیں اور ہم لوگ محبان خاندانِ رسول ہیں اگر تو دشمنوں میں سے ہے تو نکل جا اور اگر دوستوں میں سے ہے تو بیٹھ جا۔ زریر نے اپنا سارا واقعہ بیان کیا چنانچہ سب نے مل کر ماتم کیا اس کے بعد زریر نے اپنا تمام مال و اسباب فروخت کر کے ہتھیار خرید کر لئے اور ایک سو دو آدمیوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور جمعہ کے روز خروج کر کے وہاں کے خطیب کو قتل کر ڈالا اور حاکم کو گرفتار کر لیا۔

ورودِ شام

شہرِ دمشق بنی اُمیہ کا پایۂ تخت تھا۔ اور معاویہ سے لے کر بنی اُمیہ کے آخری بادشاہ مروانِ حمار تک اسلامی حکومت کا دارالسلطنت رہا۔ اُس زمانہ میں شام مملکتِ اسلامیہ کا ایک صوبہ تھا جس میں لبنان، فلسطین اور اردن وغیرہ کے علاقے داخل تھے اور پوری عرب آبادی میں یہ علاقہ نہایت زرخیز تھا۔ اور خلیفہ دوم کے زمانہ سے ملک شام پر معاویہ کا اقتدار بحیثیت گورنر قائم ہوا اُس وقت دمشق صوبہ شام کا دارالحکومت تھا لیکن امام حسن علیہ السلام کی صلح کے بعد معاویہ مطلق العنان حکمران ہوا۔ تو دمشق کو پوری مملکت اسلامیہ کا صدر مقام قرار دیا گیا۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے داخلہ شام کی کیفیت منقول ہے کہ سرہائے شہدا نیزوں پر سوار تھے اور بیبیاں برہنہ پشت اونٹوں پر اور جب ہم میں سے کوئی روتا تھا تو پیچھے سے سپاہی ہمیں نیزوں کی انیوں سے چپ کراتے تھے۔

سہل سے مروی ہے کہ میں اس سال بیت المقدس کی زیارت کے لئے چلا اور میرا گذر شہر شام سے ہوا۔ یہ شہر ویسے بھی آباد اور بارونق تھا لیکن اس دن عید و جشن کا سامان تھا۔ بازار سجائے گئے تھے اور عورتیں جابجا دفیں بجا رہی تھیں۔ لوگوں کا ہجوم اس قدر تھا کہ بازار سے گذرنے کو راستہ نہ ملتا تھا لوگوں نے فاخرہ لباس پہنے تھے میں نے پوچھا کیا آج عید کا تہوار ہے؟ تو جواب ملا کہ نہیں۔ تو میں نے خوشی کا سبب دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کیا تو مسافر ہے؟ میں نے کہا ہاں میں مسافر ہوں، انہوں نے کہا زمین عراق میں ایک شخص نے یزید کے خلاف خروج کیا تھا اور یزید نے اس پر فتح پائی ہے۔ میں نے پوچھا وہ کون تھا؟ تو جواب ملا کہ وہ حسین بن علی رسولِ خدا کا نواسہ تھا۔ میں نے اندازِ تعجب میں کہا کہ ہائے فرزند رسولؐ کے قتل پر اس قدر خوشی کرتے ہو اور پھر اس کو خارجی بھی کہتے ہو؟ انہوں نے کہا چُپ رہو اور اپنی جان کی خیر مناؤ۔ بروایت مناقب لوگوں نے پوچھا تو کون ہے؟ میں نے جواب دیا میں سہل بن سعد صحابی رسولؐ ہوں، کہنے لگے اے سہل تعجب ہے کہ نہ آسمان خون برستا ہے اور نہ زمین بندوں کو نگلتی ہے غضب ہو گیا آج فرزند پیغمبر کا سر اور اس کی اہل بیتؑ کو یزید کے پیش کیا جا رہا ہے۔ میں نے پوچھا کہ کس راستہ سے؟ تو جواب دیا گیا۔ باب الساعات سے۔ پس میں نے دیکھا پہلے طبل ڈھول بجانے والے داخل ہوئے پھر

وہ جن کے ہاتھوں میں علم تھے مجمع بہت زیادہ تھا۔ کافی دیر کے بعد سر لائے گئے اور لوگ بے انتہا خوشیوں کے نعرے بلند کر رہے تھے اور میں نے ایک نیزہ پر سر دیکھا جو جناب رسالتمآبؐ سے زیادہ مشابہ تھا۔ اور وہی حسینؑ کا سر تھا یہ دیکھتے ہی میں نے اپنا سر منہ پیٹ لیا اس کے بعد عورتوں کی ناخوشگوار حالت دیکھی تو گریہ ضبط نہ ہو سکا۔ ایک بی بی نے رو کر فریاد کی۔ اے رسولِ خدا، تیری بیٹیاں آج اس طرح قید میں جس طرح یہود و نصاریٰ کی عورتوں کو قید کیا جاتا ہے، ہمارے چھوٹے بڑے سب مرد مارے گئے اور ہم سر عریاں و بے پردہ شہر بشہر پھرائے جا رہے ہیں پس میں نے قریب جا کر پوچھا کہ تو کون ہے تو جواب دیا۔ اَنَا سَکِیْنَۃُ بِنْتُ الْحُسَیْنِ، میں نے عرض کی اگر میرے لائق کوئی خدمت ہو تو حکم کیجئے۔ بی بی نے کہا اے سہل، اس شخص سے کہو جس کے پاس میرے بابا کے سر والا نیزہ ہے کہ ہم سے آگے ہو کر چلے تاکہ لوگ سر کو دیکھنے میں مشغول ہو جائیں اور ہم اولادِ رسولؐ کا پردہ بچ جائے۔ چنانچہ سہل کہتا ہے میں نے چالیس مثقال سونا دیا تو اس نے سر کو اہلِ حرم سے آگے بڑھا دیا پھر میں نے عرض کی کوئی اور خدمت میرے ذمہ لگائیے تو بی بی نے کچھ چادریں طلب کیں اور میں نے دے دیں۔ سہل کہتا ہے میں ایک محمل کے نیچے گیا جس پر حسینؑ کی دو نو بہنیں سوار تھیں میں نے سلام دیا تو جناب ام کلثوم نے فرمایا جب سے ہمارا بھائی حسینؑ شہید ہوا ہے ہمیں کسی نے سلام نہیں کیا آج تو کون ہے جو سلام کہتا ہے؟ سہل نے جواب دیا میں شہر روز کے رہنے والا سہل تمہارے نانا کا صحابی ہوں یہ سنتے ہی بی بی نے میرے سامنے اپنے تمام مصائب دردناک بیان کئے۔

دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ سہل کہتا ہے۔

بوقت داخلہ شام سب سے آگے آگے خولی کے ہاتھ میں نیزہ تھا جس پر امام مظلوم کا سر تھا اس کے بعد شمر کے ہاتھ میں نیزہ تھا جس پر حر کا سر تھا اس کے بعد حضرت ابو الفضل عباس کا سر ایک نیزہ پر سوار تھا جو قشعم جعفی کے ہاتھ میں تھا پھر سنان بن انس کے نیزہ پر ہم شکل پیغمبر جناب علی اکبر کا سر انور تھا اور سر ہائے شہداء کے بعد قافلہ اسیران داخل ہوا۔ سب سے آگے حضرت سجاد تھے اور پیچھے بیبیاں تھیں، ان میں سے ایک شہزادی بہت رو رہی تھی میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو اس نے مجھے جھڑک دیا اور میں مدہوش ہو گیا میں نے معافی چاہی تو فرمانے لگی اَلَا تَسْتَحِیْ مِنَ اللّٰہِ اَنْ تَنْظُرَ اِلٰی حَرَمِ رَسُوْلِ اللّٰہِ۔ کہ تجھے اپنے اللہ سے شرم نہیں آتی کہ حرم رسولؐ کی طرف دیکھتا ہے، میں نے عرض کی اے آقا زادی میری نظر تماشائی کے طور پر نہیں بلکہ عبرت کے لئے ہے تو انہوں نے پوچھا تو کون ہے؟ میں نے جواب دیا میں سہل صحابی رسولؐ ہوں۔

بروایت سہل مذکور ہے کہ میں نے ایک بالا خانہ میں پانچ عورتوں کو دیکھا ان میں سے ایک عورت جس کی عمر اسّی برس کے قریب تھی جب امام مظلوم کا سر اس کے سامنے سے گذرا تو اس نے ایک پتھر زور سے مارا جو امام مظلوم کے سر پر جا لگا پس وہ فوراً گرفتار عذاب ہوئی اور محل کو آگ لگی پس وہ اپنی سہیلیوں سمیت جل کر خاکستر ہو گئی۔

بروایت منتخب تین گھنٹے امام مظلوم کا سر یزید کے گھر کے دروازہ پر نصب رہا پس لوگ ہنستے تھے اور بیبیاں گریہ کرتی تھیں۔ امام زین العابدین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جب دربار میں پیش کیا گیا تو ایک رسّی میں سب قیدیوں کو باندھا گیا کہ ایک ہی رسّی میری گردن میں تھی اور اسی سے جناب ام کلثوم کی گردن اور جناب زینب کا بازو باندھا گیا تھا اور جناب سکینہ اور باقی بیبیاں بھی اسی رسّی سے باندھی گئی تھیں۔

اور مروی ہے کہ رسن بستہ قیدیوں کو سامنے لایا گیا اور بروایت طریحی وہ کمینہ ایک ایک کے متعلق پوچھتا تھا یہ کون ہے وہ کون ہے؟ اور جواب ملتا تھا۔ یہ زینب ہے وہ ام کلثوم ہے وہ سکینہ ہے الخ یزید نے جب ایک رسی میں بندھی ہوئی بیبیوں کی صف کو دیکھا تو ایک خورد سال بچی پر نظر پڑی جس نے اپنے منہ کو اپنے ہاتھ کی آستین سے چھپایا ہوا تھا۔ یزید نے پوچھا یہ کون ہے؟ تو جواب ملا کہ ھذہٖ سکینۃ بنت الحسین۔ یزید کہنے لگا۔ تو سکینہ ہے؟ پس بی بی نے زار و قطار رونا شروع کیا۔ یزید نے پوچھا روتی کیوں ہو؟ تو بی بی نے فرمایا میں کیوں نہ روؤں کہ میرے پاس کوئی چادر نہیں کہ نامحرموں سے اپنے بال اور منہ چھپا سکوں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ بی بی نے ایک ہاتھ منہ پر اور دوسرا ہاتھ گردن پر رکھا ہوا تھا۔

آج بروز چہار شنبہ ۲ جنوری سنہ ۸۱ء مطابق ۲۲ ذوقعدہ سنہ ۱۴۰۹ھ بوقت ساڑھے دس بجے صبح کتاب "اصحاب الیمین" کی کتابت مکمل ہوئی۔ والحمد للہ رب العالمین۔ قارئین کرام سے طالب دعا ہوں اور خداوند کریم سے بحق محمد و آل محمد توفیق مزید چاہتا ہوں کہ مجھے زیادہ سے زیادہ مذہب حقہ کی خدمت کی ہمت بخشے۔ آمین۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

حسین بخش

محمد صدیق خوش نویس